



کو گردایا مالکِ اشتر جنگِ جمل میں عبد اللہ ابنِ زبیر کو دیکھتے ہی ان سے لپٹ گئے اور دونوں نے گھوڑے ہی پر کشتی لڑنا شروع کر دی اور زمین پر گر پڑے عبد اللہ نے مالکِ اشتر کے نیچے پڑے ہوئے چیخنا شروع کیا مجھے اور مالکِ اشتر قتل کر دو لیکن غبار اڑنے کے سبب سے لوگ یہ نہ سمجھ سکے کہ وہ کیا چاہتے ہیں۔ اور اگر عبد اللہ نے یہ کہا ہوتا کہ مجھے اور مالکِ اشتر قتل کر دو تو دونوں آدمی قتل کر دیئے جاتے جب دونوں آدمی ایک دوسرے سے جدا ہوئے تو جناب مالکِ اشتر نے یہ اشعار پڑھنا شروع کئے۔

”اگر میں تین دن سے بھوکا نہ ہوتا تو تم اپنے بہن کے بیٹے کو مقتول پاتیں۔“ یہ اس صبح کا واقعہ ہے جب نیزے اسے اس طرح کھا رہے تھے جس طرح کانٹے چبھتے ہیں اور وہ پکار پکار کر کہہ رہا تھا کہ مجھے اور مالکِ اشتر قتل کر دو۔ عبد اللہ کو مجھ سے ان کی جوانی اور پیٹ بھرا ہونے نے بچالیا اور میں بوڑھا ہوں اس لیے اسے بھاگنے سے روک نہ سکا۔

جناب مالکِ اشتر کی انتہائی شجاعت تھی جس سے بقول شارح ابن الحدید جلد ۲، صفحہ ۸۱: حضرت امیرؓ نے انھیں اور عمار یا سر کو اس وقت بلایا جب آپ نے دیکھا کہ لوگ حضرت ام المومنین کے مہارنا قہ پر فنا ہو رہے ہیں اور ہاتھ کٹ کٹ کے گر رہے ہیں اور جانیں جا رہی ہیں تو آپ نے ان دونوں حضرات سے فرمایا کہ تم دونوں اونٹ کو ہلاک کر ڈالو اس لیے کہ جب تک یہ اونٹ ان لوگوں میں رہے گا جنگ کی شدت باقی رہے گی اس لیے کہ ان لوگوں نے جنگِ جمل کے اونٹ کو اپنا قبلہ اور مذہب بنالیا ہے جناب عمار اور مالکِ اشتر کے ساتھ قبیلہ مراد کے معمر بن عبد اللہ بھی تھے حکم پاتے ہی دونوں جانبازوں نے تلواریں سونت کر جنگ شروع کر دی اور اونٹ تک پہنچ گئے مرادی نے بڑھ کر اس کے



تلوے کے اوپر کی رگ پر ایسی تلوار ماری کہ وہ زور شور سے چیخنے لگا اور پہلو کے بھل گر پڑا یہ دیکھتے ہی جو لوگ اونٹ کو گھیرے ہوئے تھے بھاگ کھڑے ہوئے۔

۴۔ جناب مالک اشتر نے جس طرح جنگِ جمل میں اپنی عدیم الشال شجاعت کے گہرے نقوش چھوڑے ہیں اسی طرح جنگِ صفین میں ان کی نبرد آزمائی و شجاعت بہادری نے دشمنوں کے دلوں پر اپنا سکہ جمادیا تھا۔ جس کے سبب سے تعصب کے گہرے پردوں کے باوجود مورخین ان پر پردے نہ ڈال سکے۔ اگرچہ صفین کا پورا معرکہ مالک اشتر کی شجاعت و بہادری کا ایک روشن باب ہے لیکن ان میں سے چند نمونے اس مختصر کتاب میں پیش کیے جاتے ہیں۔ تفصیل کے لیے کتب تاریخ کا مطالعہ کیا جائے۔

۱۔ جب حضرت امیر المومنین علیؑ جنگِ صفین کے لیے روانہ ہوئے اور مقامِ رقعہ پہنچے تو وہاں پر آپ نے فرات کو عبور کرنا چاہا آپ نے اہل رقعہ کو حکم دیا کہ مرے عبور کے لیے کشتیوں کا پل تیار کرو ان لوگوں نے اس سے انکار کیا حضرت امیر جناب مالک اشتر کو سردار بنا کر آگے بڑھ گئے تاکہ منہج کے پل سے فرات کو عبور کریں حضرت کے جانے کے بعد جناب مالک اشتر نے قلعہ رقعہ کے لوگوں سے قسم کھا کر ارشاد فرمایا کہ فوراً پل تیار کرو ورنہ میں تم لوگوں کو تباہ و برباد کر دوں گا یہ دھمکی سن کر اہل رقعہ تھرا گئے اور پل تیار کیا اور جناب مالک اشتر مع اپنے ساتھیوں کے دریا کے اس پار پہنچ گئے۔ (طبری جلد ۵، صفحہ: ۲۳)

۲۔ حضرت امیر علیؑ نے مقدمۃ الجیش کے طور پر زیاد بن نصر اور شریح بن ہانی کو راستے سے روانہ کیا تھا سوروم میں ان لوگوں سے ابوالاعور سلمیٰ سردار فوج معاویہ سے ملاقات ہوئی ابوالاعور شجاع و بہادر بھی تھا فوج کثیر ہمراہ لیے تھا ان دونوں حضرات نے حضرت علیؑ کو اطلاع دی آپ نے فوراً مالک اشتر کو روانہ



کرنا لیکن ابوالاعور نے جنگ چھیڑ دی جناب مالک اشتر نے کئی دن تک اس کا مقابلہ کیا پھر خود اسے مقابلے کے لیے طلب کیا مگر اس کی ہمت نہ پڑی مالک اشتر نے اس سے پھر زبردست جنگ کی دوسرے دن ابوالاعور مع اپنے ساتھیوں کے بھاگ کھڑا ہوا۔ (طبری جلد ۵، صفحہ: ۲۳۹)

۳۔ جنگ صفین میں جب معاویہ کی فوج نے گھاٹ سے حضرت امیر کے لشکر کو پانی نہیں لینے دیا تو حضرت نے گھاٹ چھینے کے لیے فوج روانہ کی اور آخری دستہ مالک اشتر کی سرکردگی میں روانہ کیا آپ نے وہاں پہنچ کر ابوالاعور سلمیٰ اور عمرو بن عاص کی فوج سے ایسی شدید جنگ کی کہ بالآخر پانی کا گھاٹ دشمن سے چھین ہی لیا۔ (شرح فتح البلاء: ابن ابی الحدید جلد ۱: صفحہ: ۲۴۳)

۴۔ ذی الحجہ ۳۶ھ میں جب مقام صفین میں حضرت علیؑ اور معاویہ کا لشکر مجتمع ہوئے اور طرفین میں جنگ شروع ہوئی اور ایک ایک نامی بہادر اور سردار لشکر جنگ کے لیے آنے لگا تو حضرت امیر جسے سب سے زیادہ مقابلہ کے لیے بھیجتے تھے وہ جناب مالک اشتر ہی تھے۔ (طبری جلد ۵، صفحہ: ۳۴۳)

۵۔ ابو مخنف اپنے استاد سے عبداللہ بن عامر فاشی سے نقل کرتا ہے کہ میری قوم کے ایک شخص نے نقل کیا ہے کہ جناب مالک اشتر ایک دن قاریان قرآن و شہسواران عرب کی ایک جماعت کے ساتھ جنگ کے لیے نکلے بڑا زبردست رن پڑا اسی اثناء میں شامی لشکر سے ایک پہلوان نکلا خدا کی قسم ہم نے ایسا لمبا چوڑا موٹا تازہ آدمی کم دیکھا تھا اس نے اپنا مقابل طلب کیا کسی کی ہمت نہ پڑی کہ اس کے مقابلے کے لیے جائے مگر جناب مالک اشتر اس کے مقابلہ کے لیے میدان میں آئے ہی تو گئے بس صرف دو ضربتوں کی رد و بدل ہوئی تھی کہ مالک اشتر نے اسے تیغ کر ڈالا یہ حال دیکھ کر اس کے ساتھیوں میں سے ایک



شخص نے پکار کر کہا کہ اے سہم بن ابی غیزار اور اے وہ جسے ہم نبوراز میں بہترین آدمی جانتے ہیں اس کے بعد اس نے قسم کھا کر کہا کہ اب میں تیرے قاتل کو قتل کروں گا یا تیرا قاتل مجھے قتل کر دے یہ کہہ کر مالک اشتر پر حملہ آور ہوا جناب مالک اشتر اس کی طرف مڑے اور زمین پر ڈھیر کر دیا بمشکل اس کے ساتھی مالک اشتر کے پنجے سے اسے چھڑا کر لے گئے۔ (طبری جلد ۵، صفحہ: ۲۴۳)

۶۔ راوی ناقل ہے کہ عراقی فوج سے کیت گھوڑے پر سوار ایک شخص نکلا جو اسلحے میں ڈوبا ہوا تھا صرف اس کی آنکھیں نظر آرہی تھیں ہاتھ میں نیزہ لیے تھا اہل عراق کے سروں پر نیزہ مار مار کر کہتا جاتا تھا کہ خدا تم پر رحم کرے اپنی صفیں درست کرو جب صفیں اور علم ٹھیک ہو گئے تو شامیوں کی طرف پشت کر کے خطبہ پڑھا اور کہا خدا کا شکر جس نے ہمارے درمیان اپنے نبی کے چچا زاد بھائی کو قرار دیا ہے جو ہجرت میں سب سے مقدم اسلام لانے میں سب سے پہلے خدا کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہے خدا نے اسے اپنے دشمنوں پر انڈیل دیا ہے۔ نظر میں رکھو جب شدت کی جنگ شروع ہو جائے غبار اڑنے لگے نیزے ٹوٹنے لگیں بہادروں کو لے کر گھوڑے گردش کرنے لگیں تو میں صرف بہادروں کی چیخ پکار اور ہمہ کی آواز سنوں دیکھو ایسے وقت میں تم میری پیروی کرنا اس کے بعد اہل شام سے اس شدت کی جنگ کی کہ نیزہ ٹوٹ گیا اس کے بعد واپس آیا اب جو میں نے دیکھا تو وہ مالک اشتر تھے۔ (شرح ابن ابی الحدید جلد ۱، صفحہ: ۱۸۳)

### جنگ لیلۃ الہریر

صفین کے معرکے میں ایسا وقت بھی آیا جب فوجیں فوجوں کی طرف بڑھیں غضب کارن پڑنے لگا تیروں اور پتھروں کی بارش شروع ہوئی یہاں تک کہ تیر اور پتھر ختم ہو گئے۔ نیزہ بازی شروع ہوئی اور نیزے ٹوٹ گئے اس کے بعد





لوگ تلواریں اور خیموں کی چوبیس لے کر ایک دوسرے کی طرف بڑھے پھر کیا تھا سوائے لوہے کے کھنکھناہٹ کے کان پڑی آواز نہ سنائی دیتی تھی یہ خوفناک آوازیں لوگوں کے دلوں پر بجلیوں کی کڑک اور تہامہ کے پہاڑوں کو ایک دوسرے سے ٹکرانے سے زیادہ ہولناک معلوم ہوتی تھیں۔ غبار سے فضا تاریک ہو رہی تھی۔ آفتاب کو گہن لگ گیا تھا۔ فوج کے نشان چھپ گئے تھے مالک اشتر ہر ہر فوج کے مہینے دیمبرے کے درمیان میں آتے تھے قاریاں قرآن کو حکم دیتے تھے آگے بڑھو آگے بڑھو لوگ نماز صبح سے نصف شب تک مسلسل اسی طرح لڑتے رہے کسی کو اس اثناء میں نماز پڑھنے کا موقعہ بھی نہیں ملا مالک اشتر برابر یہی کرتے رہے یہاں تک کہ صبح ہو گئی لیکن آتش جنگ پھر بھی اسی طرح بھڑکتی رہی۔ اب جو فریقین ایک دوسرے سے جدا ہوئے تو معلوم ہوا فریقین کے ستر ہزار آدمی قتل ہو چکے ہیں جنگ لیلۃ الہریر کے نام سے اس رات کی جنگ مشہور ہے اس لڑائی میں مالک اشتر کے ہاتھ میں لشکر کا مہینہ ابن عباس کی سرکردگی میں میسرہ تھا حضرت امیر علیہ السلام قلب لشکر میں تھے۔ لڑائی اب بھی جاری تھی اور دوسری رات کے نصف شب سے صبح تک اسی شدت کی جنگ ہوتی رہی اس جنگ میں مالک اشتر اہل شام پر حملہ کرتے ہوئے اپنا برجھا زمین پر ڈال کر ساتھیوں سے کہتے جاتے تھے اس برجھے پر آگے بڑھو جب وہ مسافت طے ہو جاتی تھی تو کمان دوش سے اتار کر زمین پر ڈالتے تھے اور کہتے تھے بس ایک کمان اور آگے بڑھو جب وہ ایسا کر لیتے تھے تو پھر ایسا ہی کرتے تھے، اس طرح اس قدر فوج کو آگے بڑھایا کہ ساری کی ساری فوج تھک کر چور ہو گئی اور اس میں آگے بڑھنے کی قوت نہ رہ گئی۔

مالک اشتر نے جب لوگوں کی یہ کیفیت دیکھی تو کہنے لگے کہ میں خدا سے پناہ



مانگتا ہوں کہ تم لوگ سارے دن بھیڑوں کا دودھ دوھتے رہو (یعنی راحت و آرام و اطمینان سے بسر کرو) اس کے بعد اپنا گھوڑا طلب کیا اور اپنے علمدار حیان بن ہودہ غنمی سے علم لے کر زمین پر گاڑ کر فوج کے درمیان یہ کہتے ہوئے گزرے کہ خوشنودی خدا کے لیے مالک اشتر کے ساتھ کون اپنی جان کو بیچتا ہے یہاں تک کہ دشمن پر غالب آجائے یا شہید ہو کر بارگاہ رب العزت میں پہنچ جائے بس یہ آواز سنتے ہی لوگ صفوف لشکر سے نکلنے لگے اور مالک اشتر کے ساتھ دشمنوں سے جنگ کرنے لگے۔ (شرح نہج البلاغۃ ابن ابی الحدید جلد ۱، صفحہ: ۱۸۵)

جنگ مالک اشتر کی یہ چند تصویریں ہیں ورنہ میدان جنگ میں کتنے ہی ایسے مقامات نظر آئیں گے کہ وہ پھرے ہوئے شیر کے مانند دشمنوں کا شکار کر رہے تھے یا بقول طرناح بن عدی معاویہ نے طرماح سے اپنے فوج کی کثرت بیان کی تھی تو طرناح نے جواب میں کہا کہ، میرے مولانے مالک اشتر نامی ایک مرغ پال رکھا ہے جو رائی کے مانند تیری فوج کو ایک ایک کر کے چگ جائے گا۔

خصوصیت سے صفین میں جناب مالک اشتر نے ایسی جنگ کی تھی کہ بالاخر معاویہ کے خیمے تک پہنچ ہی گئے جس سے اس کے حواس باختہ ہو گئے اور عمرو بن عاص کے مشورے سے نیزوں پر قرآن بلند کر کے یہ درخواست پیش کرنا پڑی کہ قرآن مجید کو حکم بنایا جائے۔

## مکارم اخلاق جناب مالک اشتر

مالک اشتر جس طرح شجاعت و بہادری اخلاق کے اعلیٰ مدارج پر فائز تھے۔ بڑے جواد و سخا بھی تھے کریم النفس بھی تھے زاہد و متقی و پرہیزگار و خدا ترس بھی تھے۔ ایک دن کی حکایت ہے کہ وہ کوفے کے بازار سے گزر رہے تھے سوتی کپڑے کی قمیص اور عمامہ پہنے ہوئے تھے ایک بازاری آدمی نے انھیں اس



کپڑے کی قمیص اور عمامہ پہنے ہوئے تھے ایک بازاری آدمی نے انھیں اس حالت میں دیکھا تو ان کی یہ ہیئت اس کو پسند نہیں آئی اور ذلیل کرنے کے لیے اپنے دروازے سے ایک تیران کی طرف پھینکا جناب مالک گزر گئے اور اس کی طرف تو جب بھی نہ کی اس سے کہا گیا تم نے پہچانا بھی کہ کس کو تیرا مارا ہے اس نے کہا میں نے تو نہیں پہچانا اس سے کہا گیا یہ مالک اشتر صحابی امیر المومنین علیہ السلام ہیں یہ ٹن کر وہ کانپنے لگا اور معذرت کرنے کے لیے ان کی خدمت میں آیا لیکن وہ اس وقت مسجد میں داخل ہو چکے تھے اور کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے جب نماز ختم کر چکے تو وہ شخص قدموں پر گر کر معذرت کرنے لگا جناب مالک اشتر نے کہا کیا بات ہے تم میرے قدموں پر کیوں گر پڑے اس نے عرض کیا میں نے ابھی جو برتاؤ آپ کے ساتھ کیا تھا اس کی معذرت کرتا ہوں میں آپ کو نہ پہچانتا تھا مجھ سے بہت بڑی جسارت ہوئی ہے مجھے معاف کر دیجئے۔ جناب مالک اشتر نے فرمایا تم گھبراؤ نہیں مسجد میں صرف اس لیے آیا ہوں کہ تمہارے لیے استغفار کروں۔ (بخاری انوار جلد ۹، صفحہ: ۷۲۳)

یہ ہے سیرت امیر المومنین و پیغمبر اسلام علیہم السلام پر عمل اور یہ ہے اسلامی تعلیمات کا اثر۔ حقیقتاً اسلام نے اپنے جمیع کو اسی کا حکم دیا ہے اور بزرگان دین کا اسی پر عمل تھا مالک اشتر چونکہ سچے مسلمان تھے اس لیے صاحب جاہ و حشم و اقتدار ہونے کے باوجود بجائے اس کے کہ اس سے مواخذہ کرتے خاموش چلے آئے اور مسجد میں آکر نماز پڑھ کے اس کے لیے استغفار کرنے کیلئے آگئے۔ کاش ہم بھی اسی طرح اپنی زندگی کو ان مکارم اخلاق سے آراستہ کر لیں۔

**دورِ حکومت امیر المومنینؑ میں مالک اشتر کی خدمات:**

جناب مالک اشتر رؤسائے کوفہ میں داخل تھے حجر بن عدی بن حاتم طائی،



صعصعہ بن صوحان اور ان کے امثال سے ان کے گہرے تعلقات تھے اور زمانہ خلافتِ ثالثہ ہی میں ساری دنیا پر یہ چیز عیاں تھی کہ یہ محبِ امیر المومنین ہیں۔ لیکن جب ۱۸ ذی الحجہ ۳۵ھ کو حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی بیعت کی گئی تو مدینے میں بیعت کرنے والوں میں مالک اشتر داخل تھے۔

جب جنگِ جمل کے لیے حضرت امیر المومنین روانہ ہوئے تو جناب مالک اشتر حضرت علی علیہ السلام کے ہمراہ رکاب تھے۔

راستے ہی میں حضرت علی علیہ السلام کو علم ہوا کہ ابو موسیٰ اشعری میری امداد کے لیے اہل کوفہ کو آنے سے مانع ہے حضرت نے اہل کوفہ کے پاس پہلے محمد بن ابی بکر اور محمد بن جعفر طیار کو بھیجا تھا پھر امام حسن علیہ السلام اور عمار یاسر کو روانہ کیا۔ جب وہاں کی امداد آنے میں تاخیر ہوئی تو طبری کے بیان کے مطابق مالک اشتر نے حضرت سے عرض کیا کہ آپ نے امام حسن اور عمار یاسر سے پہلے بھی کسی کو کوفہ بھیجا تھا لیکن اس کا کوئی نتیجہ نہیں ہوا یہ دونوں بزرگوار نہایت مناسب ہیں لیکن مناسب ہو تو مجھے کوفہ بھیج دیجئے۔ اس لیے کہ وہاں کے لوگ میرے مطیع و فرمانبردار ہیں مجھے اُمید ہے کہ کوئی شخص میری مخالفت نہیں کرے گا حضرت نے مالک اشتر کو اجازت دی وہ کوفہ روانہ ہوئے جب کوفہ پہنچے تو لوگ مسجدِ اعظم میں جمع تھے مالک اشتر جس قبیلہ کی طرف سے گزرتے تھے اور دیکھتے تھے کہ مسجد یا کسی نشست گاہ میں جمع ہیں تو حکم دیتے تھے کہ میرے ساتھ دارالامارہ چلو مالک اشتر ان لوگوں کو لیے ہوئے قصرِ حکومت میں داخل ہوئے ادھر ابو موسیٰ اشعری مسجد میں کھڑا ہوا لوگوں کو حضرت کی نصرت سے روک رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ یہ اندھا اور بہرہ فتنہ ہے اس کی مصیبتِ عظیم لوگوں کو پکڑ کر رکھ دے گی اس میں سونے والا بیٹھنے والے سے بہتر ہے، بیٹھا کھڑے ہونے والے سے بہتر ہے،



کھڑا چلنے والے سے بہتر ہے، کھڑا چلنے والا سوار سے بہتر ہے، یہ پیٹ کے درد کی طرح کا فتنہ عظیم تمہارے جائے امن سے آیا ہے جو عاقل کو کل کے مولود بچے کی طرح حیران و پریشان چھوڑ دے گا ہم گروہ اصحاب پیغمبر اسلام فتنہ کو اچھی طرح جانتے ہیں فتنہ جب آتا ہے تو شبہ میں ڈال دیتا ہے جب جاتا ہے تو بے نقاب ہو جاتا ہے۔

عمار یا سر ابو موسیٰ اشعری کو متوجہ کر کے باتیں کر رہے تھے امام حسنؑ اس سے کہہ رہے تھے ہماری دی ہوئی حکومت سے الگ ہو جا ہمارے منبر سے ہٹ جا عمار نے کہا جو کچھ کہہ رہا ہے اسے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی سنا تھا ابو موسیٰ نے کہا جو کچھ میں نے کہا میرے ہاتھ اس کے ضامن ہیں عمار یا سر نے کہا حضرت نے خاص طور سے تجھ سے یہ فرمایا ہوگا کہ فتنہ میں جو بیٹھا ہو کھڑے ہونے والے سے بہتر ہے پھر کہا کہ جو خدا سے مقابلہ کرے گا اور انکار کرے گا خدا اس پر غالب آجائے گا۔

غرض ابھی یہ رد و بدل ہو رہی تھی کہ ابو موسیٰ اشعری کے دو غلام دوڑے ہوئے آئے کہ دیکھئے مالک اشتر قصر میں داخل ہو گئے ہیں اور ہم کو مار کے نکال دیا ہے یہ سن کر ابو موسیٰ اشعری منبر سے اتر کر قصر میں آیا مالک اشتر نے ڈانٹ کر کہا ہمارے قصر سے نکل جا خدا کی قسم تو قدیم زمانے سے منافقین میں داخل ہے ابو موسیٰ اشعری نے ایک رات کی مہلت مانگی مالک اشتر نے کہا مہلت ہے لیکن اس محل میں شب نہیں بسر کر سکتے ہو۔ کوفے کے لوگ ابو موسیٰ اشعری کا مال لوٹنے آئے مالک اشتر نے ان کو منع کیا اور قصر سے نکال دیا اور کہا کہ میں نے ابو موسیٰ اشعری کو قصر سے نکال دیا ہے (طبری جلد ۵، صفحہ ۱۹۱)۔

اس واقعہ کے بعد پورے بارہ ہزار کاشفک کو فے سے حضرت علیؑ کی امداد کے لیے بصرے آیا اور جنگ میں شریک ہوا۔ میدان جنگ جمل کے خدمات کی ایک



جھلک ہم جناب مالکِ اشتر کی شجاعت کے تذکرے میں دکھا چکے ہیں۔  
جنگِ صفین میں مالکِ اشتر مہینے کے سردار تھے اور اس جنگ میں جس  
شجاعت و بہادری و جانبازی سے لڑے ہیں تاریخ میں یادگار رہے گا۔  
جنگِ صفین سے واپسی کے بعد حضرت امیر علیہ السلام نے مالکِ اشتر کو جزیرہ  
کا حاکم بنا کر روانہ کیا۔

جب حکمین کا واقعہ ہو چکا تو آپ نے جناب مالک کو آذربائیجان کا والی بنا دیا۔  
لیکن جب مصر کی حالت زمانہ حکومت محمد بن ابی بکر میں تشویش ناک ہوئی تو  
جناب مالکِ اشتر کو مقامِ نصین سے طلب کر کے مصر کا حاکم بنا کر روانہ کیا راستے  
میں معاویہ نے شہد میں زہر ملا کر شہید کر دیا۔ مصر کی صوبہ داری سپرد کرتے وقت  
آپ کو ایک فرمان عطا کیا تھا وہ سیاست و جہاں بانی کا ایسا مکمل دستور ہے جسے  
دیکھ کر اس عصر کے عقلاء بھی دنگ رہ جاتے ہیں۔

### جناب مالکِ اشتر کی ادبی خدمات

عربستان میں ریاست و امارت کے لیے لازم تھا کہ رئیس خطیب بھی ہو شاعر  
بھی ہو زمانہ جاہلیت میں جب کسی قبیلے میں کوئی شاعر یا خطیب پیدا ہو جاتا تھا تو  
پورا قبیلہ جشن مناتا تھا۔ دوسرے قبائل پر فخر و مباہات کرتا تھا۔

جناب مالکِ اشتر اپنے قبیلے کے مانے ہوئے رئیس تھے اور کوفہ میں بڑا اثر  
و نفوذ رکھتے تھے۔ ادب عربی کے بہترین ماہر تھے اور اوراقِ تاریخ پر ان کے مغز  
خطبات اب بھی موجود ہیں نصرتِ امیر المومنین علیہ السلام میں جابجا ان کا فصیح و بلیغ  
کلام پایا جاتا ہے۔ خطابت کے ساتھ ساتھ شعر و سخن میں بھی کامل مہارت رکھتے  
تھے۔ مالکِ اشتر کا ادبی کمال ہی تھا جس سے حبیب بن اوس طائی نے جب  
بکھرے ہوئے اشعار عرب کو جمع کرنا شروع کیا اور اپنے اوپر لازم قرار دے لیا



کے اعلیٰ معیار پر ہوں گے تو ان کی نظر انتخاب جناب مالکِ اشتر کے اشعار پر بھی پڑی چنانچہ اب تک ان کے اشعار کتابِ حماسہ کی زینت بنے ہوئے ہیں۔ فرماتے ہیں۔

میں اپنے کثیر مال کو خرچ نہ کروں اور مکارمِ اخلاق سے روگردانی  
کر لوں اور مہمانوں سے ترش روئی سے ملوں اگر میں معاویہ  
ابن ابی سفیان پر ایسا حملے پر حملہ نہ کروں جس میں کوئی ان  
لوگوں کی جانوں کے لوٹنے سے خالی نہ ہو۔ اور ایسے گھوڑوں  
پر سوار ہو کر حملہ کروں جو لاغر اور غول بیابان کی طرح ہوں اور وہ  
ایسے کریم النفس آدمیوں کو پیٹھ پر بٹھا کر میدانِ جنگ میں  
دوڑتے ہوں جو جو غضبناک ہوں شدتِ گرما سے ان کے  
لوہے (اسلحے) گرم ہو رہے ہوں اور اس طرح چمک رہے ہوں  
جس طرح بجلیاں یا آفتاب کی کرنیں چمکتی ہیں۔

جنگِ صفین میں جب پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشہور صحابی جناب  
عمار بن یاسر درجہ شہادت پر فائز ہوئے تو جہاں اور افراد نے اس نیک نہاد عابد و  
زاهد صحابی کا ماتم کیا ہے جناب مالکِ اشتر نے بھی ان پر اشکِ حسرت بہائے ہیں  
چنانچہ مرثیہ جنابِ عمار میں فرماتے ہیں۔

نحن قتلنا خوشبالمہ ہم نے جو شبِ قتل کیا ہے جب وہ اپنے کو  
عذاقدا علما، وذر الکلاء آشکارا پیش کر رہا تھا اس سے پہلے ہم نے  
ذوالکلاع اور سعید کو قتل کیا جب وہ قریب  
ان تقتلوا منّا ابا الیقطان آگئے تھے اگر تم نے ہم میں سے  
شیخنا ابو الیقطان (عمار)



مسلمہا فقد قتلنا منکم ایسے مسلمان بزرگ کو قتل کیا ہے تو ہم نے تم میں  
سبعین کھلا ہجوم اٹھوا ستر مجرم بوڑھوں کو قتل کیا ہے جو جنگ صفین  
بصفین وقدہ لا قوا نکا میں آگے تھے اور ان کو ایسی سخت سزا ملی  
لا موتما جو ہمیشہ باقی وقائم رہے گی۔

## احتجاجات مالک اشتر

جناب مالک اشتر جہاں شجاع و بہادر و ادیب و شاعر تھے اسی کے ساتھ ساتھ  
جس جگہ اس کا موقع آ گیا کہ مخالفین کو تلوار نہیں بلکہ زبانِ تکلم سے شکست دیں تو  
اس سے بھی دریغ نہیں کیا چنانچہ جب جناب مالک اشتر کو علم ہوا کہ ام المومنین  
مکے میں جنگ کی تیاری میں مشغول ہیں اور حضرت امیر علیہ السلام پر خروج کا  
ارادہ رکھتی ہیں تو بطور احتجاج ان کو مدینے سے ایک خط تحریر کیا فرماتے ہیں۔

”آپ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ ہیں حضرت نے آپ کو حکم  
دیا ہے کہ گھر میں بیٹھیں اگر آپ ایسا کریں تو آپ کے لیے بہتر ہے لیکن اگر آپ  
اس سے انکار کرتی ہیں اور جس چیز کی ممانعت ہے اسی کو اختیار کرنا چاہتی ہیں اور  
اپنی چادر اتار دینا چاہتی ہیں اور لوگوں کے سامنے اپنے بال کھولنا چاہتی ہیں تو  
میں اس وقت تک آپ سے جنگ کرونگا جب تک آپ اپنے اس گھر میں نہ  
آجائیں جہاں خدا نے آپ کا رہنا پسند کیا ہے۔ (شرح نہج البلاغہ جلد ۲: ۸۰)

مخالفین حضرت علی علیہ السلام کے مقابلہ میں مالک اشتر کے اور بھی مکالمات ہیں  
لیکن اختصار کے خیال سے ہم انھیں ترک کرتے ہیں۔

## شہادت مالک اشتر

زمانہ حکومت حضرت علیؑ میں جب مصر کی حالت دگرگوں ہوئی اور محمد بن ابی





بکر کے خلاف لوگوں نے ہنگامہ شروع کر دیا اور اس کی اطلاع امیر المومنین حضرت علیؑ کو ہوئی تو آپ نے مالکِ اشتر کو طلب کیا جو اس وقت مقام نصیبین میں تھے اور والی آذربائیجان تھے آپ نے مالکِ اشتر کو خط میں تحریر فرمایا تھا۔ مالک تم وہ ہو کہ دین کو درست کرنے میں میں تم سے امداد چاہتا ہوں اور عاصیوں کے تکبر کو تمہارے ذریعہ سے دور کرتا ہوں خوفناک سرحدوں کی تمہارے ذریعہ حفاظت کرتا ہوں محمد بن ابی بکر کو میں نے حاکم مصر بنایا تھا وہ نوجوان ہیں لڑائیوں کا تجربہ نہیں رکھتے ہیں اس لیے تم آ جاؤ تاکہ اس مسئلہ پر بھرپور نظر ڈالی جائے۔ یہ خط پاتے ہی جناب مالکِ اشتر حاضر خدمت ہوئے آپ نے ان سے مصر کے حالات بتائے اور ارشاد فرمایا کہ تمہارے علاوہ کوئی اور وہاں کے حالات کو درست نہیں کر سکتا ہے تمہاری سوجھ بوجھ کے سبب سے میں تم کو کوئی وصیت کبھی نہیں کرتا ہوں دیکھو مالکِ اشتر سخت امور پیش آئیں تو خدا سے طالبِ امداد ہو سختی کے ساتھ ساتھ نرمی بھی ہو جہاں نرمی مناسب ہو وہاں نرمی کرنا لیکن جب بغیر سختی کے کام نہ چلے تو وہاں پورے طور سے سختی کرنا۔

حضرت علیؑ کی ہدایات کے بعد مالکِ اشتر مصر کیلئے روانہ ہوئے معاویہ کے جاسوسوں نے اس کی اطلاع اسے دی یہ امر اس کو بہت شاق گزرا اس لیے کہ وہ پہلے ہی سے مصر کا خواہاں تھا وہ سمجھ گیا کہ اگر مالکِ اشتر مصر پہنچ گئے تو وہ اس کے لیے محمد بن ابی بکر سے بھی زیادہ سخت ہوں گے۔ اس لیے اس نے اہل خراج میں سے ایک ایسے شخص کے پاس قاصد بھیجا جس پر اسے بڑا اعتماد تھا اور کہلا بھیجا کہ مالکِ اشتر مصر کے حاکم ہو کر جا رہے ہیں اگر تو ان کو ہلاک کر دے گا تو جب تک میں اور تم زندہ رہو گے خراج نہیں لوں گا اس لیے ان کے قتل کے لیے کوئی تدبیر کرو۔

مالکِ اشتر کو فنی سے مصر روانہ ہوئے مقام قلزم پہنچے جہاں سے مصری



کشتیاں جاز جایا کرتی ہیں معاویہ نے جس کو قتل جناب مالک اشتر کے لیے ہدایات کی تھیں حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا میں خراج ادا کرتا ہوں میرا مکان یہیں ہے آپ میرے گھر چلے وہاں آپ قیام کر کے آرام لیجئے (پھر سفر کیجئے گا) جناب مالک اشتر اس کے ساتھ گئے وہ شخص اشتر کے لیے کھانا لایا جب فارغ ہوئے تو شہد کا شربت پیش کیا جس میں زہر ملا ہوا تھا جناب مالک اشتر اس کے پینے کے بعد اسی مقام پر شہید ہو گئے۔

شرح نہج البلاغہ میں اسی مقام پر شہادت مالک اشتر کے بارے میں ایک اور روایت تحریر ہے کہ معاویہ نے مکرو فریب سے آل عمر میں سے ایک غلام کو اشتر کے پاس بھیجا تھا جو اس سفر میں ان کے ساتھ تھا یہ غلام مالک اشتر سے برابر حضرت علیؑ اور بنی ہاشم کے فضائل کا تذکرہ کیا کرتا تھا جس سے مالک اشتر اس سے مطمئن اور مانوس ہو گئے تھے ایک دن راستے میں مالک اشتر نے پینے کے لیے پانی مانگا اس غلام نے زہر ملا ہوا ستوان کو پلا دیا جس سے ان کی موت واقع ہو گئی۔

اس تدبیر کے بعد معاویہ نے اہل شام سے کہنا شروع کیا کہ علی بن ابی طالبؑ نے مالک اشتر کو مصر کا حاکم بنایا ہے تم اس کی ہلاکت کی دعا کرو چنانچہ ہر نماز کے بعد بددعا ہونے لگی یہاں تک کہ وہ شخص آیا جس نے زہر دیا تھا اور شہادت مالک اشتر کی خبر دی معاویہ نے اسی وقت خطبہ پڑھا اور کہا کہ علی بن ابی طالب کے دو ہاتھ تھے ایک کو میں نے صفین میں کاٹ دیا وہ عمار یا سر تھے اور دوسرے کو میں نے آج کاٹا ہے وہ مالک اشتر تھے۔ (شرح نہج البلاغہ جلد ۲، صفحہ ۲۹)

## شہادت اشتر پر حضرت امیر کارنج و غم

ایسے وفادار جانباز مخلص اور سچے دوست کی موت کا جو اثر بھی حضرت پر نہ ہوتا کم تھا اسی لیے آپ نے مالک اشتر کی موت کی خبر سننے کے بعد ارشاد فرمایا خدا



مالک پر رحم کرے اس نے اپنا عہد پورا کر دیا۔ اپنی موت تمام کر دی۔ پروردگار عالم سے ملاقات کی اگر ہم نے وفات جناب رسول خدا صلی اللہ وآلہ وسلم کے بعد یہ عہد نہ کر لیا ہوتا کہ ہر مصیبت پر صبر کریں گے تو ہم اس مصیبت کو عظیم ترین مصیبت خیال کرتے۔

شیوخ قبیلہ نفع بیان کرتے ہیں کہ مالک کی شہادت کے بعد ہم لوگ حضرت علیؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ کو اس حالت میں پایا کہ رنج و غم سے آہ آہ اور افسوس کر رہے تھے اس کے بعد فرمایا کہ خدا مالک کا بھلا کرے مالک اشتر بھی کیا خوب انسان تھا۔ مالک اگر پہاڑ ہوتا تو بڑا اونچا ہوتا اگر پتھر ہوتا تو بہت سخت ہوتا بخدا اے مالک تیری موت نے ایک عالم کو رنج و غم میں مبتلا کیا ہے اور ایک عالم کو یقیناً خوش کر دیا ہے مالک کے مانند انسان پر رونے والوں کو رونا چاہیے اور آیا مالک کی طرح کوئی انسان موجود بھی ہے یہ تھی مالک کی شخصیت و عظمت و جلالت۔ (اصحاب امیر المومنین کی قربانیاں حصہ سوئم صفحہ: ۳۸۲۵)

## مالکِ اشتر

محمد اطہر زائریتا پوری

روح صداقت صاحبِ جوہر	نازِ شجاعت شیرِ غضنفر
دستِ یمنِ حیدرِ صفدر	مالکِ اشتر مالکِ اشتر
نصرتِ حق میں کڑیاں جھیلے	فوج میں دھنساوہ بھی اکیلے
خون کا دریا اور وہ شناور	مالکِ اشتر مالکِ اشتر
معرکہ صفین کو دیکھو	فرد، ورائے ذاتِ علیؑ جو
تغِ زنی کا یکتا محور	مالکِ اشتر مالکِ اشتر
مردِ مجاہد، ہاتھ کا سچا	مثلِ علیؑ، جھرمٹ کا لڑنا
عکسِ جہادِ فاتحِ خیبر	مالکِ اشتر مالکِ اشتر
ذوقِ عملِ ایمان بنا تھا	جانِ وفا عرفان بنا تھا
ہمسرِ سلماں ہمسرِ بوذر	مالکِ اشتر مالکِ اشتر
نرم دل و پاکیزہ طینت	لیکن حق کے حسبِ ضرورت
غیظِ مجتسمِ قہر کا پیکر	مالکِ اشتر مالکِ اشتر
بندۂ مومن، کاملِ ایماں	حق پہ کئے قربان دل و جاں
کفر کی خاطر قاتلِ اکبر	مالکِ اشتر مالکِ اشتر
نصرتِ ایماں زیست کا مقصد	عارفِ حق آلِ محمدؐ



نقش و نگارِ مرضی داور مالک اشتر مالک اشتر  
 علم و عمل میں یکساں کامل حکم جو اُس کا اس پر عامل  
 یعنی مجسم الفتِ حیدر مالک اشتر مالک اشتر  
 مسلکِ حیدر کا دلدادہ لیکن ہم سب کا شہزادہ  
 رہرو پینا مقصدِ رہبر مالک اشتر مالک اشتر  
 محفلِ عرفاں کا صہبائی خود بھی پی ہم کو بھی پلائی  
 ساقی بزمِ ساقی کوثر مالک اشتر مالک اشتر  
 پیشِ نظر درسِ قرآنی دل میں بھرا ذوقِ ایمانی  
 حُسن کا پرتو عشق کا جوہر مالک اشتر مالک اشتر

## مشکل کشا کا دست و بازو

قاسم شبیر صاحب نقوی نصیر آبادی

مالک اشتر! صحابیِ امیر المومنین سلطنت تیری، موت، ملکیت تیری یقیں  
 میرا پیر و مالکِ اشتر ہے، کہتے تھے علیؑ راہِ حق میں جس طرح میں ہوں فدا کارِ نبیؐ  
 فرض کا پابند تھا اور مردِ حق آگاہ تھا منزلِ عرفاں میں اک روشن نشانِ راہ تھا  
 ہر تشدد ہر ستم سے ہر جگہ ٹکرا گیا بحرِ غم پر عشق کا طوفان بن کر چھا گیا  
 قوتِ ایمان اٹھائے تھی ترابِ حیات ہر نفس میں تجھ کو ملتی ہوگی خوشبوئے نجات  
 پھول تھے "حاجت روا" تو پھول کی بو بن گیا مرحبا! مشکل کشا کا دست و بازو بن گیا



آگہی تیری تھی روشن شمع اپنے وقت کی جس میں ہر انسان پائے معرفت کی روشنی  
یا علی کہہ کر اٹھاتا ہوگا جب تنہا اکیلے ہاتھ تیرے چومتی ہوگی تری فتح جمیل  
تو شرافت کا صداقت کا شریعت کا معین تو رسالت کا امامت کا خلافت کا معین  
تیرا استقلال تیرا جذبہ مردانگی دوسروں کو بخشتا تھا ہمت منزل رسی  
امتحانِ نفس تھا یا جنگ تھی صفین کی ہر قدم پر جان سے کی ہے حفاظت دین کی  
دے گیا تو کیا سبق اہل شجاعت کے لیے تھی سند شیر خدا کی، تیری جرأت کے لئے  
اک حصا سخت دنا ہوار تیرے گرد تھا ہر نفس پر پھر بھی بس نام علی کا ورد تھا  
ہم گنہگاروں کو تیری خاک پاہل جائے کاش  
آج کی ظلمت میں حق کا راستہ مل جائے کاش

## سب میں ممتاز ہوا مالکِ اشتر کا شرف

سیّد محمد ضامن اثر جاسی

پہنچی معراج پہ یوں معرفتِ شاہِ نجف سب میں ممتاز ہوا مالکِ اشتر کا شرف  
گوسب اصحابِ علی عارفِ کامل تھے مگر ہے انھیں کے لئے مخصوص یہ قولِ حیدر  
جس طرح میں تھا محمدؐ کے لئے تابہ حیات میرے قدموں کو تھا خدمات میں جس حدِ ثبات  
رابطہ مجھ سے ہے بس مالکِ اشتر کو وہی ہر زماں دل میں ولا، و در زباں نامِ علی  
یومِ اظہارِ خلافت کی جو نوبت آئی سرفرازی غلامی سے یہ عزت پائی  
سب تھے لیکن نہ بنا کوئی سواری کا نقیب یہ سعادت بھی ہوئی مالکِ اشتر کو نصیب  
دی خراب در دولت سے چلے شاہِ انام دونوں شہزادہ کونین ہیں ہمراہِ امام  
یہ خبر سنتے ہی ہونے لگا ڈیوڑھی پہ ہجوم ہر طرف پنج کی تھی اصحاب میں دھوم



جنگ میں کشتوں کی پانی جو مسادی تعداد  
تم نے تو ظاہری آثار سے کی تیغ زنی  
صلب میں جس کے تھی مومن کی سعادت پنہاں  
یہ بھی اک خاص شرف مالکِ اشتر کو ملا  
میر مختار کے لشکر کا ملا جبکہ علم  
اُس کی تلوار سے فی النار ہوا ابنِ زیاد  
نہ ہوا آپ کے اصحاب میں کوئی ایسا  
واہ اے مالکِ اشتر کے پسر کیا کہنا  
بے گماں لائقِ تحسین ہیں وہ اصحابِ کرام  
جس میں ہیں بوذرو سلمان و حجر ابنِ عدی  
میثم و سعد بن قیس کمیل ابنِ زیاد  
بنِ صوحاں ، ابوالیوب و اویس قرنی  
یہ وہ ہیں جو رہے ہر حال میں شیدائے امام  
یہ امامت کے قمر کے تھے نجومِ تاباں  
ان کے پرتو میں مودۃ کا تھا جلوہ ایسا  
سب کے سب معرفتِ خاص تھے حق آگاہ  
حق پرستی میں مصائب پہ مصائب جھیلے  
ان کے ہر اسوۂ حسنہ کی تاسی ہو اگر  
اے اثر مدح صحابہ کی ہے مسنون مگر

ہوا ارشاد کہ ہے علم علی تم سے زیاد  
کار فرمائی ہوئی باطن میں مگر تیغِ علی  
نہ کیا اُس کو تیغ بہ علم یزداں  
ناصرِ حق ہوا اس شان سے اُن کا بیٹا  
کردیا دشمنوں کو حملوں سے درہم برہم  
قلبِ مغموم ہوا سیدِ سجاد کا شاد  
جس کی نصرت ہوئی ہوزخمِ جگر کا پھایا  
آج تک جتنا ہے اُس تیغ زنی کا ڈنکا  
سب کا مدوح ہے جس بزمِ کافر سا غلام  
ابی رافع کے پسر اور رشیدِ ہجری  
جابر و حضرتِ عمار و جنابِ مقداد  
ابوالاسود، بنِ عباس و سلیم و سندی  
ان کے اوصافِ حمیدہ میں نہیں جائے کلام  
ان کے انوار سے روشن رہی بزمِ ایماں  
یہ امامت کے، امامت رہی ان کی شیدا  
کر گئے حسنِ عقیدت سے رفاقت کا نباہ  
راہِ حق سے نہ مگر ایک قدم بھی ہٹکے  
قلبِ عارف میں نکھر آئے گا حق کا جوہر  
اہلیت ہی نہ ہو تو مدحِ سرائی کیونکر

## جناب رشید ہجری

آپ بھی حضرت امیر المومنینؑ کے اصحاب سے تھے اور حضرتؑ نے آپ کا نام رشید البلاء رکھا تھا۔ اس سے اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ آپ کو دشمنانِ دین حضرت علیؑ کی محبت کی وجہ سے سخت ترین ظلم و تشدد سے قتل کریں گے۔ آپ اس مصیبت میں صبر کا جو ہر دکھائیں گے اور اپنے رشد کو محبت و ریاضت میں ظاہر کریں گے۔ حضرتؑ نے ان کو علم منایا و علم بلایا (لوگوں کی موتوں اور مصیبتوں کا علم) بھی تعلیم فرمایا تھا۔ چنانچہ آپ کو یہ ملکہ ہو گیا تھا کہ جس شخص کے بارے میں چاہتے بتا دیتے کہ فلاں مقام میں اور فلاں روز تم مرو گے اور ویسا ہی ہوتا تھا۔ حضرت امیر المومنینؑ نے ان کو مطلع کر دیا تھا کہ ابن زیاد ان پر دباؤ ڈالے گا کہ حضرتؑ سے تبرّا کریں اور جب وہ اس بے دینی کی حرکت سے انکار کریں گے تو وہ ان کے ہاتھ پاؤں اور زبان کاٹ ڈالے گا۔ چنانچہ حضرتؑ نے ان سے فرمایا اے رشید اس وقت تم کیسے اعلیٰ درجے کا صبر کرو گے جس وقت بنی اُمیہ کا حاکم ابن زیاد تم کو بلائے گا اور تمہارے دونوں ہاتھوں، دونوں پاؤں اور تمہاری زبان کاٹ ڈالے گا۔ رشید نے پوچھا کیوں حضرتؑ اس کے بعد تو میں بہشت ہی میں جاؤں گا؟ حضرتؑ نے فرمایا تم دنیا میں بھی میرے ساتھ رہے اور آخرت میں بھی ضرور میرے ساتھ ہو گے۔ حضرتؑ کو یہ فرمائے ہوئے کچھ ہی مدت گزری تھی کہ





ابن زیاد نے رشید کو بلا بھیجا اور کہا علیؑ سے تبرّ اکرو۔ انھوں نے اس سے انکار کیا۔ تب اُس نے پوچھا اچھا بتاؤ علیؑ نے تمہارے بارے میں کیا پیشین گوئی کی تھی کہ تم کس طرح مرو گے۔ انھوں نے جواب دیا میرے آقا و مولا حضرت امیر المومنینؑ نے مجھے خبر دی تھی کہ تو مجھے بلا کر حضرت سے تبرّا کرنے کو کہے گا مگر میں ایسا نہیں کروں گا تو مجھے آگے بلا کر میرے ہاتھوں۔ پاؤں اور زبان کو کاٹ ڈالے گا۔ ابن زیاد نے کہا خدا کی قسم میں علیؑ کی بات کو جھٹلا دوں گا (یعنی زبان نہیں کاٹوں گا) غرض اس کے حکم سے لوگوں نے ان کے دونوں ہاتھ اور پاؤں کاٹ کر زبان چھوڑ دی اور ان کو وہاں سے نکال دیا۔ جب آپ قصر سے باہر نکل آئے تو لوگ آپ کے پاس جمع ہونے لگے۔ اس وقت آپ نے ان لوگوں سے کہا کہ میرے پاس کچھ کاغذ اور قلم دو ات میں تمہارے لیے کُل وہ باتیں لکھ دوں جو قیامت تک ہونے والی ہیں۔ غرض رشید ہجری نے واقعات لکھوانے اور حضرت امیر المومنینؑ کے فضائل و مناقب بیان کرنا شروع کئے۔ جب ابن زیاد کو معلوم ہوا کہ رشید ہجری اب اطمینان سے حضرت علیؑ کی خوبیاں بیان کر کے لوگوں کو ان کی طرف جذب کرنے لگے تو اس نے حجام کو بھیجا کہ جا کر ان کی زبان کاٹ دے۔ اس طرح حضرت امیر المومنینؑ نے جو فرمایا تھا بالکل ویسا ہی ہوا۔ جناب رشید ہجری کی معرفت اور ایمان علیؑ اللہ والہ رسول والائمہ کی یہ حالت تھی کہ ایک مرتبہ حضرت اپنے اصحاب کے ساتھ برنی باغ کی طرف تشریف لے گئے اور کھجور کے ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر فرمایا کہ اس کو جھاڑ کر اس کی کھجوریں چنو۔ چنانچہ اس سے کھجوریں گرائی اور حضرت کے پاس لائی گئیں۔ حضرت نے وہ سب ان لوگوں کے سامنے رکھ دیں۔ رشید ہجری نے کہا یا حضرت یہ کیسی اچھی کھجوریں ہیں۔ اس وقت حضرت نے فرمایا اے رشید تم اسی درخت کی شاخ پر



سولی دیئے جاؤ گے۔ رشید کو اس درخت سے محبت ہو گئی۔ وہ بیان کرتے تھے کہ میں اس وقت سے برابر اس درخت کے پاس آیا کرتا اور صبح و شام اس کو سینچتا رہتا۔ اس کے کچھ دنوں بعد حضرت امیر المومنینؑ کا انتقال ہو گیا۔ اس کے بعد میں ایک روز اس درخت کے پاس پہنچا تو دیکھا کہ اس کی شاخیں کاٹ دی گئی ہیں۔ تب میں نے کہا اب میرے انتقال کا وقت قریب ہو گیا۔ پھر ایک روز میں آیا تو ابن زیاد کا پیادہ میرے پاس پہنچا اور کہا امیر تم کو بلاتے ہیں فوراً چلو میں وہاں گیا جب قصر میں داخل ہوا تو دیکھا کہ اس درخت کی وہ لکڑی لٹک رہی ہے۔ پھر دوسرے دن بھی میں آیا تو دیکھا کہ اس کا دوسرا نصف حصہ کنویں کا زرنوق بنا دیا گیا ہے جس پر لوگ پانی کھینچتے تھے۔ یہ دیکھ کہ میں نے کہا میرے آقا اور مولا کی بات غلط نہیں ہو سکتی۔ اس کے بعد پھر وہی پیادہ میرے پاس آیا اور کہا چلو امیر تم کو بلاتے ہیں۔ میں گیا اور جب قصر میں داخل ہوا تو دیکھا کہ وہ لکڑی لٹک رہی ہے اور اس میں وہ زرنوق بھی لگا ہوا ہے، میں اس کے پاس گیا اور زرنوق کو اپنے پاؤں سے ٹھوکر لگا کر کہا کہ میں تیرے ہی لیے غذا پاتا ہوں اور تو میرے ہی لیے پیدا ہوئی ہے پھر میں ابن زیاد کے پاس پہنچا یا گیا تو اس نے کہا اپنے امام (حضرت علیؑ) کی جھوٹی خبریں مجھ سے بیان کرو۔ میں نے کہا خدا کی قسم نہ میں جھوٹا ہوں نہ میرے آقا و مولا ایسے تھے۔ حضرت نے مجھے خبر دی تھی کہ تو میرے دونوں ہاتھ پاؤں اور زبان کاٹ دے گا۔ ابن زیاد نے کہا دیکھو خدا کی قسم میں ان کی بات جھوٹی کر دیتا ہوں۔ اس کے بعد اس نے لوگوں کو حکم دیا اور میرے دونوں ہاتھ، پاؤں کاٹ دیئے گئے۔ لوگوں نے جناب رشیدؑ کو وہاں سے باہر کر دیا۔ جب ان کی بیٹی اور دوسرے اعزہ ان کو اٹھا کر مکان پر لے گئے تو وہ لوگوں سے عجیب و غریب باتیں بیان کرنے لگے (جو حضرت امیر المومنینؑ سے



سنی تھیں۔ وہ ان سب سے یہ بھی کہتے تھے کہ اے لوگو جو کچھ پوچھنا ہو مجھ سے جلد پوچھ لو کہ ابھی یہ لوگ مجھ پر ایک اور ظلم کریں گے اُس وقت تم کو مجھ سے کچھ پوچھنے کا موقع نہیں ملے گا۔ یہ حالات دیکھ کر ایک شخص ابن زیاد کے پاس گیا اور کہا اے امیر آپ نے کیا کیا؟ رشید بھری کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے اور زبان چھوڑ دی!!! اسی زبان سے وہ لوگوں کے دلوں کو کھینچ رہے ہیں۔ ابن زیاد نے کہا اچھا انھیں میرے پاس واپس لاؤ۔ جب آئے تو حکم دیا کہ ان کے ہاتھ، پاؤں کے علاوہ اب زبان بھی کاٹ دی جائے۔ چنانچہ زبان کاٹ دی گئی اور پھر وہ سولی دے دیئے گئے (رجال کشی صفحہ ۵۲) اس طرح حضرت امیر المومنین کی پیشین گوئی حرف بحرف صحیح ہوئی۔

## رشید بھری کے حالاتِ زندگی:

جناب رشید امیر المومنین علیہ السلام کے مخصوص اصحاب میں شامل تھے حضرت کے بڑے محبوب زبردست مخلص اور فدائی تھے جناب رشید نفس پاکیزہ و سیرت پسندیدہ رکھتے تھے خود امیر المومنین علیہ السلام ان کو رشید البلایا کہا کرتے تھے بات یہ تھی کہ ان کے صفائے باطن و نفس پاکیزہ کے سبب سے حضرت نے ان کو علم البلایا و النایا کی تعلیم دی تھی، یعنی حضرت کی تعلیم کی برکت سے یہ باخبر تھے کہ کس پر کیا مصیبت آنے والی ہے کس کی موت کب واقع ہوگی۔

ان کا یہ علم ایسا تھا کہ آئمہ معصومین علیہم السلام جب غیب کی خبر دیتے تھے اور اصحاب میں سے کسی کو اس میں شک و شبہ ہوتا تھا تو ان کے غیب دانی کو بطور ثبوت و شاہد پیش کرتے تھے چنانچہ اس طرح دو روایتیں علامہ مجلسی نے بحار الانوار جلد ۹، صفحہ ۱۳، پر تحریر کی ہیں جن میں سے ایک روایت میں ہے کہ ”عبد صالح



ابوالحسن (امام رضا علیہ السلام) ایک شخص کو اس کے موت کی خبر دے رہے تھے تو میں نے (راوی) اپنے دل میں کہا کہ کیا حضرت یہ بھی جانتے ہیں کہ ان کے شیعوں میں سے کوئی شخص کب مرے گا۔ جیسے ہی میرے دل میں خیال پیدا ہوا حضرت نے مجھ سے غصے کے لب و لہجے میں فرمایا اے اسحاق رشید ہجری تو علم المنایا والیبایا کو جانتے تھے پھر امام تو بدرجہ اولیٰ ان چیزوں کو جانے گا۔

جناب رشید بڑے عابد و زاہد و متقی و پرہیزگار تھے ایک دن ان کی کثرت عبادت کو دیکھ کر ان کی بیٹی قنوانے کہا بابا آپ تو عبادت میں بڑی محنت و مشقت کرتے ہیں فرمانے لگے بیٹی میرے بعد ایک قوم آئے گی جس قوم کے لوگ اپنے دینی سمجھ بوجھ کے اعتبار سے اگلے لوگوں کی بہتر سے بہتر عبادتوں سے اشرف و افضل ہوں گے۔ (بخار الانوار جلد ۹، صفحہ: ۷۱۳)

بیٹی سے جناب رشید کی یہ گفتگو زمانہ غیبت کے مخلص شیعوں کے فضل و شرف کو ظاہر کر رہی ہے اس لیے زمانہ رشید میں تو امام ظاہر بظاہر موجود تھے جناب رشید نے امیر المومنین علی بن ابی طالب کی زیارت بھی کی تھی آپ سے علوم و فنون کو حاصل بھی کیا تھا آپ کے معجزات بھی دیکھے ہوں گے۔ اس لیے ان کا مذہب کی سچائی پر یہ یقین کہ ہاتھ پیر کٹوا دیئے ہیں زبان گدی سے کھنچوا دی اور مذہب حق پر باقی رہے اخلاص سے عبادت خالق اکبر کرتے رہے لیکن زمانہ غیبت کے شیعہ باوجود یکہ امام علیہ السلام کی خدمت میں نہ پہنچیں گے ان کے معجزات کا مشاہدہ نہ کریں گے لیکن ان کو اپنے مذہب پر ایسا یقین ہوگا کہ اپنے مذہب پر ثابت قدم رہیں گے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور امام کی امامت کا سچا یقین رکھیں گے احکام خدا اور رسول و آئمہ کے پابند رہیں گے اس لیے ان کی یہ دینی سمجھ بوجھ عبادت گزار افراد کی بہتر سے بہتر عبادت سے افضل و بہتر ہوگی۔



جب انسان اپنے خالق کا ہو جاتا ہے اور ہر چیز میں مرضی باری کو مقدم کرتا ہے۔ ہر امر میں اسی کا مطیع فرمانبردار رہتا ہے اور کثرت عبادت انتہائے زہد و ورع و تقویٰ سے نفس میں جلا اور باطن میں پاکیزگی پیدا کر لیتا ہے تو پھر اس سے ایسے ایسے کرامات ظاہر ہوتے ہیں جنہیں دیکھ کر عقل حیران و ششدر رہ جاتی ہے ہر انسان اس کا تحمل نہیں کر سکتا ہے۔

بد قسمتی سے ہم ایک ایسے زمانے میں ہیں جب انبیاء مرسلین و آئمہ کے معجزات کو سن کر بعض روشن خیال اور مغرب زدہ افراد چیں بہ جیں ہو جاتے ہیں پھر اگر ان کے سامنے خاصانِ خدا اور بزرگانِ دین میں سے کسی کی کرامت بیان کی جائے خدا جانے ان کی کیا حالت ہوگی۔ تعجب نہیں ہے کہ وہ اسے سُن کر آپے سے باہر ہو جائیں لیکن دنیا میں شاید ہی کوئی قوم ایسی ہو جو اس کی قائل نہ ہو کہ دنیا میں ایسے افراد گزر رہے ہیں جن سے ایسے افعال سرزد ہوئے ہیں جن کو عام طور سے لوگ نہیں کر سکتے ہیں۔ ہر قوم و ملت اپنے بزرگانِ قوم ملت کے لیے اس کی قائل ہے۔

ایک مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہم تو انبیاء و مرسلین کے علاوہ جب اولیا اللہ کی تاریخ کا جائزہ لیتے ہیں تو ان کی زندگی کرامات سے لبریز نظر آتی ہے اور بکثرت ایسے واقعات ملتے ہیں جو خلافِ عادت ہوتے ہیں اور مسلمانوں کو قائل ہونا پڑتا ہے کہ وہ با کرامت تھے۔

خود قرآن مجید نے متعدد مقامات پر ایسے افراد کی کرامتوں کو ذکر کیا ہے جو نبی نہیں تھے ان میں کچھ مرد ہیں کچھ عورتیں ہیں۔

مردوں میں سے آصف بن برخیا ہیں جن کا ذکر قرآن ان الفاظ میں کرتا ہے۔  
**قَالَ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُوْا۟ أَيُّكُمْ** (جناب سلیمان نے) کہا اے لوگو تم میں سے کون شخص

يَا تُبَيِّنِي بِعَرْشِهَا قَبْلَ أَنْ يَأْتُونِي (بلقیس) کے تخت کو ان کے مسلمان

مُسْلِمِينَ

قَالَ عَفْرِيتٌ مِّنَ الْجِنِّ هُوَ كَرَّآنَ سَہِیَہِ مِیَہِ پَاسِ لَآئِہِ گَآ  
اَنَا اَتِیْتُكَ بِہِ قَبْلَ اَنْ تَقُومَ اِیك عَفْرِیَتِ جَنِّ نَہِ كَہَاں كَہِ مِیَہِ اُپ كَہِ  
مِن مَّقَامِكَ وَاِنِّی عَلَیْہِ لَقَوِیْ اَمِیْنِ اس كِی جگہ سَہِ كُھڑے ہونے سَہِ پہلے  
لے آؤں گَآ اور مِیَہِ اس كِی طاقَت رُكھتا

ہوں اور امین ہوں

قَالَ الَّذِي عِنْدَهُ عِلْمٌ مِّنْ جَسَدِ كِتَابٍ كَاتِبُونَ مَا يُنَادِيهِمْ لِيْمَا نَادَيْتُمْ بِهِ إِلَهُكُمْ فَأَنبَسَ لَهُمُ الْكُتُبُ فَاذْكُرُوا أَصْنَافَ ذَٰلِكُمْ فَذُكِّرْتُمْ ۚ وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ لِمَ شَرَكْتُم بِهِ آلِهَةً إِن كُنتُمْ تُرِيدُونَ فَحْشًا مِّمَّا تَتْلُونَ فَيَقُولُوا قُلْ إِنَّمَا نَحْنُ بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلَٰكِن كُنَّا جُنُودَ لِّمَلَكٍ غَافِلٍ عَنِ السَّاعَةِ ۚ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ

(سورہ غفل، آیت، ۳۸، ۳۹، ۴۰)

آصف بن برخیا کا یہ واقعہ جسے قرآن مجید نے نقل کیا ہے اُن کے ایسے باکرامت ہونے کی خبر دے رہا ہے کہ چشمِ زدن میں ملکِ صبا سے جنابِ سلیمان کے پائے تخت تک بلقیس کا تخت لے آئے جب جنابِ سلیمان کے اصحاب ایسے باکرامت ہو سکتے ہیں تو کیا اصحابِ امیر المومنینؑ باکرامت نہیں ہو سکتے۔

اگر یہ کہا جائے کہ جناب آصف کے لیے اقوال ہیں کہ وہ جناب سلیمان کے وصی تھے اور وصی نبی کا صاحب اعجاز کرامت ہونا تعجب خیز نہیں اس لیے ان پر غیر وصی نبی کا قیاس نہیں کیا جاسکتا۔

اگر ہم اسے تسلیم بھی کر لیں تو بھی قرآن نے اور بہت سے افراد کا تذکرہ کیا ہے جو نہ نبی تھے نہ وصی نبی تھے لیکن صاحبِ کرامت تھے جیسے اصحابِ کہف یہ محقق ہے کہ یہ افراد پہلے کافر تھے پھر ایمان لائے اور بعد ایمان ایسے ما کرامت



کہ حسب تصریح قرآن تک موجود ہیں زندہ ہیں غذا کھاتے ہیں کروٹیں بدلتے ہیں اس واقعہ کو قرآن یوں بیان کرتا ہے۔

أَمْ حَسِبْتُمْ أَنَّ أَصْحَابَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيمِ كَانُوا مِنْ آيَاتِنَا عَجَبًا (۹) إِذْ أَوَى الْفِتْيَةُ إِلَى الْكَهْفِ فَقَالُوا رَبَّنَا آتِنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً وَهَيِّئْ لَنَا مِنْ أَمْرِنَا رَشَدًا (۱۰) فَضَرَبْنَا عَلَىٰ أَذَانِهِمْ فِي الْكَهْفِ سِنِينَ عَدَدًا (۱۱) ثُمَّ بَعَثْنَاهُمْ لِنَعْلَمَ أَيُّ الْحِزْبَيْنِ أَحْصَىٰ لِمَا لَبِثُوا أَمَدًا (سورہ کہف ۱۲ تا ۱۹)

کیا تم نے یہ گمان کیا ہے کہ اصحاب کہف و رقیم ہماری نشانوں میں سے عجیب نشانی تھے۔ جب کچھ جوان ایک غار میں آپہنچے اور دعا کی پالنے والے ہم کو اپنی بارگاہ سے رحمت عطا کر اور ہم کو ہمارے امر میں ہدایت عطا کر تب ہم نے ان کے کانوں پر کئی سال تک پردے ڈال دیے پھر ہم نے ان کو بیدار کر کے بھیجا تا کہ یہ معلوم کریں کہ دو گروہوں میں سے کس کو غار میں ٹھہرنے کی مدت یاد ہے۔ یہ واقعہ ہم کو چند چیزیں بتا رہا ہے۔

اصحاب کہف باکرامت ہیں

اصحاب کہف زندہ ہیں

اصحاب کہف دنیا میں موجود ہیں بیدار ہوئے۔ پھر سو گئے۔

اصحاب کہف دنیا میں موجود ہیں غار میں سو رہے ہیں دنیا کو اب تک نہ وہ نظر آئے نہ وہ غار ہی دکھائی دیا۔ حیرت یہ ہے کہ جس زمانے میں غار میں آکر وہ پوشیدہ ہوئے تھے اس زمانے کے لوگوں کو نہ وہ نظر آئے نہ غار نظر آیا۔ پس اگر اصحاب حضرت علیؑ میں یہ کرامتیں پائی جائیں تو کیا کل حیرت و استعجاب ہے۔

عورتوں میں والدہ جناب موسیٰ والدہ جناب عیسیٰ باکرامت معظمہ تھیں قرآنی



آیات اس کا بھی تذکرہ کر چکی ہیں۔

ان تذکروں کے بعد ایک مسلمان تو انکار کر ہی نہیں سکتا ہے کہ دنیا میں کچھ افراد ہو سکتے ہیں جن سے ایسے افعال سرزد ہوں جو عام طور سے طاقت بشری سے خارج ہوں۔

قرآن مجید اور احادیث سے قطع نظر کر کے اگر خالص عقلی اعتبار سے نظر ڈالی جائے تو بھی یہ ممکن ہے محال و ناممکن نہیں ہے خود معجزات کا تعلق بھی انھیں چیزوں سے ہے جو محال عقلی نہ ہو ہاں عادت اس طرح کی بات نہ ہوتی ہو۔ اس لیے عقل اس کو ناممکن سمجھتی ہے کہ ایک شخص کسی مجمع کی طرف گزرے وہ لوگ اسے دیکھ سکیں یا کسی ایسے شخص کے پاس آئے جو اس کو دشمن رکھتا ہو اور وہ اسے نہ پہچانے اور نہ سمجھ سکے کہ یہ وہی شخص ہے جو فلاں جرم میں مطلوب ہے بلکہ اسے اپنا دوست خیال کرے جب عقلی اعتبار سے یہ محال نہیں اور اس طرح کے مسائل میں داخل نہیں ہے کہ بیک وقت ایک ہی اعتبار سے ایک ایک بھی ہو اور دو بھی۔ تو پھر اگر کسی خدا رسیدہ شخصیت سے اس طرح کے افعال سرزد ہوئے ہوں تو کیا خرابی لازم آتی ہے۔

اس تمہید کے بعد اب عظمت جناب رشید کو پیش نظر رکھتے ہوئے ان کے کمالات روحانی و نفسانی کو دیکھئے۔ علامہ مجلسی بحار الانوار جلد ۹، صفحہ ۱۸۰ پر تحریر فرماتے ہیں کہ:

”جب محبت حضرت علیؑ کے جرم میں زیاد نے جناب رشید کی گرفتاری کا حکم دے دیا اور وہ روپوش ہو گئے تو ایک دن ابوارا کہ (جو کوفہ کے ایک رئیس تھے) کے گھر آئے ابوارا کہ اس وقت اپنے مصاحبین کے ساتھ اپنے دروازہ پر بیٹھے ہوئے تھے ابوارا کہ نے جب یہ دیکھا کہ رشید میرے گھر میں چلے گئے ہیں





تو بہت گھبرائے خوف زدہ رشید کے پاس آئے کہنے لگے تم نے مجھے بھی قتل کیا اور میرے بچوں کو یتیم بھی کر دیا اور ہلاک بھی کر دیا رشید نے کہا کیا بات ہے تم کیوں گھبرا رہے ہو۔ ابواراکہ نے کہا کہ تم کو زیادہ گرفتار کرنا چاہتا ہے تم بھرے مجمع میں لوگوں کے سامنے میرے یہاں آگئے سب نے تم کو یہاں آتے دیکھ لیا زیادہ کو خیر ہوگئی تو وہ نہ مجھے زندہ رہنے دے گا نہ میرے بچوں کو رشید نے کہا گھبراؤ نہیں مجھ کو تمہارے یہاں آتے ہوئے کسی نے بھی نہیں دیکھا ہے۔ ابواراکہ نے کہا کیا تم جادو بھی کرنے لگے (ابھی ابھی سب کے سامنے آئے ہو انھوں نے ضرور دیکھا ہوگا) رشید نے کہا نہیں تم مطمئن رہو مجھے کسی نے نہیں دیکھا۔ ابواراکہ نے رشید کے ہاتھ پیر باندھے اور ایک کوشری میں بند کر دیا اور اپنے اصحاب کے پاس آئے کہنے لگے مجھے معلوم ہوتا ہے کہ ایک بزرگ اس وقت میرے گھر میں گئے ہیں سب نے کہا یہ غلط ہے ہم تو یہاں بیٹھے ہوئے ہیں ہماری موجودگی میں تمہارے یہاں کوئی شخص نہیں گیا ہے ابواراکہ نے کئی مرتبہ یہ بات کہی ان کے اصحاب اس سے انکار کرتے رہے۔ لیکن ابواراکہ کو اطمینان نہ ہوا دل میں کہنے لگے ممکن ہے ان لوگوں نے رشید کو میرے گھر آتے ہوئے دیکھا ہو مگر مجھ سے چھپا رہے ہیں ہو سکتا ہے کہ ان میں سے کوئی شخص اس کی اطلاع ابن زیاد کو دیدے یہ اسی شش و پنج میں گھبرائے ہوئے زیادہ کے پاس آئے تاکہ یہ معلوم کریں کہ اسے رشید کو میرے گھر آنے کی اطلاع تو نہیں ہوئی ہے اگر اسے اطلاع دے دی گئی ہے تو میں خود اس سے کہہ دوں گا کہ رشید میرے گھر میں موجود ہیں۔ ابواراکہ زیادہ کے پاس آئے ان سے اور زیادہ سے دوستی بھی تھی اس سے بیٹھے باتیں کر رہے تھے کہ دیکھا انھیں کے خچر پر سوار ہو کر رشید زیادہ کے پاس آئے ابواراکہ کے حواس جاتے رہے چہرے کا رنگ اتر گیا اور یہ یقین کر لیا کہ میں قتل کر دیا جاؤں



گا۔ رشید خچر سے اتر کر زیاد کے پاس آئے اسے سلام کیا زیاد نے ان کی تعظیم کی گلے سے لگایا بوسا لیا پوچھا شروع کیا کیسے آئے ہو راتے میں کوئی زحمت تو نہیں ہوئی تمہارے بچے کیسے ہیں محبت سے داڑھی میں ہاتھ دیا۔ رشید تھوڑے دیر ٹھہرے اور چلے گئے۔ ابوارا کہ نے زیاد سے دریافت کیا اے امیر یہ کون سے بزرگ تھے زیاد نے کہا یہ تو برادرانِ شام میں سے ایک شخص تھے مجھ سے مل کر واپس چلے گئے۔ ابوارا کہ یہ سب دیکھ کر جب گھر آئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ رشید اسی طرح گھر میں موجود ہیں جس طرح چھوڑ کر گئے تھے۔ اس وقت ابوارا کہ نے رشید سے معذرت کی اور کہنے لگے جب تمہارے پاس ایسا علم موجود ہے تو تمہارا جو جی چاہے کرو اور جب تمہارا دل چاہے میرے یہاں آؤ۔

اس پُر آشوب دور میں جب دشمنی اہل بیتِ طاہرین کی آگ بھڑک رہی ہو۔ ان کے فضائل منائے جا رہے ہوں کمالات پر پردے ڈالے جا رہے ہوں جھوٹی حدیثیں بنائی جا رہی ہوں حضرت علیؑ پر علی الاعلان سب دشتم ہو رہا ہو اس طرح کی باکرامت شخصیتوں کی ضرورت تھی تاکہ اربابِ ایمان کے عقائد میں پختگی اہل بیت کی محبت میں اضافہ اور ائمہ کی صحیح معرفت حاصل ہو جائے۔

حقیقت یہ ہے کہ رشید اور ان کے مانند اصحاب کی سیرت پڑھ کر ہماری سمجھ میں آتا ہے کہ حضرت علیؑ اور ان کی ذریتِ طاہرہ کے کمالات کیا تھے۔

ان کی شہادت کے سلسلے میں روایتیں مختلف ہیں علامہ ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ جلد ۱، صفحہ: ۲۱۱ اور علامہ مجلسی نے بحار جلد ۹، صفحہ: ۱۴، پر یہ تحریر فرمایا ہے کہ زیاد بن ابیہ نے ان کے ہاتھ پیر اور زبان کٹوائی اور سولی پر چڑھا دیا لیکن علامہ مجلسی نے اس سے قبل صفحہ: ۲۱۳ پر ان کا قاتل زیاد کے بیٹے عبداللہ بن زیاد کو تحریر کیا ہے اس کی تائید بحار جلد ۱۰، کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے



جس میں حبیب اور یشم کی بازار کوفہ میں ملاقات و گفتگو اور ایک دوسرے کے قتل کا ذکر ان کے جانے کے بعد وہاں رشید کا آنا اور انھیں دریافت کرنا کہ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ رشید واقعہ کر بلا سے قبل تک زندہ تھے اس لیے ان کا قاتل عبید اللہ بن زیاد تھا۔

جناب رشید کی بیٹی امتہ اللہ بیان کرتی ہیں کہ میں نے اپنے والد کو یہ بیان کرتے ہوئے سنا ہے کہ مجھ سے میرے حبیب امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا کہ رشید جب تم کو بنی امیہ کا نازادہ بلا کر ہاتھ پیر زبان کاٹے گا تو تمہارے صبر کی کیا کیفیت ہوگی رشید نے عرض کی اے امیر المومنین کیا اس کا آخر نتیجہ جنت ہوگا حضرت نے فرمایا ہاں تم دنیا اور آخرت میں میرے ساتھ رہو گے خدا کی قسم اس گفتگو کو زیادہ عرصہ نہیں گزرا کہ عبید اللہ بن زیاد نے بلوایا اور کہا کہ امیر المومنین سے اظہار بیزاری کرو میرے والد نے اس سے انکار کر دیا اس نے کہا اچھا یہ بتاؤ تمہارے آقا نے کس طرح تمہاری موت واقع ہونے کی خبر دی ہے بابا نے کہا کہ میرے حبیب صلوٰۃ اللہ علیہ نے خبر دی ہے کہ تو مجھ کو حضرت سے اظہار برائت کے لیے کہے گا میں اس سے انکار کروں گا تو تو میرے ہاتھ پیر اور زبان کاٹے گا ابن زیاد نے کہا میں آج ضرور تمہارے آقا کی تکذیب (معاذ اللہ) کروں گا اس کے بعد حکم دیا۔ کہ رشید کے ہاتھ اور پیر کاٹ دو اور زبان چھوڑ دو چنانچہ دونوں ہاتھ دونوں پیر کاٹ دیے گئے زبان رہنے دی گئی (اور دارالامارہ کے باہر ڈال دیا گیا) لوگ اٹھا کر ہمارے گھر لائے میں نے عرض کیا بابا آپ کچھ ہاتھ پیر کٹنے سے درد محسوس کر رہے ہیں بابا نے کہا اے بیٹی خدا کی قسم کوئی تکلیف نہیں محسوس ہو رہی ہے اس طرح کی افیت ہے جیسے کہ آدمیوں کے مجمع میں سے گزرا ہوں۔



پڑوس کے لوگ اور جان پہچان والے افراد آئے اور اظہار رنج و غم شروع کیا بابا نے ان سے کہا (اس سے کیا فائدہ) کاغذ و دوات لاؤ تاکہ امیر المومنینؑ نے مجھے جو آئندہ کی باتیں بتائی ہیں انھیں لکھوا دوں لوگ کاغذ و دوات لے کر آئے اور میرے باپ نے امیر المومنینؑ کی طرف نسبت دے کر غیب کی باتیں لکھوانا شروع کیں اس کی خبر ابن زیاد کو ہوئی اس نے حجام کو بھیجا کہ زبان کاٹ دے حجام نے زبان کاٹ دی اسی شب ان کا انتقال ہو گیا۔ (بخاری الانوار، صفحہ: ۷۱۳)

ایک روایت میں ہے کہ جب حجام زبان کاٹنے کے لیے آیا تو انھوں نے کہا ذرا دیر ٹھہر جا میں ایک بات کہہ لوں۔ حجام رک گیا جناب رشید نے کہا دیکھو میرے مولانا نے جو کچھ کہا تھا اس کی تصدیق ہو گئی۔

ہماری جانیں ان شہیدوں پر فدا ہو جائیں کیا ثابت قدم تھا کیا یقین تھا محبت میں کیسے کامل تھے۔ حضرت علیؑ ان کو رشید امینؑ (گرفتار بلا رشید) کہتے تھے یہ لوگوں سے ملتے تھے تو کہہ دیتے تھے اے شخص تیری موت اس طرح واقع ہوگی اے فلاں تو اس طرح قتل کیا جائے گا رشید جیسا کہہ دیتے تھے ویسا ہی ہوتا تھا اور اس میں سر مو فرق نہیں ہوتا تھا۔

## جناب میثم تمار

آپ بھی حضرت امیر المومنینؑ کے بہترین اصحاب سے تھے، وطن کو ذہ تھا۔ آپ وہاں کے ایک بڑے جتھے والے خاندان سے تھے جس کو وہاں بیت التمارین (کھجوروں والے خاندان) کہتے تھے اور سب کے سب شیعہ حضرت علیؑ تھے۔ جناب میثم بیان کرتے تھے کہ ایک دفعہ حضرت امیر المومنین صلوٰۃ اللہ علیہ نے مجھے بلایا اور فرمایا ”کیوں میثم اُس وقت تمہارا کیا حال ہو گا جب بنی امیہ کا حاکم ابن زیاد تمہیں طلب کر کے کہے گا کہ مجھ سے تبرّا کرو“۔ میں نے عرض کی ”اے امیر المومنینؑ خدا کی قسم میں حضور سے تبرّا نہیں کروں گا“۔ حضرتؑ نے فرمایا ”تب وہ تم کو قتل کر کے سولی دے دے گا“۔ میں نے عرض کی ”کیا مضائقہ ہے میں صبر کروں گا کہ خدا کی راہ میں یہ معمولی بات ہے حضرتؑ نے فرمایا ”اے میثم اگر تم صبر کرو گے تو بروز قیامت میرے ساتھ میرے ہی درجے میں رہو گے“۔ اس کے بعد میثم اپنی قوم کے چودھری کی طرف سے گزرتے اور اس سے کہتے ”اے بھائی میرے پیشِ نظر وہ زمانہ ہے جب تم کو بنی امیہ کا حاکم ابن زیاد بلا کر میری گرفتاری کو بھیجے گا اور چند روز تک تم مجھے طلب کرتے رہو گے۔ پھر جب میں آؤں گا تو مجھے تم اُس کے پاس پہنچا دو گے جس کے بعد وہ مجھے عمرو بن حریث کے دروازے پر قتل کر دے گا۔ جب چوتھا دن ہو گا تو میری ناک



کے دونوں تھنوں سے تازہ خون جاری ہوگا“ اور عمرو بن حریث کے مکان سے متصل کھجور کا ایک درخت تھا۔ جناب میثم اکثر اُس درخت کے پاس سے گزرتے اور اپنے ہاتھ سے اس کو تھپک کر کہتے ”اے درخت تو اسی لیے غذا پارہا ہے کہ میں تجھ پر سولی دیا جاؤں اور میں اسی لیے غذا پارہا ہوں کہ تجھ پر سولی پاؤں“۔ آپ عمرو بن حریث کے پاس سے بھی گزرتے اور اس سے کہتے ”اے عمرو جب میں تمہارے پڑوس میں آؤں گا تو میرے ساتھ اچھے پڑوسی کا برتاؤ کرنا“۔ عمرو بن حریث اس کا اصلی مطلب نہیں سمجھتا اور خیال کرتا کہ معلوم ہوتا ہے میثم اس محلے میں کوئی مکان خرید کر رہنا چاہتے ہیں۔ اس وجہ سے اُن کو جواب دیتا سبحان اللہ تم اس محلے میں آؤ گے تو مجھے کیسی خوشی ہوگی۔ اس کے بعد میثم حج کرنے کے لیے مکہ معظمہ روانہ ہو گئے۔ ان کے جانے پر ابن زیاد نے ان کے محلہ کے اسی چودھری کو بلا کر کہا میثم کو گرفتار کر لاؤ۔ اُس نے بیان کیا وہ تو مکہ معظمہ گئے ہوئے ہیں۔ ابن زیاد نے کہا ”یہ سب میں نہیں جانتا اگر تم ان کو نہیں لاؤ گے تو میں تم کو قتل کر دوں گا“۔ چودھری نے اس کام کے لیے کچھ مہلت طلب کی۔ ابن زیاد نے مہلت دے دی جس کے بعد وہ چودھری میثم کے انتظار میں شہر قادیسیہ کی طرف چلا گیا میثم سڑک سے واپس آ کر دربار ابن زیاد میں پہنچے تو اس نے پوچھا ”تم ہی میثم ہو“۔ انھوں نے کہا ”ہاں میں ہی میثم ہوں“۔ اس نے کہا ابو تراب سے تبراً کرو۔ انھوں نے کہا ”میں ابو تراب کو کیا جانوں؟ کہا علی ابن ابی طالب سے تبراً کرو“۔ آپ نے جواب دیا اگر نہ کروں تو کیا ہوگا؟ کہا خدا کی قسم میں تم کو ضرور قتل کر دوں گا“۔ آپ نے جواب دیا۔ میرے آقا و مولا تو مجھے پہلے سے خبر دیتے تھے کہ تو مجھے قتل کرے گا اور عمرو بن حریث کے دروازے پر سولی بھی دے گا اور جب چوتھا دن آئے گا تو میری ناک کے دونوں تھنوں سے تازہ خون جاری ہو جائے



گا۔ غرض ابن زیاد کے حکم سے آپ سولی پر چڑھا دیئے گئے۔ آپ نے اسی طرح سولی پر چڑھے ہوئے لوگوں سے کہنا شروع کیا کہ جو کچھ تمہیں پوچھنا ہو مجھ سے میرے قتل ہونے سے پہلے پوچھ لو کہ خدا کی قسم قیامت تک جتنی باتیں ہونے والی ہیں وہ سب میں تم کو بتا سکتا ہوں اور ”جو کچھ فتنہ و فساد ہوں گے ان سب کی خبر بھی دے دوں گا“۔ لوگوں نے آپ سے پوچھا اور آپ ابھی ان کو ایک ہی بات بتانے پائے تھے کہ ابن زیاد کا آدمی آیا اور ایک لگام آپ کے منہ میں لگا دی۔ آپ ہی وہ بزرگ ہیں جن کے منہ میں اُس وقت لگام لگائی گئی جب آپ سولی پر تھے۔ چنانچہ اس لگام کی وجہ سے آپ کی زبان رُک گئی اور پھر کوئی بات آپ نہ بیان کر سکے۔

حضرت امام علی رضا فرماتے تھے کہ ایک دفعہ میثم حضرت امیر المومنینؑ کے دولت خانے پر حاضر ہوئے تو معلوم ہوا کہ حضرت سوتے ہیں۔ انھوں نے حضرتؑ کو بیدار کیا اور عرض کی حضورؑ کی داڑھی حضورؑ کے سر کے خون سے سرخ کی جائیگی؟ حضرتؑ نے فرمایا سچ کہتے ہو اور تمہارے دونوں ہاتھ دونوں پاؤں اور زبان بھی کاٹ دی جائے گی اور کھجور کا وہ درخت بھی کاٹا جائے گا جو کناسیہ میں ہے۔ اس کے چار ٹکڑے کئے جائیں گے۔ ایک ٹکڑے پر تم کو سولی دی جائے گی، دوسرے پر حجر بن عدی کو، تیسرے پر محمد بن اسلم کو اور چوتھے پر خالد بن مسعود کو۔ میثم کہتے تھے کہ حضرتؑ کی ان باتوں پر مجھے شک ہوا اور میں نے دل میں کہا کہ حضرتؑ ہم لوگوں سے غیب کی خبریں بیان کر رہے ہیں اور حضرتؑ سے عرض کی حضورؑ! کیا واقعا یہ باتیں ہونے والی ہیں؟ حضرتؑ نے فرمایا ہاں خدا کی قسم ایسا ہی ہوگا کیونکہ حضرت رسول خدا صلعم مجھے اسی طرح خبر دے گئے ہیں۔ میں نے عرض کی مجھے یہ سزا کس جرم میں دی جائے گی؟ حضرتؑ نے فرمایا ”اس



لیے کہ ابن زیاد تمہیں گرفتار کرے گا (اور مجھ سے تیزا کرنے کو کہے گا۔ تم نہیں کرو گے) میثم یہ بھی بیان کرتے تھے کہ ایک دفعہ حضرت جہانہ کی طرف تشریف لے جانے لگے۔ میں بھی ساتھ تھا۔ وہاں سے حضرت حملہ کناسہ کے اشی کچور کے درخت کے پاس سے گزرے تو مجھ سے فرمانے لگے اے میثم تمہارے اور اس درخت کے درمیان بڑا تعلق ہے، میثم کہتے تھے کہ جب (حضرت امیر المومنینؑ کے بہت دنوں بعد) ابن زیاد کو فہ کا حاکم بنایا گیا اور وہ اس میں پہنچا تو اس کا علم حملہ کناسہ کے اشی کچور کے درخت سے لپٹ کر پھٹ گیا۔ اس نے اس سے فال بدلی اور حکم دیا کہ وہ درخت کاٹ دیا جائے۔ تب اس درخت کو ایک شخص نے خرید لیا اور اس کے چار ٹکڑے کر ڈالے۔ میثم کہتے تھے کہ میں نے اپنے بیٹے صالح سے کہا کہ لوہے کی ایک کیل لاؤ اور اس پر میرا اور میرے باپ کا نام لکھ کر اس درخت کی کسی شاخ میں ٹھوک دو۔ جب اس واقعے کو کچھ دن گزر گئے اور میں ابن زیاد کے پاس گیا تو عمرو بن حریش نے ابن زیاد سے کہا ”اے امیر آپ اس کو پہچانتے ہیں۔“ اُس نے پوچھا کون ہے۔ اس نے کہا (معاذ اللہ) کذاب علی ابن ابی طالب کا کذاب غلام، میثم تمہارے یہ سنتے ہی ابن زیاد برابر ہو بیٹھا اور مجھ سے پوچھا تم کیا کہتے ہو۔ میں نے کہا۔ یہ (عمرو بن حریش) بالکل غلط بیان کرتا ہے بلکہ میں صادق ہوں اور میرے آقا و مولا علی ابن ابی طالب بھی بالکل صادق تھے۔ اُس نے کہا اچھا تم علیؑ سے تبرا کرو، ان کی برائیاں بیان کرو، عثمان کو دوست رکھو اور ان کی خوبیاں بیان کرو ورنہ میں تمہارے دونوں ہاتھ کنوا کر تم کو سولی دے دوں گا۔ یہ سنتے ہی میں رونے لگا۔ ابن زیاد نے کہا ”ابھی تو تم قتل نہیں کیے جاتے صرف قتل کی خبر سنتے ہی رونے لگے؟“ میں نے کہا خدا کی قسم میں اپنے قتل کی خبر سے نہیں روتا بلکہ اپنے اُس شک کی وجہ سے روتا ہوں جو مجھے





اُس روز ہو گیا تھا جس دن میرے آقا، میرے مولا، میرے سردار نے میرے متعلق مجھے خبر دی تھی۔ ابن زیاد نے پوچھا ”انھوں نے تم کو کس بات کی خبر دی تھی؟“ میں نے کہا، حضرت نے فرمایا تھا کہ ”میرے دونوں ہاتھ، پاؤں، زبان کاٹ دی جائے گی اور میں سولی دے دیا جاؤں گا۔“ میں نے پوچھا تھا کہ حضور کون مجھ پر یہ ظلم کرے گا۔ حضرت نے فرمایا تھا کہ ظالم ابن زیاد۔ یہ سنتے ہی ابن زیاد غصے سے بھوت ہو گیا۔ پھر کہا ”خدا کی قسم میں تمہارے دونوں ہاتھ اور پاؤں کاٹ دوں گا اور تمہاری زبان چھوڑ دوں گا کہ دنیا سمجھ لے تم بھی جھوٹے ہو اور تمہارے مولا بھی جھوٹے تھے۔“ غرض میثم تمار کے دونوں ہاتھ، پاؤں کاٹ کر ان کو سولی دے دی گئی۔ اس پر انھوں نے بلند آواز سے کہا لوگو! جو شخص حضرت علی علیہ السلام کی راز والی حدیثیں سنتا چاہے وہ جلد آ کر سن لے۔ لوگ وہاں جمع ہو گئے اور میثم تمار ان سے حضرت کی عجیب و غریب حدیثیں بیان کرنے لگے۔ اتنے میں عمر ابن حریث ادھر سے گزرا تو پوچھا یہ کیسی بھیڑ ہے لوگوں نے کہہ دیا کہ میثم تمار حضرت علی کی حدیثیں بیان کر رہے ہیں۔ یہ سنتے ہی وہ فوراً پلٹ گیا اور جا کر ابن زیاد سے کہا ”حضور جلد کسی کو بھیج کر میثم کی زبان کو ادا بیچے ورنہ میں ڈرتا ہوں کہ وہ اپنی باتوں سے کوفے والوں کے دل آپ لوگوں کی طرف سے پھیر دے گا اور لوگ حضور سے بغاوت کر بیٹھیں گے۔“ یہ سنتے ہی ابن زیاد نے ایک جلا دے کہا کہ جا اور ابھی میثم کی زبان کاٹ آ۔ وہ فوراً ان کے پاس پہنچا اور کہا میثم! انھوں نے پوچھا کیا کہتا ہے؟ کہا اپنی زبان نکالو کہ امیر ابن زیاد نے اس کے کانٹے کا حکم دیا ہے۔ یہ سنتے ہی میثم خوشی سے جھومنے لگے اور کہا کیا وہ یہ نہیں کہتا تھا کہ وہ میری بات کو بھی جھوٹی کر دے گا اور میرے آقا و مولا کی خبر کو بھی غلط ثابت کرے گا۔ کیا یہ ممکن تھا کہ حضرت کی بات غلط ہو جائے؟ اب میری



زبان خوشی سے کاٹ لے غرض جلاد نے آپ کی زبان کاٹ ڈالی جس کے بعد اس کثرت سے ان کا خون بہا کہ وہ فوراً مر گئے اور سولی پر چڑھا دیئے گئے۔ صالح بیان کرتے تھے کہ اس واقعہ کے چند دنوں بعد میں وہاں گیا تو دیکھا کہ وہ اس کھجور کی اسی شاخ پر سولی دیئے گئے ہیں جس میں میں نے ان کا نام لکھ کر کیل ٹھوک دی تھی۔ آپ کی خبریں بالکل سچی ہوتی تھیں۔ ایک دفعہ جمعہ کے روز آپ کشتی میں جا رہے تھے۔ ہوا تیز ہوئی تو آپ نے اس کی طرف نظر کر کے کہا کشتی کے بادبان باندھ دو۔ معاویہ اس وقت مر گیا۔ جب دوسرا جمعہ آیا تو شام سے قاصد نے آکر بیان کیا کہ معاویہ گزشتہ جمعہ کو مر گیا۔ وہی وقت اس نے بتایا جو میثم تمار نے ایک ہفتے پہلے بتایا تھا۔ یہ واقعہ بھی میثم کے کرامات سے تھا۔

(رجال کشی صفحہ ۵۳)

## جناب میثم تمار:

ابو سالم میثم تمار بن یحییٰ التمار امیر المومنین کے آزاد کردہ غلام، آپ کے مخصوص صحابی و حواری، آپ کے رُموز و اسرار اور علوم کے خزینہ دار تھے۔ علامہ ابن ابی الحدید لکھتے ہیں:

”میثم کو امیر المومنین نے بے شمار علم اور مخفی اسرار پر مطلع کیا تھا۔“

ضروری تو یہ تھا کہ حدیث و سیرت اور تاریخ کی کتابوں میں اُن کے تفصیلی حالات اور اُن کے علمی آثار کا ذکر ہوتا کیوں کہ میثم ایسے بزرگ کی زندگی اسلام اور مسلمانوں کے لئے فخر و ناز کا سرمایہ اور مسلمانوں کے لئے محاسن افعال کا بہترین محرک ہے مگر افسوس کہ میثم اور اُن کے جیسے مجسمہ علم و عمل بہت سے بزرگوں کے اوراقِ حیات ضائع و برباد ہو گئے۔ کتابوں میں اُن کے بہت مختصر حالات ملتے ہیں۔ اُن کی زندگی کے بہت سے پہلوؤں پر پردے پڑے ہوئے ہیں۔ وہ



کس قوم و قبیلے کے تھے، اُن کا اصلی وطن کہاں تھا اور کہاں سے چل کر کوفہ پہنچے؟ کب مسلمان ہوئے؟ کیا اُن کے باپ اُن سے پہلے ہی مسلمان ہو چکے تھے؟ کیا اُن کے باپ بھی غلام تھے؟ کس عمر میں میثم تمار درجہ شہادت پر فائز ہوئے؟ اُن کے علمی آثار کیا ہیں؟ اسی قسم کی بہت سی باتیں ہیں جو کتابوں میں ڈھونڈنے سے نہیں ملتیں۔ بہر حال ہمیں جو کچھ اُن کے حالات معلوم ہو سکے نذر ناظرین کر رہے ہیں۔

## میثم تمار کا قوم و قبیلہ اور اُن کا وطن:

میثم اور اُن کے باپ، دونوں کے نام عربی ناموں پر ہیں جس سے یہ خیال ہوتا ہے کہ اصلاً عربی ہیں۔

عجم والے بھی اگرچہ عربی نام رکھتے تھے مگر اس کا سلسلہ اُس وقت شروع ہوا جب اسلام ہر طرف پھیل چکا تھا اور عربوں کے اقتدار کے ساتھ ساتھ عربی زبان کا غلبہ بھی بلادِ عجم پر ہو چکا تھا۔ کوئی تاریخ ہمیں نہیں بتاتی کہ ایرانی حکومت و اقتدار کے زمانے میں بھی وہاں کے باشندوں کے نام عربی ناموں جیسے ہوا کرتے تھے۔

یہی حال اُن کی وطنیت کا بھی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ وہ نہروانی تھے نہروان ایک بڑا علاقہ ہے بغداد اور واسط کے مشرقی جانب، یا قوت جموی نے عجم البلادان میں بس اسی ایک نہروان کا ذکر کیا ہے۔

ان دونوں باتوں سے پتہ چلتا ہے کہ جناب میثم عرب ہی کے رہنے والے تھے عجمی نہ تھے۔ البتہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اصل میں وہ عجم کے رہنے والے ہوں۔ رہ گیا نام تو ممکن ہے اہل عجم بھی عربی ناموں پر اپنے نام رکھتے ہوں خصوصیت کے ساتھ اس علاقہ کہ باشندے جو عرب کے پڑوس میں واقع تھے۔

## اسحاب امیر المومنین ۲۵۶

اس طرح نہروان کے متعلق بھی کہا جاسکتا ہے کہ اگرچہ یہ عراق میں واقع ہے لیکن عراق، خصوصیت کے ساتھ عراق کا وہ حصہ جو دجلہ کے مشرق میں واقع ہے۔ ایرانی حکومت میں واقع تھا اور شاہان فارس کے دارالسلطنت سے بہت قریب تھا۔

جناب میثم کے عجمی ہونے کا ثبوت امیر المومنین کے لفظوں سے بھی ملتا ہے۔ جب امیر المومنین نے قبیلہ بنی اسد کی ایک خاتون سے انھیں خرید کیا اور آپ نے اُن کا نام پوچھا اور انھوں نے اپنا نام میثم بتایا تو آپ نے فرمایا:

”تمہارے باپ نے عجم میں تمہارا نام میثم رکھا تھا“

اسی طرح ابن زیاد نے بھی انھیں عجمی کہہ کر یاد کیا تھا۔ ان تمام باتوں سے یقین اسی بات کا ہوتا ہے کہ میثم عجمی تھے لیکن بلادِ عجم میں سے کس جگہ کے تھے اور اگر نہروان کے رہنے والے تھے تو مشرقی نہروان کے یا مغربی نہروان کے؟ اس کے متعلق یقین سے کچھ نہیں کہا جاسکتا۔

اسی طرح یہ بات بھی طے شدہ نہیں کہ عجم خاص کر ایران والوں کو کہا جاتا تھا یا دوسرے علاقوں کو بھی۔ عام طور پر اہل عرب اپنے کو چھوڑ کر باقی ساری دنیا کے لوگوں کو جس میں ایران وغیرہ سب ہی شامل ہیں عجم کہتے تھے۔ پھر انھیں نہروانی جو کہا جاتا ہے تو آیا اس وجہ سے کہ یہ نہروان میں پیدا ہوئے تھے یا کہیں اور سے آ کر نہروان میں بس گئے تھے۔ ان تمام باتوں میں سے ہم کسی بات کے متعلق قطعی طور پر کوئی فیصلہ نہیں کر سکتے۔

## میثم تمہار نہروان سے کوفہ آئے

میثم کا مولد اور اصل وطن سب ہی مجہول ہیں لہذا ہم کچھ نہیں کہہ سکتے کہ وہ کہاں سے کوفہ آئے، کس طرح آئے، کب غلام بنے اور قبیلہ بنی اسد کی عورت



کیوں کر ان کی مالک ہوئی۔ بس زیادہ سے زیادہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ فارس کے رہنے والے تھے اس لئے کہ اسلام نہروان سے پہلے اور اسلام آنے کے کچھ دن بعد تک فارسی ہی علاقہ تھا۔

## میثم تمہار کی طینت میں اسلام تھا:

تاریخ یا اور کسی کتاب سے ہمیں پتہ نہیں چلتا کہ میثم کب اسلام لائے۔ البتہ گمان ہوتا ہے کہ امیر المومنین کی غلامی میں آنے سے پہلے ہی وہ مسلمان ہو چکے تھے کیوں کہ میثم ایسا ہوش مند اور زیرک و دانا انسان زیادہ دنوں تک کفر پر باقی نہیں رہ سکتا جب کہ اُن کا قیام مسلمانوں کے درمیان تھا اور اسلام کی حقانیت و صداقت کے دلائل و براہین عالم آشکار تھے بلکہ ایک بات تو ایسی ہے جس سے ثبوت ملتا ہے کہ وہ امیر المومنین کے پاس آنے سے قبل مسلمان ہو چکے تھے۔ امیر المومنینؑ نے جب اُن سے کہا تھا کہ رسول اللہ مجھے خبر دے چکے ہیں کہ تمہارے وطن (عجم) میں تمہارے باپ نے تمہارا نام میثم رکھا تھا تو میثم نے کہا تھا "صدق اللہ و رسولہ و صدق امیر المومنینؑ" کج کہا خدا اور رسولؐ نے اور کج فرماتے ہیں امیر المومنینؑ! اس جملے سے تو یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ مسلمانوں ہی نہیں بلکہ مومن اور امیر المومنینؑ کی خدمت میں آنے سے پہلے ہی آپ کے دوست داروں اور ارادت مندوں میں سے تھے۔ اس میں کوئی تعجب کی بات بھی نہیں اس لئے کہ میثم ایسے صاحب فضل و کمال کو ایمان اور محبت امیر المومنینؑ کا حامل ہونا ہی چاہئے جب کہ امیر المومنینؑ کے فضائل و مکارم کا عرب کے گوشے گوشے میں چرچا تھا۔ کوفہ امیر المومنینؑ کا مرکز سلطنت ہونے سے پہلے ہی علوی شہر تھا۔ امیر المومنینؑ سے عقیدت و ارادت رکھنے والوں کی خاصی تعداد وہاں موجود تھی۔ البتہ ہم یہ جاننے سے قاصر ہیں کہ وہ کب اسلام



لائے۔ اسلام لانے کے وقت اُن کی کتنی عمر تھی۔ اسی طرح ہمیں میثم کے باپ کا حال اور اُن کے اسلام لانے کی تاریخ بھی قطعی طور پر معلوم نہیں۔ بہت ممکن ہے کہ وہ فارس فتح ہونے کے بعد پیدا ہوئے اور بعد فتح چوں کہ فارس بھی اسلامی علاقہ بن چکا تھا اس لئے کہا جاسکتا ہے کہ وہ اسلامی علاقے میں پیدا ہوئے اور اسلامی ماحول ہی میں اُن کی نشوونما ہوئی۔

### میثم تمار عجمی ایرانی تھے

جناب میثم قبیلہ بنی اسد کی ایک عورت کے غلام تھے۔ (ارشاد شیخ مفید) امیر المومنینؑ نے انھیں خرید کر آزاد کیا لیکن اُن کے غلام ہونے کی وجہ سے یہ ضروری نہیں کہ وہ اسود یعنی حبشی بھی رہے ہوں اس لئے کہ عربوں نے فارس اور آس پاس کے تمام ممالک کو فتح کر لیا تھا جہاں کے باشندے سفید رنگ کے تھے اور فتح کے نتیجے میں جتنے کا فرقید ہوئے وہ غلام بنائے گئے۔ اس بناء پر ہر گز یہ نہیں کہا جاسکتا ہے کہ میثم حبشی تھے بلکہ زیادہ صحیح یہ ہے کہ وہ سفید رنگ کے رہے ہوں گے کیوں کہ اُن کا اصلی وطن نہروان تھا اور وہاں کے لوگ سفید رنگ کے ہوتے ہیں۔ ہاں اگر اُن کا وطن حبش، سوڈان نو بہ وغیرہ ہوتا تو یہ کہا جاسکتا تھا کہ میثم حبشی تھے۔

### حضرت علیؑ کے مخلص اصحاب و انصار:

پیغمبرؐ کے بعد امیر المومنینؑ کی زندگی کو دوداوار میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ ایک دور تو وہ تھا جس میں امیر المومنینؑ گھر میں گوشہ نشین تھے۔ بہت کم لوگ آپ سے ملنے آتے اور آپ بھی بہت کم لوگوں سے ملنے کے لئے جاتے اس لئے کہ امیر المومنینؑ کے پاس لوگوں کی آمد و رفت یا امیر المومنینؑ کا کسی سے ملنا جلنا آپ کے

لئے بھی مصیبت کا باعث ہوتا اور ملنے جلنے والوں کے لئے بھی غاصبان حکومت اس چیز کو کسی صورت برداشت ہی نہیں کر سکتے تھے البتہ آپ نماز کے لئے یا مسئلے مسائل بیان کرنے کے لئے ضرور مسجد میں جایا کرتے اور اُس میں کسی کو تعرض کرنے کی گنجائش ہی نہ تھی۔

دوسرا زمانہ وہ تھا کہ جب آپ خود مسند خلافت پر متمکن تھے۔ دونوں زمانوں میں آپ کے بہت سے مخلص اور منتخب صحابہ کرام رہے جنہوں نے آپ سے اکتساب فیض کیا۔ دوسرے دور میں بھی پہلے دور کے کئی ایک صحابہ کرام بچ رہے تھے جیسے عمار بن یاسر، جابر انصاری، عبداللہ بن عباس، حبیب بن مظاہر، عمرو بن حمق خزاعی، قیس بن سعد، ابورافع، محمد بن ابی بکر، حجر بن عدی کندی اور انھیں جیسے دوسرے بہت سے افراد۔

امیر المومنینؑ کی زندگی کے دوسرے دور نے بہت سے ایسے یگانہ روزگار افراد پیدا کئے جن کی زمانہ مثال لانے سے قاصر رہا جیسے زید وصعصعہ فرزند ان صوحان، اویس قرنی، اصغ بن نباتہ، علی وعبید اللہ فرزند ان ابی رافع، مالک اشتر، رشید ہجری، بیثم تمار، کمیل بن زیاد اور انھیں جیسے دوسرے لوگ، یہ لوگ فضائل و محامد کا نمونہ، پاکیزہ اخلاق کے پیکر اور علوم و اسرار کے مخزن تھے۔ امیر المومنینؑ نے ان لوگوں کو اپنے چشمہٴ علم سے پوری طرح سیراب کیا اور ایسے رموز و اسرار کا انھیں امین بنایا جن کا حامل بننے کی دوسروں میں صلاحیت نہیں تھی۔ ان لوگوں نے ظاہری و باطنی علوم، خلقی و نفسی فضائل و مکارم اپنے دامن میں سمیٹ لئے تھے۔

ہم نہیں کہہ سکتے کہ پہلے دور کے یگانہ روزگار اور منتخب صحابہ کرام نے امیر المومنینؑ کے پاکیزہ افعال اور خصائل حمیدہ سے کیوں کراستفادہ کیا اور رموز و اسرار علم کس طرح حاصل کئے جس کی وجہ سے اُن کے نفوس میں ایسی تابندگی پیدا



ہو گئی کہ وہ ملائکہ مقربین سے نکر لینے لگے اور ملائ علی کے ملائک اُن کے کمال ذات و صفات پر غبطہ کرنے لگے جب کہ امیر المومنینؑ بحالت بے بسی ولا چارگی تھے۔ گھر میں گوشہ نشین، نہ آپ لوگوں سے ملتے نہ کوئی دوسرا آپ سے ملنے آتا۔ اسی طرح دوسرے دور میں مومنین صالحین کو کیوں کر اس کا موقع ملا کہ امیر المومنینؑ سے علوم الہیہ اور فضائل علویہ کا اس طرح اکتساب کریں کہ وہ اس قابل بن جائیں کہ امیر المومنینؑ انھیں مخفی رُموز و اسرار کا امانت دار بنائیں اور اپنی پاکیزگی و صفائی نفس کی بدولت وہ ملائکہ کے ہمسر ہو گئے جب کہ امیر المومنینؑ کے شب و روز لڑائیوں میں گزرے۔ آپ کی خلافت کا زمانہ بہت مختصر گزرا۔ اتنا وقت ہی نہیں ملا کہ یکسوئی خاطر سے تعلیم و تعلم کے منازل طے ہو سکیں۔ بس یہی کہا جاسکتا ہے کہ امیر المومنینؑ کی انتہائی مسیحا نفسی تھی اور پرورش و پرداخت پر غیر معمولی قدرت تھی نیز ان مومنین میں خود ذاتی طور پر ایسی صلاحیت و استعداد تھی کہ تھوڑی ہی مدت آپ کی صحبت میں رہ کر وہ ہدایت و ارشاد کا مجسمہ بن گئے جس طرح چراغ چراغ سے مل کر روشن ہواٹھے۔

### میشم تمار پر حضرت علیؑ کے اخلاقیات کے اثرات:

بنی نوع انسان بھی کانوں میں بٹے ہوئے ہیں جس طرح سونے کی کان ہوتی ہے، چاندی کی کان ہوتی ہے اُسی طرح لوگوں کی کان بھی ہوتی ہے۔ سونے کی کان سے سونا ہی نکلے گا، چاندی نہیں اسی طرح چاندی کی کان سے چاندی ہی نکلے گی سونا نہیں۔ والبلد الطیب یخرج نباتا بہاخن ربہ

بے شک مٹی اور نگہداشت و پرورش کا بھی معدن کی سرعت یا تاخیر نمویں اور پاکیزگی یا گندگی میں بہت بڑا حصہ ہوتا ہے۔ جن لوگوں کو سونا صاف کرنا آتا ہے وہ ایسا صاف کر ڈالتے ہیں کہ ماہر کاری گر جیسا جی چاہے اُس سے زیور بنا





ڈالے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ نہ تو صرف زمین کی زرخیزی پیداوار کی عمدگی کے لئے کافی ہے اور نہ صرف تربیت و نگہداشت اور صناعی و کاریگری کسی چیز کو عمدہ و نفیس بنا سکتی ہے۔ کسی چیز کی اچھائی یا خرابی کے لئے زمین اور تربیت و نگہداشت دونوں ہی برابر کی ذمہ دار ہیں۔ چاندی بڑے سے بڑے کاریگر کے ہاتھ میں جانے کے بعد چاندی ہی رہے گی سونا نہیں بن سکتی اسی طرح اگر کاریگر ماہر نہ ہو تو کان سے نکلنے والا ہیرا بھی معمولی پتھر سمجھا جاتا ہے۔

میثم تمار کی پاکی طینت اور امیر المومنین کی بہترین تربیت نے انھیں ہر پاکیزہ خصلت کا نمونہ کامل بنا دیا تھا۔ بہت سے اچھے خاندان اور بہترین نسل کے افراد ایسے ملیں گے جنھیں کسی باکمال کی تربیت و نگہداشت نصیب نہیں ہوئی اسی لئے ان سے وہ نفاست و پاکیزگی ظاہر نہیں ہوئی نہ ان کی ذات سے دنیا کو کوئی فائدہ پہنچا۔ بہت سے کم اصل اور خبیث معدن کے افراد ملیں گے کہ انھیں تربیت سدھارنے میں قاصر رہی اور ان کی بدبو پھیل کر رہی۔ کڑوے پھل کے درخت کو لاکھ قیمتی خوشبو یا شہد سے نہلا دیا جائے مگر جب بھی ان کا پھل آئے گا کڑوا ہی آئے گا۔

امیر المومنین کے اصحاب میں مالک اشتر تھے اور اشعث بن قیس بھی دونوں بہت بڑے سردار اور اپنے قوم و قبیلے کے مانے ہوئے قائد تھے۔ یہ دونوں امیر المومنین کی صحبت میں رہے۔ آپ کی لڑائیوں میں شریک ہوئے اور آپ کی طرف سے لڑائی لڑی لیکن چوں کہ مالک اشتر کی طینت پاکیزہ تھی اور اشعث بدسرشت اور خبیث طینت کا تھا اس لئے مالک اشتر کو امیر المومنین کی صحبت اور تعلیمات سے بیش از بیش فائدہ پہنچا اور اشعث بن قیس پر ساری ریاضت و محنت رائیگاں گئی۔



تر بیت دینے والے نے تربیت دینے میں کوئی کمی نہیں کی۔ نہ اُس کی مہارت میں کسی کو کلام ہو سکتا ہے مگر اس کو کیا کیا جائے کہ بڑے سے بڑا ماہر فن کار بھی بیتل کو سونا نہیں بنا سکتا نہ کنکر و پتھر کو ہیرا بنا سکتا ہے۔

اگر امیر المومنین جیسا مربی نہ ملتا تو مالک اشتر، مالک اشتر نہ ہوتے اور اگر مالک اشتر پاک طینت نہ ہوتے تو امیر المومنین کی ریاضتیں اس طرح بار آور نہ ہوتیں جیسا کہ ہوئیں ورنہ اشعث بھی ویسا ہی کیوں نہ بن گیا جیسا امیر المومنین بنانا چاہتے تھے۔ یہ بھی تو آپ کے ہمراہیوں میں تھا بلکہ آپ کے لشکر کا ایک سردار تھا۔ امیر المومنین کے لشکر میں مالک اشتر جیسے بھی بہت سے تھے اور اشعث جیسے بھی بہت جن کی طینت پاکیزہ تھی انھوں نے اس سرچشمہ فیض کی قربت سے فیض اٹھایا اور جن کی طینت خبیث تھی وہ اس سرچشمے کے قریب رہ کر بھی محروم رہے۔ پاکیزہ اور خوشبودار کے پہلو میں آ کر مردار کی بدبو اور بڑھ جاتی ہے اُسی طرح بیٹھے پانی کے قریب کھارے پانی کا کھار اپن اور زیادہ ہو جاتا ہے۔ بیتل کا عیب سونے کے قریب آ کر کھل جاتا ہے۔ اسی طرح نفیس چیز کی نفاست و عمدگی اُس وقت ظاہر ہوتی ہے جب خراب و داہیات چیز کے مقابلے میں رکھ کر دیکھی جائے۔ مشک کی خوشبو کا احساس ہمیں کب ہو سکتا تھا اگر مردار کی بدبو کا احساس نہ ہوتا، سونے کی قدر و قیمت کب معلوم ہو سکتی تھی اگر بیتل کی ناقدری ہمیں نہ معلوم ہوتی، ہیرے جواہرات کی گراں قدری ہمیں کب معلوم ہوتی اگر کنکر پتھر کی ناقدری نہ ظاہر ہوتی اسی طرح مالک اشتر، میثم تمار، اویس قرنی، قیس بن سعد اور امیر المومنین کے دیگر نیکو کار صحابہ کی بلندی منزلت اور پاکی طینت کو ہم کب اچھی طرح سمجھ سکتے تھے اگر اشعث، زیاد، ابن ابی سلمہ اور شمر جیسوں کی خباثت اور کمینگی ہم پر ظاہر نہ ہو جاتی۔ گھٹیا اور بے قیمت چیزوں ہی سے نفیس اور گراں بہا چیزوں



کی تمیز نہیں ہوتی بلکہ نفیس چیز بھی گھٹیا چیز کی بے قدری ظاہر کرنے کو کافی ہے۔ وہ کب؟ جب کہ دونوں چیزیں ایک جگہ اکٹھا ہو جائیں اور دونوں کا باہمی موازنہ کیا جائے۔ اگر بلند تر چیز نہ ہوتی تو گھٹیا چیز کا گھٹیا پن نہ معلوم ہوتا اور اگر گھٹیا چیز نہ ہوتی تو نفیس چیز کی نفاست ظاہر نہ ہوتی۔

**میشم تمار کا تذکرہ بزم رسالت میں:**

حضرت رسول خدا اکثر اوقات تنہائی میں علی ابن ابی طالبؑ سے راز کی باتیں کیا کرتے اور وہ کون سی باتیں ہوا کرتیں، کن باتوں کی آپ انھیں وصیت کرتے اس کو کون جان سکتا ہے۔ پیغمبرؐ اور علیؑ ایک جان دو قالب تھے۔ علیؑ بمنزلہ نفس پیغمبرؐ تھے ان دونوں کا علم ایک تھا، علم کے خزانے دو تھے۔ ان دونوں میں بس فرق نبوت کا تھا۔ ”یا علیؑ انت مٹی بمنزلہ ہارون من موسیٰ الا انہ لا نبی بعدی“۔ آپ کی ازدواج تک کو ان باتوں کی خبر نہیں ہوتی تھی جو علیؑ و پیغمبرؐ میں ہوا کرتیں۔ سوا اسی پیغمبرؐ کے پیغمبرؐ کے علوم کا حامل ہو بھی کون سکتا تھا؟

حدیث میں وارد ہوا ہے ”ان حدیثنا صعب مستصعب لا تجملہ الا نبی مرسل او ملک مقرب او مومن امتحن اللہ قلبہ للإیمان“

”ہماری حدیثیں بہت سخت و دشوار ہیں ان کا متحمل بس نبی مرسل ہو سکتا ہے یا ملک مقرب یا ایسا مومن جس کے ایمان کو اللہ تعالیٰ نے پرکھ لیا ہو۔“

ہاں کبھی کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ بعض راز کی باتیں یا امیر المومنینؑ کو پیغمبرؐ کی وصیتیں بعض ازدواج کے کانوں تک پہنچ گئیں جن کے سن لینے میں کوئی مضائقہ نہ تھا۔ اگر پیغمبرؐ خدا کو معلوم ہوتا کہ ہماری راز کی باتیں سننے والی بیوی ان باتوں کے



تحمل کی صلاحیت نہیں رکھتی تو یقیناً پیغمبرؐ خدا وہ باتیں کرتے وقت اُن کو دُور ہٹا دیتے یا اتنی مخفی طور پر وہ گفتگو کرتے کہ اس کی گھنٹ تک کسی کے کان میں پہنچنے نہیں پاتی۔

جناب امّ سلمہ جیسی پاک و پاکیزہ کردار زوجہ پیغمبرؐ نے علیؑ و پیغمبرؐ کی مخفی گفتگو کے بعض فقرے سن لئے تھے منجملہ ان باتوں کے پیغمبرؐ کی وہ وصیت بھی تھی جو آپؐ نے میثم کے متعلق امیر المومنینؑ کو فرمائی۔ جناب میثم نے حج کا ارادہ کیا جب امّ سلمہ سے ملنے آئے تو آپؐ نے فرمایا میں نے اکثر و بیشتر رات کے ستائے میں رسول اللہؐ کو تمہارا ذکر اور علیؑ سے تمہارے متعلق وصیت کرتے سنا۔

جناب امّ سلمہ کے ان لفظوں سے صریحی طور پر معلوم ہوتا ہے کہ میثم کا تذکرہ اور اُن کے متعلق پیغمبرؐ کی تاکیدیں کئی مرتبہ عمل میں آئیں۔ جناب امّ سلمہ کی تصدیق امیر المومنینؑ کے اس فقرے سے بھی ہوتی ہے جو آپؐ نے میثم سے پہلی ملاقات کے موقع پر کہا تھا:

”مجھے رسول اللہؐ نے بتایا ہے کہ عجم میں تمہارے باپ نے تمہارا نام میثم رکھا تھا۔“  
تو میثم کی یہ شان منزلت تھی کہ پیغمبرؐ خدا نے رات کے ستائے میں اُن کا کئی مرتبہ ذکر کیا اور اُن کے فضل و شرف اور بلندی مرتبہ کا یہ عالم تھا کہ آپؐ نے امیر المومنینؑ کو اُن کے متعلق وصیتیں فرمائیں۔ پیغمبرؐ خدا کے بعد کے آنے والوں میں ہمیں تو غنمتی کے دو چار افراد ہی ایسے ملتے ہیں جن کا ذکر پیغمبرؐ خدا کی زبان پر آیا ہو جیسے زید بن صوحان، ابیہ قرنی، میثم تمار وغیرہ حالانکہ بعد کے آنے والے مسلمانوں کی تعداد بھی بہت زیادہ تھی اور اُن میں مجاہدین و علماء صالحین بھی اچھی خاصی تعداد میں ہوئے۔



## میثم تمہارے حضرت علیؑ سے اکتسابِ علم کیا:

میثم کو امیر المومنینؑ سے وہی نسبت تھی جو جناب سلمان فارسی کو پیغمبرؐ خدا سے تھی۔ جناب سلمان مدینے کی ایک یہودی عورت کے غلام تھے۔ پیغمبرؐ خدا نے منہ مانگی قیمت دے کر انھیں خرید لیا۔ انھیں اتنا تقرب اور نزدیکی بخشی کہ وہ پیغمبرؐ کے اہل بیتؑ میں شمار ہونے لگے اور سلمان فارسی سے سلمان محمدی ہو گئے۔ میثم بھی کوفہ کی ایک بنی اسد کی خاتون کے غلام تھے۔ امیر المومنینؑ نے انھیں خرید کیا، آزاد کر کے اپنا مقرب خاص بنا لیا۔ ابن زیاد نے انھیں محض اسی تقرب اور صحابی امیر المومنینؑ ہونے اور آپؑ کی محبت میں مشہور ہونے کے سبب قتل کیا۔ ابن زیاد نے انھیں قتل کرتے وقت کہا تھا مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم سب سے زیادہ علیؑ کے چہیتے تھے۔

سلمان نے پیغمبرؐ خدا سے اکتسابِ علم کیا یہاں تک کہ وہ علم میں تمام صحابہ سے بڑھ گئے۔ پھر پیغمبرؐ خدا کی رحلت کے بعد امیر المومنینؑ سے اکتساب کیا۔ اسی طرح میثم نے امیر المومنینؑ سے اتنا علم حاصل کیا کہ آپؑ کے صحابہ میں بلحاظ علم سب پر فوقیت کے حامل ہوئے پھر امیر المومنینؑ کی رحلت کے بعد آپؑ کے فرزند امام حسنؑ و امام حسینؑ سے اکتسابِ علم کیا۔

سلمان کی پہلی ملاقات پیغمبرؐ سے مدینے میں ہوئی اور میثم کی امیر المومنینؑ سے پہلی ملاقات کوفہ میں ہوئی۔ سلمان کو بھی بہت تھوڑا عرصہ ملا پیغمبرؐ کی خدمت میں حاضر رہنے کا اور میثم کو بھی امیر المومنینؑ کی خدمت میں رہنے کا کم موقع ملا بلکہ میثم کو تو جناب سلمان کے مقابلے میں اور بھی کم موقع ملا اس لئے کہ پیغمبرؐ خدا کے سے مدینے آ کر دس برس حیات رہے اور امیر المومنینؑ کوفہ آ کر صرف چار برس زندہ رہے۔ انتہائی حیرت کی بات یہ ہے کہ اتنی مختصر مدت میں امیر المومنینؑ

## ۴۶۶ اصحاب امیر المومنین

نے میثم کو کس طرح اتنے علوم کا حامل بنا دیا یہی کہنا پڑے گا کہ میثم کی طینت پاکیزہ تھی اور علیؑ جیسا اُستاد انھیں نصیب ہوا۔ طینت جب پاکیزہ ہو تو رسولؐ یا وحی رسولؐ کی گھنٹے بھر کی تعلیم بھی بہترین نتائج پیدا کر سکتی ہے۔ آپ نے امیر المومنینؑ کا یہ ارشاد سننا ہی ہو گا کہ :-

رسول اللہؐ نے مجھے علم کے ہزار باب تعلیم کئے اور ہر باب سے ہزار باب خود مجھ پر منکشف ہو گئے۔ رسول خداؐ نے مختصر مدت میں کیونکر اتنے ابواب علم کے علیؑ کو تعلیم کئے اور علیؑ نے باوجود ان ابواب کی انتہائی وسعت کے کیونکر مختصر مدت میں حاصل بھی کر لئے۔ بس یہی کہنا پڑے گا کہ یہ علیؑ کی صلاحیت تھی اور وہ پیغمبرؐ کی انتہائی قدرت تھی زیور علم سے آراستہ کرنے کی۔

امیر المومنینؑ مسجد سے چل کر میثم کی دکان پر تشریف لاتے۔ میثم کھجوریں بیچا کرتے اور امیر المومنینؑ ان سے مصروف گفتگو ہوا کرتے۔ کبھی کبھی ایسا ہوتا کہ آپ میثم کو کسی کام سے بھیج دیتے اور ان کی غیر موجودگی میں کوئی خریدار آتا تو میثم کی جگہ خود اُسے کھجوریں تول کر دے دیتے۔ ایک دن اسی طرح میثم کی عدم موجودگی میں آپ نے کسی خریدار کو کھجور تول کر دی اور خریدار کھوٹا سکہ دے کر چلتا بنا۔ امیر المومنینؑ نے فرمایا کھجوریں وہاں جا کر کڑوی ہی نکلیں گی۔ تھوڑی ہی دیر میں گا ہک کھجوریں لے کر واپس آیا کہ یہ تو کڑوی ہیں۔ امیر المومنینؑ نے اُس کا کھوٹا درہم اُسے واپس کر دیا۔ (بحار الانوار جلد ۹، ص ۵۷۳، بحوالہ مناحب شہراہن آشوب) کتنا عظیم المرتبت تھا یہ امام اور کتنا عظیم المرتبت تھا یہ ماموم۔ امام بازار میں ایک راعیت کی دکان پر بیٹھے ہیں اور اُس کی طرف سے کھجوریں فروخت کرتے ہیں۔ یہ امام کی تواضع کی انتہا اور اہل ایمان و علم کے ساتھ محبت و مہربانی کی بہترین مثال تھی۔



اور ماسوم ایسا رنج المیزات کہ امام وقت اور بادشاہ زمانہ اُس کے پاس بیٹھتا ہے حالانکہ اُن کی حیثیت ایک کھجور بیچنے والے سے زیادہ کی نہ تھی۔ شہر میں انھیں نہ کوئی خاص وجاہت حاصل تھی نہ کسی بڑے قبیلے کے تھے بلکہ وہ تو ایک آزاد کردہ غلام تھے۔

امیر المومنین انھیں پاکیزہ علوم تعلیم فرماتے، انھیں اسرار کی باتوں پر مطلع کرتے یہاں تک کہ آپ اکثر و بیشتر ابن زیاد کے اُن ہولناک مظالم کا تذکرہ کرتے جو اُن پر وہ اپنے زمانے میں ڈھانے والا تھا اور جناب میثم کہا کرتے راہِ خدا میں یہ سب بہت کم ہے۔

امیر المومنین جب تنہائی میں مناجات فرماتے یا رات کے وقت صحرا کی طرف نکلتے تو میثم آپ کے ساتھ ہوتے اور آپ کی دعائیں اور مناجات سنتے۔

(بحار الانوار، جلد ۹، ص ۷۳)

اس سے پتہ چلتا ہے کہ میثم کو آپ سے خاص خصوصیت حاصل تھی اور امیر المومنین انھیں ایسی باتوں سے آگاہ کرتے جن باتوں سے کسی کو آگاہ نہ فرماتے۔ تنہائی اور مناجات کے وقت امیر المومنین کے پاس بس وہی ہو سکتا تھا اور آپ کا انداز تعبد اور خضوع و خشوع وہی مشاہدہ کر سکتا تھا جس کا ایمان و یقین مضبوط ہو، جو سراپکی و اضطراب کا شکار نہ ہو جائے۔ یہی وجہ ہے کہ ایسے اوقات میں امیر المومنین بس گنتی کے دو چار ہی اصحاب کو اپنے پاس رکھتے جیسے میثم، کمیل بن زیاد اور انھیں جیسے دو ایک حاملین اسرار صحابہ کرام۔

امام حسن و حسین بھی میثم کے ساتھ والد بزرگوار ہی جیسا برتاؤ کرتے بس فرق اتنا ہوا کہ امیر المومنین کی شہادت کے چند ہی مہینوں کے بعد امام حسن و حسین مدینے چلے گئے اور میثم کوفہ میں رہ گئے۔ بہت ممکن ہے کہ کوفہ میں اُن کا



قیام ان دونوں شاہزادوں کے حکم ہی سے ہو کیوں کہ کوفے والے میثم کے زیادہ اطاعت گزار اور اُن کی باتوں کو گوشِ دل سے سنا کرتے۔ اگر میثم اور انھیں جیسے دوسرے امیر المومنین کے اصحاب نہ ہوتے جنھوں نے امیر المومنین کے فضائل و مناقب کی نشر و اشاعت میں اپنی تمام توانائیاں صرف کر ڈالیں تو بہت ممکن ہے کہ دشمنانِ امیر المومنین آپ کے فضائل و مناقب چھپانے میں کسی حد تک کامیاب ہو جاتے۔

### میثم تمار اور معرفتِ اہل بیتؑ:

میثم نے اپنے امام کو پہچانا، اُن کی اطاعت کی جس طرح اپنے پروردگار اور رسولؐ کی معرفت حاصل کر کے اُن کے اوامر و نواہی کے پابند ہوئے۔ امام کی اطاعت جیسی کی جب دل سے اُن کو دوست رکھا اور انھیں اپنی جان کا مالک و مختار سمجھا۔ میثم اُن صاحبانِ معرفت میں سے تھے جنھیں بخوبی اس کی واقفیت تھی کہ امامت کیا چیز ہے اور کون امامِ برحق ہے۔ یہ سمجھ لینے کے بعد کہ امامت کیا ہے اور کون سزاوار امامت ہے وہ علی الاعلان امامت کا چرچا کرتے۔ وہ بڑی سے بڑی رکاوٹ کو خاطر میں نہیں لائے حتیٰ کہ اپنی جان کی بھی انھیں پروا نہیں ہوئی۔ یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ پیغمبرِ خدا اور امیر المومنینؑ کے بعد ائمہٗ طاہرین برابر اُن کا ذکر کیا کئے اور مدح و ستائش بھری نظمیں اُن کے بارے میں کہیں۔ جناب اُمّ سلمہ نے میثم سے امام حسینؑ کے متعلق کہا کہ وہ برابر تمہیں یاد کیا کرتے تھے۔ (رجال کشی) امام محمد باقر فرمایا کرتے ”انی لا حبّہ حباً شدید“ ”میں انھیں حد سے زیادہ دوست رکھتا ہوں۔“ (خلاصۃ)

امام جعفر صادق علیہ السلام اُن کے لئے دعائے رحمت کیا کرتے اور اکثر اُن کا ذکر آپ کی زبان پر آیا کرتا۔ ظاہر ہے کہ امام ایسے ہی شخص کے متعلق دعائے





رحمت کر سکتے تھے جس کا ایمان ثابت اور جس کا علمی درجہ بہت بلند ہو۔

یہ درجہ و منزلت تھی میثم کی ائمہ اہلبیتؑ کے نزدیک جیسا کہ خود میثم کے دل میں ان ائمہ طاہرین کی قدر و منزلت تھی۔ انھیں ائمہ طاہرین کی محبت میں انھوں نے جان دینا اور سولی پر چڑھنا گوارا کیا اور اظہارِ برأت کرنے کے مطالبے کو ٹھکرا دیا۔

## میثم تمہار حضرت علیؑ کے عزیز ترین شاگرد تھے:

شاگردِ علم میں اپنے استاد کی مثال ہوا کرتا ہے علم ہی میں نہیں بلکہ اخلاق و مکارم میں بھی اس کا نمونہ ہوا کرتا ہے۔ استاد اپنے شاگرد میں اپنی روحانی و علمی زندگی دیکھتا ہے اور اُسے اپنے فضائل و کمالات کا مظہر سمجھتا ہے۔

امیر المومنینؑ میثم کو حد سے زیادہ محبوب رکھتے تھے اور محبوب رکھنا بھی چاہئے تھا کیونکہ میثم آپ کے علم و عمل، ارشاد و ہدایت اور رفتار و گفتار کا نمونہ تھے، آپ کے پاکیزہ اخلاق اور خیر و صلاح کا نمونہ تھے۔ میثم ہی جیسے اصحاب کے ذریعے حجت قائم، دین سر بلند اور شریعت زندہ ہوئی۔ وہ آپ کی درس گاہ کے ہونہار شاگرد، آپ کے علوم کے حامل، آپ کے رموز و اسرار کا مخزن تھے۔ ایسے رموز و اسرار جن کا متحمل بس وہی شخص ہو سکتا ہے جس کے ایمان کو اللہ نے پرکھ لیا ہو۔

امیر المومنینؑ میثم کو اتنی اہمیت دیتے، اتنی عزت و توقیر فرماتے کہ بازار میں اُن کے پاس بیٹھا کرتے۔ آنے جانے والے آپ کو دیکھتے کہ آپ اُن سے مصروفِ گفتگو ہیں، اُن کو تعلیم فرما رہے ہیں، علومِ الہیہ سے انھیں فیض یاب کر رہے ہیں۔ اہلِ علم و دیندار مومنین کی امیر المومنینؑ کی نگاہوں میں وہ قدر و منزلت تھی اور اسی طرح اُن سے پیش آتے جیسے انھیں میں سے ایک ہوں۔ آپ اُن کے پہلو پہلو بیٹھے اور ہر بات میں اُن کو اپنے برابر کا درجہ دیتے۔



## میثم تمار کا علم:

خداوند عالم اور اہل ایمان کے نزدیک کوئی شخص علم دین ہی کی وجہ سے سربلند و سرفراز ہوتا ہے جس کا جتنا علم ہوگا اسی لحاظ سے اُس کا درجہ ہوگا۔ میثم دین و شریعت کے بیش از بیش علوم کے حامل ہونے اور علم کے مطابق عمل کرنے ہی کی وجہ سے سربلند ہوئے۔ ”ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم“ اُن کا بے پایاں علم اور امیر المومنینؑ سے اکتساب و استفادہ باوجود کہ بہت مختصر مدت اس کے لئے انھیں ملی صرف اس وجہ سے تھا کہ اُن کی طینت پاکیزہ تھی اور مبداء فیض کی طرف سے صلاحیت و استعداد لے کر آئے تھے۔

میثم کا علمی درجہ کتنا بلند تھا اس کا اندازہ اُن کے فرزند صالح کی اس روایت سے ہوتا ہے جس میں وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے امام محمد باقرؑ سے درخواست کی کہ آپ مجھے حدیث کی تعلیم دیجئے۔ امام نے فرمایا کیا تم نے اپنے باپ سے حدیثیں نہیں سنیں۔ صالح نے کہا نہیں میں اُن کی زندگی میں بہت کم سن تھا۔ امام محمد باقرؑ کا صریحی مطلب یہ تھا کہ میثم نے امیر المومنینؑ سے اتنے علوم حاصل کئے تھے کہ اگر صالح کو اُن سے استفادے کا موقع ملتا تو انھیں کسی اور کے پاس جانے کی ضرورت نہ ہوتی۔

## حضرت علیؑ نے علم المناہیہ و البلیا میثم تمار کو عطا کر دیا:

ارشاد الہی ہے ”وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تَبْيَا تَالْكَلْ شَيْءٍ“ ہم نے اے پیغمبرؐ آپ پر قرآن مجید ہر چیز کی وضاحت کے لئے نازل کیا یہ امر ثابت و مسلم ہے کہ قرآن مجید کا پورا علم ائمہ اہلبیت علیہم السلام کو حاصل تھا۔ اہلبیت پیغمبرؐ کتاب خدا کے ہمسر اور اُس کے عالم تھے اس بنا پر اہلبیت ہر چیز

## اصحاب امیر المومنین

۴۷۱

کے عالم ٹھہرے۔ اُن کے علم کا نہ اندازہ ہی کیا جاسکتا ہے نہ حد بندی ہی ممکن ہے۔ اُنھوں نے جس میں صلاحیت و استعداد پائی اُسے علم سے فیض یاب کیا۔ "لو وجدنا اوعیۃ لقلنا" اگر ہم علم کی حفاظت کرنے والے ظرف پاتے تو ہم بیان کرتے۔ میثم اُنھیں محفوظ رکھنے والے ظروف میں سے تھے اسی لئے امیر المومنین نے اُنھیں قیمتی علوم اور مخفی اسرار کا امانت دار بنایا۔ منجملہ ان علوم کے علم منایا و بلایا بھی ہے یعنی موتوں کا علم اور اُن واقعات و حادثات کا علم جن میں آئندہ لوگ مبتلا ہونے والے تھے۔ امیر المومنین نے اپنے خاص الخاص اصحاب کو اس علم سے بہرہ مند کیا۔ چنانچہ رشید بھری، حبیب بن مظاہر، محمد بن ابی بکر، اویس قرنی، عمار بن یاسر، عمرو بن حنظل، کمال بن زیاد اور انھیں جیسے بعض دوسرے صحابہ کسی حد تک اس علم کے حامل ہوئے۔

میثم بھی اس علم کے امانت داروں میں سے تھے اُنھیں معلوم تھا کہ اُنھیں کون قتل کرے گا، کب قتل کرے گا اور کیوں قتل کرے گا۔ وہ صرف اپنی ہی پیش آنے والی مصیبتوں سے آگاہ نہ تھے بلکہ دوسروں پر جو پیش آنے والی تھیں اُن کا بھی اُنھیں علم حاصل تھا۔ چنانچہ بنی اسد کی بزم میں اُن کی ملاقات حبیب بن مظاہر سے ہوئی۔ دونوں دیر تک راز و نیاز کی باتیں کرتے رہے۔ سلسلہ گفتگو میں حبیب بن مظاہر نے کہا میں ایک پیشانی پر کم بال والے، پر شکم شخص کو دیکھ رہا ہوں جو دارالرزق کے پاس خر بوزے بیچا کرتا ہے۔ وہ اہل بیت پیغمبر کی محبت میں لکڑی پر سولی دیا جائے گا اور اُس کا پیٹ چاک کر ڈالا جائے گا۔ میثم نے کہا میں بھی ایک سُرخ رنگ کے انسان کو دیکھ رہا ہوں جو پیغمبرؐ کے نواسے کی نصرت میں نکلے گا اور قتل کیا جائے گا۔ کوفے میں اُس کے سر کی تشہیر ہوگی۔ یہ باتیں کر کے وہ دونوں اپنی اپنی راہ لگے۔ اس موقع پر دوسرے لوگ جو ان



دونوں کی باہمی گفتگو ٹن رہے تھے ہنسے اور مذاق اڑانے لگے۔ ان لوگوں نے کہا۔ ان دونوں شخصوں سے بڑھ کر جھوٹا ہم نے نہیں دیکھا۔ ابھی مجمع پر اگندہ نہیں ہوا تھا کہ رشید ہجری ان دونوں کو پوچھتے آ پہنچے۔ لوگوں نے بتایا کہ وہ ایسی ایسی باتیں کر کے اپنی اپنی راہ گئے۔ رشید نے کہا خدا رحم کرے میثم پر وہ یہ بات بھول ہی گئے کہ حبیب بن مظاہر کا سر لانے والے کی تنخواہ میں سو روپے کا اضافہ بھی ہوگا۔ حاضرین نے کہا خدا کی قسم یہ ان دونوں سے بھی بڑھ کر جھوٹے نکلے مگر تھوڑے ہی دن گزرے ہوں گے کہ یہ ساری باتیں پیش آ کر رہیں۔ (رجال کشی)

ایک مرتبہ میثم امیر المومنین کی خدمت میں حاضر ہوئے دیکھا کہ آپ سو رہے ہیں۔ اُنھوں نے بہ آواز بلند کہا۔ اے سونے والے اُٹھئے خدا کی قسم آپ کی ریش مبارک آپ کے سر کے خون سے رنگین ہوگی۔ (رجال کشی)

میثم کا مطلب یہ نہ تھا کہ امیر المومنین اس بات سے ناواقف تھے اور میثم آپ کو خبر دے رہے تھے۔ میثم نے تو جو کچھ علم حاصل کیا، آپ ہی سے حاصل کیا تھا۔ اُن کا مطلب یہ تھا کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ امیر المومنین کے ساتھ کیا حادثہ پیش آنے والا ہے اور میثم کی معلومات کا بھی لوگوں کو اندازہ ہو جائے تاکہ لوگ اُن کی معلومات سے فائدہ اُٹھائیں اور اُن کی تعلیمات سے مستفید ہوں۔ اُن کی علمی منزلت کب ظاہر ہوتی اگر وہ ان معلومات کا اظہار نہ کرتے۔ جناب مسلم کی شہادت کے بعد کوفہ کے کچھ شیعہ اور میثم و مختار ایک ہی ساتھ ابن زیاد کی قید میں تھے۔ میثم نے مختار کو بتایا کہ تم عنقریب رہا ہو جاؤ گے اور ابن زیاد کو قتل کرو گے۔ تمہارے قدم اُس کی پیشانی اور زخماں کو روند دیں گے۔

ابن زیاد نے جس دن مختار کو قتل کرنے کے لئے قید خانے سے نکالا، ٹھیک اسی دن یزید کے پاس سے قاصد ابن زیاد کے نام یہ فرمان لے کر پہنچا کہ مختار کو رہا



کردو۔ مختار کو رہائی ملی اور تھوڑے ہی دنوں کے بعد وہ تمام باتیں رُونما ہو کر رہیں جو میثم نے بتائی تھیں (شرح نہج البلاغہ، جلد ۱، ص ۲۱۰)

صالح بن میثم بیان کرتے ہیں کہ مجھے ابو خالد تمار نے بتایا میں میثم تمار کے ساتھ بدھ کے دن دریائے فرات میں کشتی پر تھا اتنے میں ہوا تیز چلنے لگی۔ میثم نے ہوا دیکھ کر کہا کشتی کو باندھ دو کہ آندھی چلنے والی ہے۔ اسی وقت معاویہ کی موت ہوئی۔ دوسرا بدھ آنے پر شام سے ایک قاصد پہنچا۔ میں نے اُس سے مل کر خبر پوچھی۔ قاصد نے کہا معاویہ مر گیا اور لوگوں نے یزید کی بیعت کر لی۔ میں نے پوچھا معاویہ کس دن مرا اُس نے بتایا کہ بدھ کے دن۔

میثم کی یہ واقفیت حیرت انگیز نہیں جب کہ ہم بہت سی باتوں سے اُن کی واقفیت کا ذکر کر چکے ہیں اور یہ بھی بیان کر چکے ہیں کہ امیر المومنینؑ نے انھیں مخفی اسرار تعلیم کئے تھے۔ ممکن ہے بہت سے لوگوں کو میثم کی ان معلومات پر حیرت ہو بلکہ میثم کے استاد اور مربی امیر المومنینؑ پر وہ حیرت کریں جنہوں نے میثم کو ان باتوں کی تعلیم دی تھی۔ مگر یہ حیرت انھیں لوگوں کو ہو سکتی ہے جو یہ بھول جائیں کہ امیر المومنینؑ تمام لوگوں سے زیادہ کتاب خدا کے عالم تھے۔ جو یہ بات بھول جائیں کہ کتاب خدا ہر چیز کی وضاحت اور تصریح بن کر نازل ہوئی ہے جنہیں اس بات کا یقین نہ ہو کہ کتاب خدا کا عالم ہر چیز کا عالم ہوتا ہے، جو اس بات کا یقین نہ رکھیں کہ امیر المومنینؑ علوم و اسرار و دیعت کرنے کے لئے جس کسی کا ظرف اچھا پاتے ضرور و دیعت کرتے تاکہ علم کی لوگوں میں اشاعت ہو۔ خود یہی میثم جب سولی پر چڑھا گئے تو یہ آواز بلند کہا ”لوگو: جو شخص علی ابن ابی طالبؑ کی مخفی حدیثیں سننا چاہے وہ میرے قتل کئے جانے سے پہلے آ کر سن لے خدا کی قسم میں قیامت تک کے پیش آنے والے واقعات اور جتنے فتنے رُونما ہونے والے ہیں سب کی



خبر دے سکتا ہوں۔ یہ مخفی حدیث اور آئندہ پیش آنے والے واقعات سے واقفیت کیا چیز تھی؟ کیا یہ حادثات و واقعات اور اموات کا وسیع تر علم نہ تھا۔

میشم تمہارے حضرت علیؑ نے علم تاویل بھی عطا کیا:

سورہ عمران کی آیت ہے:-

هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُحْكَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ وَأُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ ۚ فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَأْوِيلِهِ وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ (سورہ آل عمران آیت ۷)

”وہی وہ خدا ہے جس نے تم پر کتاب نازل کی اس میں کی بعض آیتیں تو محکم (بہت صریح) ہیں وہی اصل کتاب ہیں اور کچھ متشابہ ہیں جن لوگوں کے دل میں کجی ہے وہ انھیں آیتوں کے پیچھے پڑے رہتے ہیں جو متشابہ ہیں تاکہ فساد برپا کریں اور اس خیال سے کہ انھیں اپنے مطلب پر ڈھال لیں حالاں کہ خدا اور اُن لوگوں کے سوا جو علم میں بڑے پائے پر فائز ہیں اُن کا اصلی مطلب کوئی نہیں جانتا۔“

اس آیت میں دو اہم باتوں کی وضاحت کی گئی ہے۔ ایک یہ کہ قرآن مجید میں کئی ایک متشابہ آیات ہیں۔ جن لوگوں کے دل میں کجی ہے، جو فتنہ و فساد برپا کرنا اور قرآن مجید کی اُس کی تزیل کے برخلاف تاویل کرنا چاہتے ہیں وہ انھیں متشابہ آیتوں کے پھیر میں رہتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ ہر شخص قرآن مجید کی آیات کی تاویل کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ تاویل کا اصل عالم اللہ تعالیٰ ہے اور وہ لوگ ہیں جن کے گھر میں قرآن نازل ہوا اور جنہوں نے اللہ تعالیٰ سے علم حاصل کیا۔ یہی لوگ راخنین فی العلم ہیں۔ آیات قرآنی کی تاویل اور کون آیت محکم ہے اور کون متشابہ یہ بس راخنین فی العلم ہی بتا سکتے ہیں۔



پیغمبر خدا نے اُن لوگوں کی نشان دہی بھی کر دی جو تاویل کے عالم اور راسخین فی العلم ہیں صرف اس لئے تاکہ پیغمبر خدا کے اُٹھنے کے بعد ہر شخص اس کا دعوے دار نہ بن بیٹھے کہ آیات کی تاویل کا ہم بھی علم رکھتے ہیں، ہم بھی راسخین فی العلم ہیں۔ چنانچہ آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا:-

”انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ وعترتی اہل بیعتی ما ان تمسکتم، بہما لن تضلوا بعدی“

”میں تم میں دو گراں قدر چیزیں چھوڑنے والا ہوں ایک خدا کی کتاب، دوسرے میرے اہل بیت جب تک تم ان سے متمسک رہو گے کبھی گمراہ نہ ہو گے“

”و انہما لن یفترا تا حتی یرد اعلیٰ الحوض“۔  
 ”یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے یہاں تک حوض کوثر پر میرے پاس پہنچ جائیں گے۔“

یہ حدیث ثبوت ہے اس بات کا کہ اہل بیت پیغمبرؐ ہی کے جانشین ہیں، وہ قرآن کے ہمسر ہیں، انھیں کو قرآن کا مکمل علم ہے اور صرف قرآن کا نہیں بلکہ ہر چیز کا۔ جب تک دنیا رہے گی وہ یونہی باقی رہیں گے اور وہ قیامت تک کے لئے ہادی ہیں لہذا علیؑ اور اُن کی نسل سے گیارہ امام ہی وہ لوگ ہیں جن کے پاس کتاب الہی کا علم ہے۔ انھوں نے پیغمبر خدا سے علم حاصل کیا۔ پیغمبر خدا نے اللہ تعالیٰ سے۔ دوسرے لوگ اپنے جیسے لوگوں سے علم حاصل کرتے ہیں برخلاف اہل بیت پیغمبرؐ کے کہ اُن کا سارا علم پیغمبر خدا سے ماخوذ ہے۔

میشم تمار تفسیر قرآن کے بھی عالم تھے اور انھوں نے علم تفسیر امیر المومنینؑ سے حاصل کیا۔

ایک مرتبہ مدینے میں میثم اور عبداللہ ابن عباس کی ملاقات ہوئی میثم نے کہا



تفسیر قرآن کے متعلق جو کچھ پوچھنا ہو پوچھ لیجئے کیوں کہ میں نے امیر المومنینؑ سے پڑھا ہے اور آپ نے اُس کی تاویل کی مجھے تعلیم دی ہے۔ عبد اللہ ابن عباس نے قلم و دوات منگایا تاکہ میثم جو کچھ بتاتے جائیں وہ لکھتے جائیں۔ قبل اس کے کہ وہ کچھ لکھیں میثم نے اُن سے کہا آپ کا کیا حال ہوگا جب کہ آپ مجھے سولی پر لٹکا ہوا دیکھئے گا۔ ابن عباس نے کہا تم تو کاہنوں جیسی باتیں کرنے لگے (جو غیب کی خبریں بیان کیا کرتے ہیں) یہ کہہ کر انھوں نے کاغذ ہاتھ سے رکھ دیا۔ میثم نے کہا جلدی نہ کیجئے۔ میں جو کچھ بتاؤں اگر وہ حق بات ہو تو اُسے اختیار کیجئے گا ورنہ ترک کر دیجئے گا۔ پھر انھوں نے آیات الہی کی وہ تفسیر بیان کی جو انھوں نے امیر المومنینؑ سے سُن رکھی تھی (رجال کشی، ص ۵۴)

اس حدیث سے چند باتیں معلوم ہوتی ہیں:

(۱) میثم پورے قرآن کی تاویل کے عالم تھے جب ہی انھوں نے ابن عباس سے کہا تھا تفسیر قرآن میں جو کچھ پوچھنا ہے پوچھ لیجئے کیونکہ میں نے قرآن علی ابن ابی طالبؑ سے پڑھا ہے اور انھوں نے اس کی تاویل کی مجھے تعلیم دی ہے۔

(۲) میثم کو جو علم تھا وہ ابن عباس کو نہ حاصل تھا اسی لئے میثم جو کچھ بتاتے گئے ابن عباس لکھتے گئے۔ اگر ابن عباس کو بھی وہ باتیں معلوم ہوتیں تو انھیں لکھنے کی ضرورت ہی نہ تھی۔ اسی بات سے معلوم ہوتا ہے کہ میثم کا علم کچھ اور شان رکھتا تھا، اُن کی علمی منزلت کچھ اور تھی اور ابن عباس کی کچھ اور حالانکہ ابن عباس بھی امیر المومنینؑ ہی کے شاگرد تھے۔

(۳) میثم علم کے بلند درجے پر بھی فائز تھے اور قابلِ اعتماد و وثوق بھی تھے جیسا کہ ابن عباس نے اُن کی بیان کردہ باتیں بغیر کسی تاویل کے لکھ لیں۔

(۴) ابن عباس کو موتوں اور آنے والے حادثات و واقعات کا بالکل علم نہ تھا





ورنہ میثم کے یہ کہنے پر کہ اُس دن آپ کا کیا حال ہوگا جب آپ مجھے سُولی پر لٹکا دیکھئے گا وہ انکار نہ کرتے اور اُن کی اس پیشین گوئی کو کہانت نہ قرار دیتے۔ حالانکہ ابن عباس نے امیر المومنینؑ کو دیکھا بھی اور اس قسم کے رُموز و اسرار بیان کرتے بھی سنا لیکن معلوم ہوتا ہے وہ ان علوم کے قتل کی طاقت نہیں رکھتے تھے اسی لئے امیر المومنینؑ نے یہ مخفی علوم انھیں تعلیم کئے نہ کبھی ابن عباس نے اس بات کا دعویٰ ہی کیا کہ امیر المومنینؑ نے مجھے بھی ان مخفی رُموز و اسرار کی تعلیم دی ہے اور نہ اُن سے کبھی اس قسم کا علمی مظاہرہ ہی ہوا جس سے اندازہ ہوتا کہ وہ بھی اُن مخفی رُموز و اسرار کے عالم تھے۔

### میثم تمار مخفی علوم کے امانت دار تھے:

پیغمبر خدا اور اہل بیت طاہرینؑ نے اپنی باتوں کو سخت و دشوار کہا ہے جن کا متحمل یا تو نبی مرسلؐ ہو سکتا ہے یا ملک مقرب یا وہ مومن جس کے ایمان کو اللہ تعالیٰ نے آزمایا ہو۔

یہ بات کوئی تعجب انگیز بھی نہیں کیوں کہ پیغمبرؐ و اہل بیتؑ پیغمبرؐ بہت سی گونا گوں باتوں کے حامل تھے۔ کون انسان غرائب و عجائب کا متحمل ہو سکتا ہے، کون شخص ایسا ہے جو حیرت انگیز باتوں کو اُن کر بدحواس نہ ہو اور بے چوں و چرا تسلیم کر لے۔ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں حبیب بن مظاہر، رشید ہجری اور میثم کی آپس کی گفتگوئیں کرکوفے والوں نے مذاق اڑایا اور اُن کے مخفی علم کی باتیں سُن کر اُن کی تکذیب کی۔ حالانکہ وہ لوگ بخوبی واقف تھے کہ حبیب ابن مظاہر و میثم وغیرہ سعی علوم کے حامل ہونے کی پوری صلاحیت رکھتے ہیں، مگر چوں کہ عام لوگوں کی عقل و فہم اور اُن کے سوچنے سمجھنے کا انداز ان مخفی علوم کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا لہذا جو بات اُن کے معیارِ علم سے ذرا اونچی ہوتی اُس کا فوراً انکار کر دیتے۔ دوسروں کو کیا کہا جائے خود



ابن عباس بھی میثم کی باتیں سن کر جھنجھلا اٹھے تھے اور اس کی وجہ یہی تھی کہ وہ اس مخفی علم سے خالی تھے جب کہ اُن کی صلاحیتوں میں کسی کو کلام نہیں۔ پھر وہ امیر المومنینؑ کے شاگرد بھی تھے۔ آج بھی بہت سے لوگوں پر یہ بات گراں گزرتی ہے کہ امیر المومنینؑ کو حوادث و واقعات کا اُن کے پیش آنے سے پہلے ہی کیوں کر علم حاصل تھا۔ مگر یہ لوگ یہ بات نہیں سمجھتے کہ امیر المومنینؑ کے علم کو اپنے پیانے سے ناپنا انتہائی غلط ہے۔ ہم اگر کسی علم میں کورے ہوں تو یہ کب جائز ہے کہ ہم سرے سے اُس علم کا انکار کر دیں۔

میثم تمار کو آئندہ پیش آنے والی بہت سی باتوں کا علم تھا کون کب مرے گا، کس طرح مرے گا اُس کے متعلق بھی اُن کی معلومات بہت وسیع تھیں اس بنا پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ حدیثِ صعب و متصعب کے حامل اور اُن لوگوں میں سے تھے جن کے دل کو اللہ نے اچھی طرح آزمایا تھا۔

صالح بن میثم کہتے ہیں کہ مجھ سے میرے باپ نے بیان کیا کہ میں بازار میں تھا کہ میرے پاس اصبح بن نباتہ آئے۔ انھوں نے کہا میثم میں نے امیر المومنینؑ کو ارشاد فرماتے سنا کہ ہماری باتیں بہت ہی سخت و دشوار ہیں۔ ان باتوں کا تحمل یا تو ملکِ مقرب ہو سکتا ہے یا نبی مرسل یا وہ مومن جس کے ایمان کو اللہ تعالیٰ نے آزمایا ہو۔ میثم کہتے ہیں کہ فوراً ہی اٹھا اور امیر المومنینؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی میری جان آپ پر قربان میں نے ایک بات ایسی سنی ہے جس سے میرا سینہ تنگی کرنے لگا ہے۔ آپ نے پوچھا وہ کیا۔ میں نے اصبح کی بات دہرا دی۔ آپ نے فرمایا۔ اچھا بیٹھو۔ یہ بتاؤ کیا ضروری ہے کہ علماء ہر علم کے حامل ہوں؛ خداوند عالم نے ملائکہ سے کہا تھا "انی جاعل فی الارض خلیفہ قالوا اتجعل فیہا من یفسد فیہا ویسفک الدماء" میں زمین پر



خلیفہ مقرر کرنے والا ہوں۔ ملائکہ نے عرض کی کیا تو زمیں پر ایسے کو خلیفہ بنالے گا جو فتنہ و فساد کرے اور خوں ریزی کرے۔ تمہارا کیا خیال ہے کہ کیا ملائکہ تمام باتوں کے عالم تھے اور اگر عالم تھے تو انھوں نے لب کشائی کیوں کی۔ میں نے عرض کی یہ تو اس بات سے بھی ہولناک بات ہے۔ امیر المومنینؑ نے فرمایا۔ دوسری بات سنو۔ خداوند عالم نے جناب موسیٰؑ پر تورات نازل کی۔ جناب موسیٰؑ کو خیال گزرا کہ اب مجھ سے بڑھ کر عالم کوئی نہیں۔ اللہ نے انھیں بتایا کہ اُس کے بندوں میں بعض ایسے بھی ہیں جو موسیٰؑ سے بڑھ کر عالم ہیں۔ موسیٰؑ نے دعا کی کہ خداوند مجھے اس عالم تک پہنچا دے۔ اللہ نے اُن کی ملاقات خضرؑ سے کرادی۔ خضرؑ نے کشتی میں سوراخ کر دیا۔ موسیٰؑ اس کے متحمل نہ ہو سکے۔ لڑکے کو قتل کر ڈالا، موسیٰؑ نے اسے بھی ہولناک سمجھا، گرتی ہوئی دیوار سیدھی کر دی، موسیٰؑ نے اس کا بھی تحمل نہیں کیا۔ رہ گیا مومن (جس کے ایمان کو اللہ تعالیٰ نے آزمایا ہو) تو بروز غدیر پیغمبرؐ خدا نے میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا تھا: ”مَنْ كُنْتُ مَوْلَا فِهَذَا عَلِيٌّ مَوْلَا“ جس کا میں مولا ہوں اُس کے علیؑ بھی مولا ہیں۔ تم ہی بتاؤ کتنوں نے اس کا تحمل کیا سو چند لوگوں کے جن کو اللہ نے گمراہ ہونے سے محفوظ رکھا۔ تمہیں خوش ہونا چاہئے کہ خداوند عالم نے تمہیں ان باتوں کے علم کے ساتھ مخصوص کیا جن باتوں کا علم ملائکہ و انبیاء اور مومنین کو بھی نہیں ہو سکتا۔ تم لوگ پیغمبرؐ خدا کے زموز و اسرار کے حامل ہو۔ (بشارۃ المصطفیٰ الشیعۃ المصطفیٰ)

یہ حدیث صریحی طور پر بتاتی ہے کہ میثمؓ بھی اُن گنتی کے لوگوں میں سے تھے جو حدیث صعب و متعصب کے حامل تھے۔ حامل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ پیغمبرؐ و اہل بیتؑ پیغمبرؐ نے جو کچھ بیان کیا اُس کو دل سے قبول کیا یہ یقین کرتے ہوئے کہ اہل بیتؑ جو کچھ کہتے ہیں وہ پیغمبرؐ سے سُن کر اور پیغمبرؐ جو کچھ کہتے ہیں وہ جبریلؑ



سے معلوم کر کے اور جبریل اللہ تعالیٰ کی طرف سے معلوم کر کے آتے ہیں۔

## میشم تمہارا صاحب بصیرت تھے:

کبھی بصیرت ہوتی ہے مگر علم نہیں ہوتا کبھی علم ہوتا ہے مگر بصیرت نہیں ہوتی اور کبھی بصیرت ہوتی ہے اور علم بھی ہوتا ہے جس ذات میں یہ دونوں چیزیں جمع ہو جائیں اُس کی پاکیزگی طینت کا کیا کہنا۔ بصیرت بغیر علم کے ہلکی روشنی ہے یا کم پھل دینے والا درخت ہے اور علم کی بغیر بصیرت کے مثال ایسی ہی ہے جیسے گدھے کے سر پر کتابیں لاد دیں جائیں۔ ہاں اگر بصیرت اور علم دونوں اکٹھا ہو جائیں تو وہ درخشندہ نور اور اکسیر و تریاق ہے اور جس شخص میں یہ دونوں چیزیں جس حد تک ہوں گی اتنا ہی وہ شخص عظیم المنزلت ہو گا یہ دونوں چیزیں انسان کو ملائکہ مقربین کے درجے تک پہنچا دیتی ہیں۔

یہ صحیح ہے کہ علم کبھی کبھی ذریعہ بن جاتا ہے بصیرت کا اور اسی طرح بصیرت ذریعہ بنتی ہے علم کا۔ مگر پہلی بات شاذ و نادر ہی ہوتی ہے یعنی کمتر ایسا ہوتا ہے کہ عالم اپنے علم سے بصیرت کا حامل ہو جائے۔ دنیا میں آپ کو بہت سے گمراہ عالم ملیں گے مگر شاید ہی کوئی با بصیرت شخص گمراہ دکھائی دے۔ بہت سے بے بصیرت عالم ہیں جن کو اُن کا علم فائدہ نہیں پہنچاتا اور انھیں گمراہی و ضلالت کی تاریکیوں سے نہیں نکالتا لیکن بغیر علم والا با بصیرت انسان اپنی بصیرت کی وجہ سے جہالت و گمراہی کے راستے سے صاف بچ نکلتا ہے۔

علم کے لئے ضرورت ہے وسیع ظرف کی۔ جب ظرف وسیع ہو گا تو اُس میں علم محفوظ رہے گا اور ظرف والے کی شان بلند ہوگی لیکن اگر علم زیادہ اور ظرف مختصر ہو گا تو انسان بلند مرتبہ حاصل کرنے میں ناکام رہے گا بلکہ بسا اوقات علم کی زیادتی وبال بن جائے گی۔



میثم کے علوئے منزلت اور بلندی مرتبہ کی وجہ اُن کی بصیرت بھی تھی وسعتِ ظرف بھی اور پاکِ طینت بھی۔ اُن کے سینے میں کشادگی تھی اور دل میں جو بات ڈالی جاتی اُن کا دل اُس کو محفوظ رکھتا۔ اسی وجہ سے وہ علمِ بلا یا و منایا، علمِ تفسیر اور علمِ کائنات کے خزانہ دار تھے باوجود یہ کہ انھیں امیر المومنین کی صحبت میں بہت کم دن رہنے کا موقع ملا۔ بہت سے ایسے لوگ بھی تھے جن کی طینت بھی پاکیزہ تھی امیر المومنین کی صحبت میں زیادہ دن رہنے کا انھیں موقع بھی ملا لیکن امیر المومنین سے اتنے علوم حاصل نہیں کر سکے نہ آپ کے فیوض و برکات سے اتنے مستفید ہوئے اُس کی وجہ محض یہ تھی کہ وہ ایسی بصیرت کے مالک نہ تھے نہ اُن کے سینوں میں اتنی گنجائش تھی۔

### میثم تمہارا عقیدہ اور ایمان:

کسی شخص کی ایمانی منزلت اور ثبات و استقلال کی شان جانچ پرکھ اور آزمائشوں میں ڈالے جانے کے بعد ہی ہوتی ہے۔ زبانی دعویٰ مفید نہیں۔ جب تک امتحان میں بھی پورا نہ اترے۔ "الم احسب الناس ان تیر کو ا ان یقولوا اٰمنا دھم لا یفتنون" کیا لوگوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ اتنا کہہ دینے سے کہ ہم ایمان لائے وہ چھوڑ دیئے جائیں گے اور اُن کا امتحان نہ لیا جائے گا۔"

لیکن جب لوگ چھلنی میں ڈالے جاتے ہیں، آزمائشیں اور پریشانیاں ٹوٹ کر پڑتی ہیں تو اللہ ہی جانے چھلنی میں کتنے لوگ بچ رہیں گے اور آزمائشیں اور پریشانیاں جھیل کر کتنے لوگ ثابت قدم نکلیں گے۔ لوگ دنیا کے غلام ہوتے ہیں دین کا تو بس ذائقہ زبان پر ہوتا ہے اگرچہ دین اُن کے لئے دنیا میں بھی خیر و برکت کا ذریعہ ہے مگر لوگ دنیا کو ظاہری آنکھوں سے دیکھتے ہیں بصیرت اور دل



کی آنکھوں سے نہیں دیکھتے۔ یہی وجہ ہے کہ آزمائش وابتلا کے موقع پر وہ دنیا کے بیٹے بلکہ ابن الوقت بن جاتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ دنیا اور ابنائے دنیا کا دامن پکڑے رہنے سے فوری ہلاکت سے جان بچ جائے گی۔ انھیں خبر نہیں کہ دنیا کا دامن پکڑنے سے ہلاکت کے سوا کچھ نہیں حاصل ہوگا۔ نجات دین داروں کے دامن سے متمسک ہونے ہی میں نصیب ہوگی۔

دین کی وجہ سے جان و آبرو کی حفاظت ہوتی ہے اور دین چھوڑ دینے سے جان اور آبرو ظلم و عدوان کے پنجے میں پڑ جاتی ہے اسی موقع پر ہمیں میثم کے ایمان اور ثبات و استقلال کا اندازہ ہوتا ہے۔ چنانچہ امیر المومنینؑ نے انھیں جب ان مصائب و شدائد سے آگاہ کیا جو آگے چل کر انھیں پیش آنے والے تھے تو میثم نے عرض کی۔ امیر المومنینؑ میں ان تمام مصائب پر صبر کروں گا، اللہ کی راہ میں یہ سب مصیبتیں تو بہت کم ہیں۔ ایک دن امیر المومنینؑ نے اُن سے فرمایا کہ تمہیں سولی دی جائے گی اور اسی سولی پر تمہارا دم نکلے گا۔ میثم نے عرض کی۔ مولا میں فطرت اسلام پر تو باقی رہوں گا۔ آپ نے فرمایا۔ ہاں۔ تو میثم کی تمام تر نظر انجام اور آخرت پر تھی انھیں سولی دیئے جانے کی کوئی پروا نہیں تھی۔

جب میثم گرفتار کئے گئے اور ابن زیاد نے انھیں سولی دیئے جانے کا حکم دیا تو انھیں پورا موقع اس کا حاصل تھا کہ بھاگ کر اپنی جان بچائیں۔ کوفے میں اُن کے چاہنے والے بہت تھے۔ ابنائے زمانہ جس طرح زمانے کا رنگ دیکھ کر اپنا رنگ بدل لیتے ہیں اور ارباب حکومت سے زمانہ سازی کرتے ہیں میثم بھی کر سکتے تھے لیکن اسی وقت میثم کے کمال ایمان اور اُن کی نفسیات کا شاندار مظاہرہ ہوا وہ اُس وقت موت اور زندگی کے درمیان معلق تھے مگر انھوں نے ایمان پر باقی رہ کر جان دینا گوارا کیا مگر نفاق پر رہ کر زندہ رہنا انھیں گوارا نہ ہوا۔ اُن کی



باتوں میں نہ تو نرمی آئی نہ انداز خطاب میں شان انکسار پیدا ہوئی۔ اُنھوں نے بے ڈرے جھجکے ابن زیاد سے کہا۔ امیر المومنینؑ نے مجھے پہلے ہی بتا دیا تھا کہ تمہیں مکینہ و ناپاک، بدکار عورت کا فرزند ابن زیاد گرفتار کرے گا۔ میثمؑ نے یہ فقرہ اُس وقت کہا جب کہ انھیں یقین تھا کہ انھیں ابن زیاد صولی ضرور دے کے رہے گا۔ جب ابن زیاد کے ملازموں نے اُن کی زبان قطع کرنا چاہی تو بولے بدکار عورت کا فرزند مجھے اور میرے مولا کو جھٹلانا چاہتا ہے۔

اسی طرح ابن زیاد کے یہ پوچھنے پر ”این ربک“ تمہارا پروردگار کہاں ہے میثمؑ نے برجستہ کہا۔ ”اللہ تعالیٰ ہر ظالم کی گھات میں ہے اور تم بھی انھیں ظالموں میں سے ہو۔“

کیا یہ تمام باتیں میثمؑ کے صلابت ایمان اور یقین محکم کا ثبوت نہیں۔ ابتلا و آزمائش کی گھڑیوں میں ایسا ہی ثبات و استقلال ہونا چاہئے۔

**میثمؑ تمہارا ولایتِ علیؑ میں کامل تھے:**

دل کی قوت بھی ایمان کی قوت کا ثمرہ ہے جس شخص کی آنکھوں میں اللہ بڑا ہوگا، اُس کی آنکھوں میں خدا کے سوا ہر چیز کمتر و حقیر ہوگی، جو شخص روزِ قیامت کے عقاب کو عظیم سمجھے گا، روزِ جزا ثواب ملنے کا یقین رکھے گا وہ اس دنیا میں پیش آنے والی ہر مصیبت کو آسان جانے گا۔

یہ صفت جنابِ میثمؑ میں اُس دن دیکھنے میں آئی جب ابن زیاد نے انھیں صولی دیئے جانے کا حکم دیا۔ ابن زیاد انتہائی سفاک اور جلا دانسان تھا۔ خوں ریزی اُس کا محبوب مشغلہ تھا۔ خصوصیت کے ساتھ اہل بیت طاہرینؑ اور اُن سے تعلق خاطر رکھنے والوں کا تو جانی دشمن تھا۔ میثمؑ جو امیر المومنینؑ کے عزیز ترین شاگرد تھے، جو بانگِ دہل آپ کی محبت و ولایت کا اعلان کرتے پھرتے،



آپ کے فضائل و کمالات کی نشر و اشاعت کرتے اُن کو ابن زیاد کیسے چھوڑ سکتا تھا۔ بس ایک ہی چیز میثم کو ابن زیاد کی چہرہ دستیوں سے محفوظ رکھ سکتی تھی وہ یہ کہ میثم امیر المومنینؑ سے بے زاری کا اظہار کریں لیکن میثم ایسے صادق الایمان اور قوی دل والے انسان کے لئے اور سب کچھ ممکن تھا مگر امیر المومنینؑ سے بیزاری کا اظہار ناممکن تھا۔ خصوصیت کے ساتھ ایسی صورت میں جب کہ امیر المومنینؑ نے اظہار بیزاری سے ممانعت بھی فرمادی تھی۔ آپ نے ارشاد فرمایا تھا اگر کوئی مجھے گالیاں دینے پر مجبور کرے تو تم گالیاں دے لینا۔ یہ میرے لئے پا گیزگی اور تمہارے لئے باعث نجات ہوگی لیکن اگر کوئی مجھ سے اظہار بے زاری پر تمہیں مجبور کرے تو ہرگز نہ کرنا کیوں کہ میں فطرت اسلام پر پیدا ہوا اور سب سے پہلے ایمان بھی لایا اور ہجرت بھی کی۔

ابن زیاد نے میثم کو مجبور کیا کہ وہ امیر المومنینؑ سے بے زاری کا اظہار کریں میثم نے صاف لفظوں میں انکار کر دیا۔

ابن زیاد نے کہا تمہیں بہر حال علی ابن ابی طالبؑ سے بے زاری کا اظہار کرنا اور اُن کے معائب بیان کرنا ہوں گے ورنہ میں تمہارے ہاتھ پیر کاٹ کر سُولی پر چڑھا دوں گا۔ میثم نے کہا میرے مولا علی ابن ابی طالبؑ مجھے پہلے ہی خبر دے چکے ہیں کہ میرے ہاتھ پیر کاٹے جائیں گے اور مجھے سُولی دی جائے گی۔ میں نے آپ سے پوچھا تھا یہ ساری باتیں کس شخص کے ذریعے عمل میں لائی جائیں گی۔ امیر المومنینؑ نے فرمایا تھا ”یاخذک عُتَل الزَیْہِم ابن اُمَۃ الفَاجِرۃ عبید اللہ بن زیاد“ کیا اندازہ ہو سکتا ہے اس قوتِ قلب اور ہمت و جرأت کا کہ میثم ابن زیاد کے منہ پر اُسے ایسا سخت جواب دے رہے ہیں اور اُس کے حسب و نسب کا پول بھی کھولے دے رہے ہیں۔





میثم سولی پر چڑھے اسی طرح لوگوں سے امیر المومنینؑ اور اہل بیت طاہرینؑ کے فضائل اور اُن کے دشمنوں کے معائب بیان کرتے رہتے۔ سولی پر چڑھ کر موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اس طرح تقریر کرنا ہر انسان کے بس کی بات نہیں۔ یہ کام تو ایسے ہی کامل الایمان بندے کر سکتے ہیں جو نہ موت کو خاطر میں لاتے ہیں نہ انھیں اس کی پروا کہ کس طرح موت آئے گی۔ اُن کے دل میں بس خوفِ الہی کی اہمیت ہوتی ہے۔ وہ موت کو فنا کے گھر سے بقاء کے گھر تک اور مصیبت و بد حالی سے خوش بخئی و سعادت تک جانے کے لیے ایک پل سمجھتے ہیں۔

### فرمانِ مولا علیؑ پر میثمؑ تمہارا یقینِ کامل تھا:

امیر المومنینؑ نے میثمؑ کو بتایا تھا کہ تم میرے بعد گرفتار کئے جاؤ گے اور کھجور کے تنے پر تمہیں سولی دے دی جائے گی۔ امیر المومنینؑ نے انھیں کھجور کا وہ درخت بھی دکھلا دیا تھا۔ امیر المومنینؑ کو فے کے محلہ کناسہ کی طرف تشریف لے جاتے میثمؑ بھی ساتھ ہوتے۔ آپؑ کا گزر کھجور کے اُس درخت کی طرف سے ہوتا آپؑ میثمؑ سے فرماتے میثمؑ تمہاری اور اس کھجور کی ایک شان ہونے والی ہے۔

میثمؑ اس کھجور کے پاس جاتے، وہاں نماز پڑھتے اور کھجور سے خطاب کر کے کہتے خدا تجھے برکت دے۔ میں ترے لئے پیدا ہوا اور تو نے میرے لئے نشوونما پائی۔ کبھی کہتے۔ اے درختِ خرما میں نے تیرے ہی لئے غذا پائی اور تو نے بھی میرے لئے غذا پائی۔ جب وہ سولی دیئے جانے کو لے جائے جا رہے تھے تو اُن کا گزر ایک شخص کی طرف سے ہوا۔ اُس شخص نے انھیں دیکھ کر کہا تم ان سب چیزوں سے بے نیاز تھے (مطلب یہ ہے کہ اگر ابنِ زیاد کی بات مان کر علیؑ سے اپنی بے زاری کا اظہار کر دیتے تو تمہاری جان بچ جاتی، سولی کی نوبت ہی نہ آتی)



میثم اُس کی طرف دیکھ کر مسکرائے اور کھجور کے درخت کی طرف اشارہ کر کے کہا خدا کی قسم یہ درخت میرے ہی لئے روئیدہ ہوا اور میں نے بھی اسی درخت کے لئے کھایا، پیسا اور نشوونما پائی۔ میثم نے کھجور کے اس درخت اور اس درخت پر اپنے سولی دیئے جانے کا تذکرہ کچھ اتنی مرتبہ کیا کہ ابن زیاد نے اُس درخت کو کٹوا ڈالا۔ کسی بڑھئی نے وہ کٹا ہوا درخت خرید لیا اور اُس کے چار ٹکڑے کئے۔ میثم نے اپنے فرزند صالح سے کہا ایک کیل لے لو اُس پر میرا اور میرے باپ کا نام لکھ لو اور جا کر کسی ایک ٹکڑے میں اُسے ٹھونک آؤ۔ صالح بیان کرتے ہیں کہ جب ابن زیاد نے میرے باپ کو سولی دے دی تو کچھ دنوں کے بعد میں اُس ٹکڑے کے پاس گیا دیکھا تو اُسی ٹکڑے پر اُن کو لٹکایا گیا تھا جس میں میں نے پہلے سے کیل گاڑ رکھی تھی۔

امیر المومنین نے اُنھیں بتا کر کھا تھا کہ اس درخت کے چار ٹکڑے کر دیئے جائیں گے اور ایک ٹکڑے پر اُنھیں لٹکایا جائے گا بہت ممکن ہے امیر المومنین نے میثم کو یہ بھی بتا دیا ہو کہ ان چار میں سے کس ٹکڑے پر اُنھیں سولی دی جائے گی۔ انسان موت کا نام ہی سُن کر گھبرا جاتا ہے چہ جائیکہ کسی انسان کو یہ بھی معلوم ہو جائے کہ میری موت کا وقت آپہنچا ہے فلاں جگہ میری موت آئے گی اور فلاں شخص کے ہاتھوں میرا کام تمام ہوگا۔ ایسا انسان جسے پہلے سے معلوم ہو کہ اس درخت پر مجھے سولی دی جائے گی وہ اُس درخت کی روزانہ دیکھ بھال کرے اُس کے پاس جا کر عبادت الہی بجالائے، اُس کو مخاطب کر کے کلام کرے کہ تو میرے لئے اور میں تیرے لئے پیدا ہوا ہوں۔ ایسا ہی انسان ہوگا جسے اللہ پر پورا یقین ہو جو دین میں پختہ ہو اور جسے یہ بھی اطمینان ہو کہ میرا انجام بہتر ہی ہوگا۔

## میثم تمنا ز اہد روزہ دار و عبادت گزار تھے:

جب میثم علم و یقین، ایمان و معرفت کے اس درجے پر فائز تھے تو کوئی حیرت کی بات نہیں کہ وہ زاہد اور اس دنیاوی زندگی سے بے نیاز بھی رہے ہوں۔ بہت سے لوگ اچھی اور نفیس چیز کو بھی خاطر میں نہیں لاتے اس توقع میں کہ اس سے زیادہ بہتر اور زیادہ نفیس چیز مل جائے گی چہ جائے کہ ایسی چیز جس کی خرابی اور گھٹیا پن پوری طرح واضح ہو۔

صاحبان معرفت جن کی نظروں کے آگے حقائق بے حجاب ہوتے ہیں ان کی نظروں میں دنیا کی کوئی قیمت نہیں۔ چاہے دوسروں کی نظر میں یہ دنیا انتہائی حسین و جمیل اور دل موہ لینے والی ہی کیوں نہ ہو اس لئے کہ وہ صاحبان معرفت اس دنیا کو اللہ کی معصیت کا گھر سمجھتے ہیں وہ اس دنیا میں قبیح و ناپسندیدہ باتیں اور ظلم و جور کی گرم بازاری علانیہ دیکھتے ہیں۔

وہ شخص جو علیؑ ایسے انسان کی صحبت سے محروم ہو جائے اور معاویہؓ ایسے انسان کی رعایا بننے پر مجبور ہو دیکھے کہ فرزند رسولؐ امام حسینؑ گوشہ نشین ہیں، ان کی ہدایت اور علم سے لوگ فائدہ نہیں اٹھاتے جو دیکھے کہ یزیدؓ ایسے زانی و بدکار، بدست و بدکردار کے گرد لوگ چکر لگا رہے ہیں، جو دیکھے کہ ہر نیکو کار شیعہ ہر کنکر پتھر کے نیچے سے ڈھونڈ ڈھونڈ کر قتل کئے جا رہے ہیں ایسے شخص کو دنیا کی کیا رغبت ہو سکتی ہے۔ اس کی تمنائیں، اس کی خواہشیں کیوں کر اس دنیا سے وابستہ ہوتیں۔

جو شخص واقعی اللہ کی معرفت کا حامل ہو۔ خداوند عالم نے نیکو کار بندوں کے لئے جس رحمت اور نافرمانوں کے لئے جس عذاب کا وعدہ کر رکھا ہے اس کا اُسے یقین ہو اُسے عاید شب زندہ دار اور صائم التہار ہونا ہی چاہئے۔ میثم کے متعلق ان کے واقف کاروں کا یہ فقرہ قطعی مبالغہ نہیں کہ میثم کا خدا ان پر اپنی رحمت نازل



کرے زاہدوں میں سے اور اُن لوگوں میں سے تھے جن کی کھالیں کثرتِ زہد اور کثرتِ عبادت سے خشک ہو گئی تھیں۔

خود میثم کا دشمن جس نے اُن کے سولی دیئے جانے کی حالت میں اُن پر خنجر کا وار کیا تھا یہ کہنے پر مجبور ہو گیا کہ خدا کی قسم میں نے ہمیشہ تمہیں عابدِ شب زندہ دار ہی دیکھا۔ یہ کہہ کر اُس نے اُن کی کوکھ میں اپنا خنجر اُتار دیا۔ یہیں سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ لوگوں کی طنیت اور خمیر ایک جیسا نہیں۔ بد بخت شخص نیک بختی سے ناواقف ہونے کی وجہ سے بد بختی نہیں اختیار کرتا نہ حق سے اندھا ہونے کی وجہ سے باطل اختیار کرتا ہے۔ بلکہ وہ حق کو حق جانتا ہے اور جاننے کے باوجود اُس سے کنارہ کشی اختیار کرتا ہے، باطل کو باطل سمجھ کر اُس کی پیروی کرتا ہے ورنہ آخر کیا وجہ تھی کہ یہ خبیث و ذلیل انسان یہ جانتے ہوئے کہ میثم عابدِ شب زندہ دار ہیں اُن کے جسم میں اپنا پورا خنجر اُتار دے۔

### میثم تمار کی فصاحت و بلاغت:

ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ میثم عجم کے رہنے والے تھے لیکن ہمیں اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ وہ اپنی عجمیت ہی پر باقی رہے ہوں غالباً وہ عجم میں پیدا ہوئے اور جس زمانے میں مسلمان کسریٰ سے مصروفِ جنگ تھے یہ صفری میں گرفتار ہوئے اور عرب میں آ کر پلے بڑھے اور جوان ہوئے۔ امیر المومنینؑ کے سرچشمہ علم سے سیراب ہوئے، آپ کے فیضِ صحبت نے انھیں فصاحت اور شیوہ بیانی سکھادی۔ میثم کی جو باتیں کتابوں میں درج ہیں وہ اُن کی فصاحت و بلاغت اور قادر الکلامی کا بہترین ثبوت ہیں۔ سولی پر چڑھ کر انھوں نے جو تقریر کی ہے وہ بلاغت کا ایک شاہکار ہے۔ اگر اُن کی زبان صاف نہ ہوتی تو بات چیت عجمیوں ہی جیسی ہوتی اور عوام الناس اُن کی تقریر اور گفتگو سننے کے لئے اُن کے گرد اکھٹا نہ



ہو جاتے نہ کچھ لوگوں نے دوڑ کر ابن زیاد سے کہا ہوتا کہ جلدی کرو ان کی زبان کاٹ ڈالو ورنہ وہ بنی امیہ کو پوری طرح رسوا کر ڈالیں گے اور رعایا بنی امیہ کے خلاف ہو جائے گی۔ اگر ان کی عجمیت باقی ہوتی تو پھر اس قسم کا خطرہ ہی محسوس نہ ہوتا۔

ان کی بلاغت اور قادر الکلامی کا ثبوت ابن زیاد سے ان کی وہ گفتگو بھی ہے جو بازار کے دکان داروں کی فرمائش پر انھوں نے کی تھی۔ بازار کا عامل (انسپکٹر) دکانداروں کو اذیتیں دیا کرتا دکانداروں نے میثم سے درخواست کی تھی کہ ابن زیاد سے اُس کے ظلم و تعدی کی شکایت کرو۔ میثم کہتے ہیں ہم لوگ ابن زیاد کے پاس پہنچے۔ ترجمانی کے فرائض میں نے ہی انجام دیئے۔ ابن زیاد نے کان لگا کر میری بات سنی اور میری گفتگو اُسے بہت پسند آئی۔

اگر میثم فصاحت و بلاغت کے مالک نہ ہوتے تو ابن زیاد ان کی باتیں توجہ سے نہ سنا نہ ان کی گفتگو اُسے پسند آتی۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ امیر المومنین کی صحبت میں رہنا ہی ان کے فصیح و بلیغ بن جانے کے لئے کافی تھا۔ انھیں کسی سے سیکھنے اور تعلیم حاصل کرنے کی ضرورت نہ تھی۔

**میثم تمار حق کی طرف بلارہے تھے:**

میثم کے حالات زندگی شاہد ہیں کہ دعوت الی الحق میں ہمیشہ سرگرم رہے۔ مخفی رموز و اسرار اور پوشیدہ علوم سے لوگوں کو آگاہ کرتے رہے۔ کون کب اور کس طرح مرے گا، آئندہ کیسے کیسے ہولناک واقعات پیش آنے والے ہیں عام طور سے ان کا موضوع کلام ہوا کرتا کیا یہ ساری باتیں صرف اس غرض سے ہوتیں کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ میں مخفی رموز و اسرار اور اسرارِ علوم سے واقف ہوں یا کسی اور بلند و بالا مقصد سے ہوا کرتیں۔ ہم تو یہی سمجھتے ہیں کہ میثم کی یہ ساری باتیں حق کی طرف لوگوں کو بلانے کے لئے ہوتیں۔ ان باتوں سے ان کا مقصد



یہ تھا کہ لوگوں کو امیر المومنینؑ کی شان و منزلت اور علمی درجہ اچھی طرح معلوم ہو جائے وہ یہ سمجھ لیں کہ اگر اُمت والے امیر المومنینؑ کی باتوں پر کان دھریں، آپ کی نصیحتوں کو گوشِ دل سے سنیں تو انھیں کو فائدہ پہنچے گا ورنہ کیا وجہ تھی کہ میثم نے ابن زیاد کے منہ پر اتنی سخت ست باتیں کہیں جب کہ قتل کئے جانے کا خطرہ پوری طرح سر پر منڈلا رہا تھا۔

میثم جب سولی پر چڑھائے گئے تو انھوں نے امیر المومنینؑ کی طرف دعوت دینے اور آپ کے فضائل و مناقب بیان کرنے کے لئے اس وقت کو بہترین موقع سمجھا ورنہ موت جب سامنے کھڑی ہو تو باتیں کرنا اور کسی طرف دعوت دینا تو درکنار لوگوں کی زبانیں لنگ ہو جاتی ہیں لیکن میثم اس موقع کو ہاتھ سے جانے نہیں دینا چاہتے تھے۔ انھیں اپنی موت کی پروا نہ تھی جب کہ اُن کا مقصد و مراد حق ہو اور اُن کی بازگشت حق کی طرف ہونے والی ہو۔

حق کی طرف یوں دعوت دی جاتی ہے اور دین کی راہ میں اس طرح قربانی پیش کرنے والے اپنی جان کی قربانی دیتے ہیں۔ کیا اب بھی کسی کو اس میں کلام ہو سکتا ہے کہ میثم حق کے بہت بڑے داعی تھے۔

**میثم تمہارے ابن زیاد کو ذلیل کر دیا:**

میثم کو جب بھی موقع ملتا وہ اُن مصائب و شدائد کا تذکرہ کرنے سے باز نہ رہتے جو آگے چل کر انھیں پیش آنے والے تھے۔ حتیٰ کہ انھوں نے جب ابن عباس سے قرآن کی وہ تفسیر بیان کرنا چاہی جو انھوں نے امیر المومنینؑ سے حاصل کی تھی اُس وقت بھی انھوں نے ابن عباس سے اپنی موت اور لوگوں کے اُن مظالم کا تذکرہ کیا جو اُن پر ڈھائے جانے والے تھے۔ جناب اُم سلمہ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے کنیز کو حکم دیا کہ اُن کی داڑھی میں عطر لگائے۔



عطر لگائے جانے پر انھیں یاد آ گیا کہ یہی داڑھی میرے خون سے رنگین ہونے والی ہے۔ انھوں نے جناب ام سلمہ سے اپنی موت کا ذکر کیا۔ حبیب ابن مظاہر سے ملاقات کے موقع پر انھیں بتایا کہ کربلا میں کوفہ و شام والے اُن پر کیا ظلم کرنے والے ہیں۔ امیر المومنینؑ کی زندگی میں بھی اُن کا یہی دستور رہا اور آپ کی شہادت کے بعد بھی وہ درخت خرما کو روز آ نہ آ کر دیکھتے، وہاں عبادت الہی بجا لاتے۔ صرف اس لئے تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ اسی درخت پر انھیں سولی دی جانے والی ہے وہ ابن حریث سے کہا کرتے کہ میں جلد ہی تمہارے پڑوس میں آنے والا ہوں، تم میرے لئے اچھے پڑوسی بننا۔ ان کی بڑی خواہش رہا کرتی کہ جب بھی مناسب موقع ملے امیر المومنینؑ سے سنی ہوئی باتیں لوگوں سے ضرور بیان کر دیں کہ کس طرح مجھے گرفتار کیا جائے گا، مجھے سولی دی جائے گی، مجھ پر خنجر کا وار ہوگا، میرا کام تمام کیا جائے گا۔ اتنی کثرت سے انھوں نے یہ باتیں بیان کیں اور اُن کی بیان کردہ باتوں کا اتنا چرچا ہوا کہ خود ابن زیاد کے دل میں یہ بات بیٹھ گئی۔ کیا میثم ازراہہ حزن و اندوہ اپنی موت کی خبر بیان کیا کرتے۔ ہمارا تو یہی خیال ہے کہ میثم یہ باتیں بیان کر کے حق کا علم سر بلند اور باطل پر حجت قائم کرنا چاہتے تھے۔ اُن کی دلی خواہش یہ تھی کہ لوگوں پر بنی اُمیہ کا ظلم و جور اور اہل ایمان کے ساتھ اُن کی درندگی و شقاوت الم نشرح ہو جائے۔

اُن کا اپنی موت کی خبر بیان کرنا باطل سے جنگ کرنے اور گمراہی سے ٹکر لینے کے مترادف تھا۔

میثم کی نظروں میں صرف حق کا داعی ہونا ہی کافی نہیں تھا۔ اگر باطل سے جنگ بھی نہ ہو۔ وہ فضائل اہل بیتؑ بیان کرنے کے ساتھ ساتھ بنی اُمیہ کی شرم ناکیاں بھی ضرور بیان کرتے اسی لئے ابن زیاد سے لوگوں نے کہا اس (غلام میثم)

نے تمہیں ذلیل و رسوا کر کے رکھ دیا۔

## میثم تمار خبرِ شہادتِ امام حسینؑ سے واقف تھے:

جناب میثم اکثر و بیش تر مواقع پر امام حسینؑ کی شہادت کی خبر بیان کیا کرتے جبکہ کہتے کہتی ہے۔ میں نے میثم تمار کو کہتے سنا:

”خدا کی قسم یہ امت اپنے نبی کے نواسے کو بروزِ عاشورِ محرم شہید کرے گی۔ دشمنانِ خدا روزِ شہادت کو مبارک دن قرار دیں گے۔ ایسا ہو کر رہے گا۔ میرے مولا امیر المومنینؑ مجھے بتا چکے ہیں۔ انھوں نے مجھے یہ بھی بتایا کہ حسینؑ پر ہر چیز گریہ کرے گی یہاں تک کہ وحشی جانور جنگلوں میں، مچھلیاں دریاؤں میں، پرندے فضائے آسمانی میں اُن پر آنسو بہائیں گے، اُن پر چاند سورج، ستارے، آسمان زمین، مومنین، انس و جن اور تمام ملائکہ آسمان و زمین، مالک حاملانِ عرش گریہ کریں گے۔ آسمان سے خون اور راکھ کی بارش ہوگی۔ قاتلانِ حسینؑ پر خداوندِ عالم کی لعنت اُسی طرح لازمی ہوگی جس طرح اُن مشرکین پر جو اللہ کے ساتھ ایک اور معبود قرار دیتے ہیں نیز جس طرح یہود و نصاریٰ اور مجوسیوں کے لئے خدا کی لعنت لازمی ہے۔

جبکہ نے کہا۔ میثم بھلا روزِ شہادت کو لوگ مبارک دن کیسے قرار دیں گے۔ میثم رونے لگے اور کہا اُس کے لئے ایک من گھڑت حدیث بنائی جائے گی جس میں بیان کیا جائے گا کہ اسی عاشورِ محرم کو اللہ تعالیٰ نے آدم کی توبہ قبول کی۔ حالاں کہ اللہ نے آدم کی توبہ ذی الحجہ میں قبول کی تھی۔ اس حدیث میں دعویٰ کیا جائے گا کہ اسی عاشورِ محرم کو اللہ تعالیٰ نے داؤد کی توبہ قبول کی حالاں کہ اللہ نے ذی الحجہ میں داؤد کی توبہ قبول کی۔ اس حدیث میں دعویٰ کیا جائے گا کہ اسی عاشور کو جناب یونس مچھلی کے پیٹ سے برآمد ہوئے حالانکہ وہ ذی الحجہ میں برآمد ہوئے۔ دعویٰ





کیا جائے گا کہ اسی دن کشتی نوح جا کر کوہِ جودی پر ٹھہری حالانکہ کشتی ۱۸ ذی الحج کو ٹھہری تھی۔ اس حدیث میں دعویٰ کیا جائے گا کہ اسی دن اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے لئے دریا شگافۃ کیا حالانکہ ایسا ربیع الاول میں ہوا تھا۔ پھر میثم نے کہا۔ جبکہ یہ سمجھ لو کہ حسینؑ بروزِ قیامت سید الشہداء ہوں گے اور ان کے اصحاب کو تمام شہداء پر فوقیت ہوگی۔

اے جبکہ تب تم سورج کو دیکھنا کہ وہ مثل خون کے سرخ رنگ کا ہے تو سمجھ لینا کہ سید الشہداء شہید ہو گئے۔ جبکہ کہتی ہیں چنانچہ میں ایک دن گھر سے باہر نکلی میں نے دیوار پر دھوپ دیکھی۔ معلوم ہوتا تھا سرخ رنگ کی چادر ہے میں چیخنے چلانے اور رونے لگی اور کہا کہ خدا کی قسم ہمارے سید و آقا حسین بن علیؑ شہید ہو گئے

(”میثم تمہارا“ علامہ عبدالرزاق)

میثم کا یہ بیان صرف خبرِ شہادت ہی پر مشتمل نہیں بلکہ یہ بہت سی باتوں کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے اس میں جبکہ کو اس بات کی آگاہی بھی تھی کہ تمہاری زندگی ہی میں حسینؑ شہید ہوں گے۔

یہ سنائی پیغمبر خداؐ نے بھی سنائی اور اہل بیت طاہرینؑ کے ان فردوں نے بھی جو حسینؑ سے پہلے گزرے بلکہ ماسبق کے انبیاء و مرسلین نے بھی اپنے اپنے زمانے میں یہ سنائی سنائی تھی۔

**میثم تمہارے قاتل ابن زیاد:**

امیر المومنینؑ کی شہادت کے بعد شیعہ بیان امیر المومنینؑ کو جن ہولناک مصائب و آلام میں مبتلا ہونا پڑا وہ سبھی کو معلوم ہے کتنوں ہی کے سر اور کتنوں ہی کے ہاتھ پیر کاٹے گئے۔ ان کے خون کی ندی ہمیشہ بہتی رہی۔ میثم چونکہ امیر المومنینؑ کے مخصوص صحابی اور عزیز ترین شاگرد تھے اس لئے انھیں سب سے پہلے معاویہ اور



زیادہ کے چنگل میں پڑنا چاہیے تھا لیکن معاویہ اور زیادہ کو موت نے مہلت نہیں دی اور میثم ان دونوں کے ہاتھوں سے محفوظ رہے۔

امیر المومنینؑ نے میثم کو بتا دیا تھا کہ تمہارا قاتل ابن زیاد ہوگا۔ ایک مرتبہ امیر المومنینؑ نے میثم سے فرمایا۔ تمہارا کیا حال ہوگا اُس دن جب کی بنی امیہ کی طرف غلط طور پر منسوب عبید اللہ ابن زیاد تمہیں مجبور کرے گا کہ مجھ سے اظہار بے زاری کرو میثم نے کہا۔ لا واللہ میں ہرگز ایسا نہیں کروں گا۔ امیر المومنینؑ نے فرمایا تو وہ تمہیں قتل کر ڈالے گا اور سُولی پر چڑھا دے گا۔ میثم نے کہا اُس پر میں صبر کروں گا اور یہ تو راہِ خدا میں بہت معمولی بات ہے۔

ایک مرتبہ امیر المومنینؑ نے میثم کو بتایا کہ تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا جانے والا ہے۔ میثم نے پوچھا۔ امیر المومنینؑ یہ سلوک میرے ساتھ کون کرے گا۔ آپ نے فرمایا۔ مُخلّ زَیْم بدکار لونڈی کا فرزند عبید اللہ ابن زیاد تمہیں گرفتار کرے گا۔ حسبِ ارشاد امیر المومنینؑ میثم معاویہ اور زیادہ کے ظلم و تعدی سے محفوظ رہے اور ابن زیاد کا چنگل اُن پر گڑ گیا۔ امیر المومنینؑ کے بتانے کی وجہ سے میثم کو پوری طرح اس بات کا یقین تھا کہ میرا قاتل ابن زیاد ہوگا۔

یہی وجہ تھی کہ میثم جب بھی اُس سے ملتے اُسے کھری کھری کہہ ڈالتے۔

**میثم تمہارا دشمن عمرو بن حریش سخت دشمنِ علیؑ تھا:**

امیر المومنینؑ نے میثم کو اُن تمام مصائب و شدائد کی تفصیل بتادی تھی جو انھیں پیش آنے والے تھے۔ آپ نے انھیں یہ بھی بتایا تھا کہ تمہیں عمرو بن حریش کے دروازے پر سُولی دی جائے گی چنانچہ جب میثم کی ملاقات عمرو بن حریش سے ہوتی تو میثم کہا کرتے۔ میں جلد ہی تمہارے پڑوس میں آنے والا ہوں، ہمسائیگی کا حق اچھی طرح ادا کرنا۔ عمرو اُن کی بات سمجھ نہیں پاتا۔ وہ پوچھا کرتا کیا

تم ابن مسعود کا گھر خریدنا چاہتے ہو یا ابن عم کا گھر۔  
 لیکن اسی عمرو بن حریت نے ہمسائیگی کا ذرا بھی پاس و لحاظ نہیں کیا۔ جب میثم  
 کو درخت خرما پر لٹکا یا گیا تو اسی عمرو کا ادھر سے گزر ہوا۔ دیکھا میثم ٹھولی پر  
 چڑھے ہوئے لوگوں سے اہل بیتؑ اور امیر المومنینؑ کے فضائل اور بنی امیہ کی  
 ذلت و خواری اور ان کے عیوب الم نشر کر رہے ہیں ابن زیاد کے پاس دوڑا ہوا  
 گیا۔ خدا آپ کا بھلا کرے جلدی کیجئے میثم کی زبان کٹوا ڈالئے مجھے پورا ڈر  
 ہے کہ کوفے والوں کے دل بدل جائیں گے اور وہ آپ کے خلاف اٹھ کھڑے  
 ہوں گے۔ ابن زیاد نے اپنے سپاہی سے کہا جاؤ اور میثم کی زبان کاٹ ڈالو۔  
 بلکہ اسی عمرو بن حریت نے ابن زیاد کو میثم کے خلاف بھڑکایا۔ ان کے قتل پر  
 برا بیچنے کیا تھا۔ جب میثم اپنے ساتھیوں کے ساتھ ابن زیاد کے پاس آئے عمرو  
 نے کہا تھا خدا امیر کا بھلا کرے۔ آپ پہچانتے ہیں یہ کون آپ سے ہم کلام  
 ہے۔ ابن زیاد نے کہا یہ کون ہیں؟ عمرو نے کہا یہ میثم کذاب ہیں، ابن زیاد سنبھل  
 کر بیٹھ گیا۔ میثم سے پوچھا یہ عمرو کیا کہہ رہا ہے میثم نے کہا یہ شخص جھوٹا ہے میں خود  
 بھی سچا ہوں میرے آقا امیر المومنینؑ بھی سچے تھے۔

## فضائل اہل بیتؑ:

میثمؑ اور انھیں جیسے دوسرے جاں نثارانِ اہل بیتؑ نے جتنے بھی مظالم و  
 مصائب جھیلے محض اس جرم میں جھیلے کہ وہ دل سے اہل بیتؑ کے چاہنے والے  
 تھے ان کی محبت ان کی رگ و پے میں سرایت کئے ہوئے تھی۔ وہ ان کے خیر خواہ  
 اور مخلص تھے۔ ان کی یہ محبت و اخلاص کسی جنبہ داری یا قربت کی بنا پر نہ تھی۔ میثمؑ  
 عجم کے رہنے والے تھے اور اہل بیتؑ طاہرینِ حجاز کے باشندے۔ ان کی محبت و  
 موڈت محض خدا و رسولؐ کی تعمیل حکم میں تھی۔ خدا و رسولؐ نے اہل بیتؑ پیغمبرؐ سے



محبت رکھنے اور ان کی پیروی کرنے اور ان کے دامن سے متمسک ہونے کا حکم دیا تھا۔ ہر شخص کا فریضہ ہے کہ خدا اور رسولؐ کے حکم کی پابندی کرے اور جب اُس کی محبت محض خوشنودی خدا کے لئے اور راہِ خدا میں ہو تو یہ بھی ضروری ہے کہ کسی حال میں اس محبت سے روگردانی اور انحراف نہ ہونے پائے۔

میثم کا اللہ اور اپنی خوش انجامی پر یقین انھیں مجبور کرتا تھا کہ جودل میں ہے وہ زبان سے بھی ظاہر ہوا اور بہ بانگِ دہل اپنے عقیدے کا اعلان کریں۔ تَقِیْہُ اُن کے لئے فائدہ مند بھی نہ تھا کیونکہ اُن کی حقیقت و کیفیت دشمن پر پوری طرح ظاہر تھی۔ پھر قضائے الہی نافذ ہو چکی تھی اور اُس کو کوئی رد کرنے والا نہیں تھا اسی لئے وہ موت کی آغوش میں پہنچ جانے کے بعد فضائلِ اہل بیتؑ بیان کرتے ہیں۔ بجائے اس کے کہ سُولی پر چڑھتے وقت اُن پر خوف و دہشت کا غلبہ ہوتا اُنھوں نے سُولی چڑھائے جانے کو غنیمت سمجھا تا کہ اُس درختِ خرما کو اپنی تقریر کے لئے منبر بنا سکیں۔ اُنھوں نے بآواز بلند لوگوں کو مخاطب کر کے کہا:

”جس شخص کو علی ابن ابی طالبؑ کے مخفی رُموز و اسرار سُنتا ہوں وہ مجھ سے میرے قتل کئے جانے سے پہلے اُن لے۔ خدا کی قسم میں تمہیں قیامت تک پیش آنے والے واقعات اور رُونا ہونے والے فتنے بتا سکتا ہوں اس کے ساتھ اُنھوں نے فضائلِ بنی ہاشم بیان کرنا شروع کئے۔

ہم نہیں کہہ سکتے کہ دونوں باتوں میں سے کون سی بات زیادہ تعجب خیز تھی۔ کیا ٹھیک سُولی دیئے جانے کے وقت اُن کا ایسا ثبات و استقلال اور ایسی قوتِ قلب کا مظاہرہ کہ معلوم ہوتا تھا وہ قتل کئے جانے کے لئے سُولی پر نہیں چڑھائے گئے ہیں بلکہ تقریر کرنے کے لئے یا اُن کا بے پناہ علم اور قیامت تک ہونے والے واقعات سے آگاہی لیکن واقعہ یہ ہے کہ جو شخص میثم اور اُن کی نفسیات کو اچھی



طرح جانتا ہے اور اُسے اندازہ ہے کہ امیر المومنینؑ سے اُنھوں نے کتنے علم حاصل کر رکھے تھے وہ ان دونوں باتوں میں سے کسی ایک بات پر بھی تعجب نہیں کرے گا۔ جس شخص کے لئے چیزوں کی حقیقت و ماہیت بے نقاب ہوگی اُسے موت کی کوئی پروا نہ ہوگی اور موت کی پروا اُسے ہو بھی کیسے سکتی ہے جب کہ موت کے بعد کی منزلیں اُس پر پوری طرح روشن ہوں بلکہ اُس کی دلی خواہش تو یہی ہو گی کہ جلد ہی اس دنیا اور اس کی کشاف و گندگی سے نجات ملے۔

**میثم تمار نے بنی اُمیہ کے مظالم بیان کیے:**

اہل بیت طاہرینؑ کا دشمنانِ اہل بیتؑ کے نزدیک کوئی قصور نہیں تھا سوا اس کے کہ خداوند عالم نے اُنھیں تمام فضائل و کمالات کا مجموعہ بنا کر خلق کیا تھا اور صاحبِ فضیلت انسان سے لوگ جلا کرتے ہیں۔ "امہ یحسدون الناس علی ما اتاہم اللہ من فضلہ" کیا لوگ ان لوگوں سے محض اس وجہ سے حسد کرتے ہیں کہ خداوند عالم نے اُنھیں فضیلتوں سے سرفراز کیا ہے۔ معمولی عقل والا انسان بھی یہ سمجھ سکتا ہے کہ اگر اہل بیتؑ کے فضائل دنیا والوں کو معلوم ہو جائیں تو اُن کے دشمنوں کا کوئی ٹھکانہ نہ رہے۔ اُن کا اقتدار اور لوگوں پر حکومت خاک میں مل جائے یہی وجہ تھی کہ دشمنانِ اہل بیتؑ فضائلِ اہل بیتؑ چھپانے کے لئے اپنی تمام توانائیاں صرف کیا کئے۔ وہ میثم کو سولی پر چڑھا دیتے ہیں۔ میثم با آواز بلند لوگوں سے کہتے ہیں آؤ آکر مجھ سے وہ حدیثیں سنو جو عام طور پر لوگوں کو معلوم نہیں اُن کے گرد لوگوں کی بھیڑ لگ جاتی ہے۔ سارا مجمع گوش بر آواز ہے وہ اہل بیتؑ کے فضائل اور بنی اُمیہ کی بُرائیاں بیان کرنا شروع کرتے ہیں، بنی اُمیہ کے حوالی موالی کا ادھر سے گزر رہا ہوتا ہے۔ میثم پورے جوش و ولولہ سے تقریر اور وعظ و نصیحت میں مصروف ہیں۔ اُن کا ایک ایک لفظ بنی اُمیہ کے سینوں پر خنجر و



شیشیر کا کام کر رہا ہے۔ اتنے میں کوئی شخص جا کر ابن زیاد سے کہتا ہے کہ اس غلام (یعنی میثم تمار) نے تو تمہیں رسوا کر دیا۔ عمرو بن حرث کا اُدھر سے گزر ہوتا ہے۔ وہ بھیڑ دیکھ کر واقعہ دریافت کرتا ہے۔ اُسے بتایا جاتا ہے کہ میثم تمار علی کی حدیثیں بیان کر رہے ہیں۔ وہ دوڑا ہوا ابن زیاد کے پاس پہنچتا ہے:

”عالی جاہ! جلدی کسی کو بھیج کر میثم کی زبان کٹوا ڈالے مجھے پورا اندیشہ ہے کہ کہیں لوگوں کے دل بدل نہ جائیں اور وہ آپ کے خلاف علم بغاوت نہ بلند کر دیں۔“

ابن حرث نے ابن زیاد کی واقعی خیر خواہی کی تھی۔ فضائل اہل بیت ہی آلِ ابوسفیان کو رسوا کرنے کے لئے کافی تھے چہ جائے کہ فضائل اہل بیت کے ساتھ ساتھ میثم بنی اُمیہ کے عیب اور اُن کی شرم ناکیاں بھی بیان کر رہے تھے۔ علی کے فضائل اور الم نشرح ہو جانے پر لوگوں میں انقلاب پیدا ہو جانا ناممکن بات نہ تھی۔ یہی شعور و احساس دشمنانِ اہل بیت پر اول روز سے طاری رہا۔ ابن زیاد کو عمرو بن حرث کی نصیحت کی ضرورت نہ تھی وہ تو یہی شعور و احساس لے کر پیدا ہوا تھا۔

لیکن ابن حرث کو بہر حال علی کی دشمنی ظاہر کرنا تھی۔

**میثم تمار نے تقیہ نہیں کیا:**

تقیہ اہل بیت کا مذہب رہا ہے۔ تقیہ ہی کے ذریعے دوست دارانِ اہل بیت کی جانیں محفوظ رہیں اور اُن کے مذہب کو اتنا فروغ ہوا کہ آج دنیا کا کوئی حصہ ایسا نہیں جہاں پیروانِ اہل بیت موجود نہ ہوں۔ اس تقیہ پر عقلی دلیلیں بھی قائم ہیں اور نقلی دلیلیں بھی کتاب و سنت دونوں اس کو ثابت کرتی ہیں۔

اس صورت میں سوال کیا جاسکتا ہے کہ جب تقیہ اہل بیت کا دین و مذہب رہا تو پھر میثم نے بھی کیوں نہیں تقیہ کیا۔ میثم اہل بیت کے احکام پر عمل کرنے کے سب سے زیادہ سزاوار تھے۔ وہ تقیہ کے حکم پر عمل کر کے آسانی سے اپنی جان

بچا سکتے تھے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ائمہ معصومین میں سب سے پہلے جس شخص نے تقیہ پر عمل کیا وہ امیر المومنینؑ ہیں بلکہ آپ نے اپنے لئے اُس کو لازم کر لیا تھا۔ حد تو یہ ہے کہ آپ نے اپنی حکومت کے زمانے میں بھی اس تقیہ سے کام لیا لہذا چاہئے تو یہی تھا کہ آپ کے اصحاب جو آپ کے پیرو اور آپ کے نقش قدم پر چلنے والے تھے، آپ کے مقررین اور مخصوصین، جو آپ کے مخفی رموز و اسرار کے حامل تھے تقیہ کے حجاب سے کام لیتے تاکہ دشمنوں کے ظلم و تعدی اور اُن کی ایذا رسانیوں سے اُن کی جان محفوظ رہتی۔ اور وہ اپنی جان ہلاکت میں نہیں ڈالتے لیکن وہ اسباب جن کی بنا پر بیستم تقیہ نہیں کر سکے کئی ایک تھے۔

پہلا سبب تو یہ ہے کہ امیر المومنینؑ کے زمانہ حکومت نے آپ کے دوستوں کو اس کا موقع فراہم کیا کہ حق کی حمایت کے لئے کھل کر میدان میں اتر آئیں۔ زبان سے بھی حق کی حمایت کریں اور نیزہ و شمشیر سے بھی۔ جس شخص نے حق کی حمایت اور دفاع میں سرگرمی سے حصہ لیا۔ اُس کی مودت اور محبت اور اہل بیت سے وابستگی پوری طرح عالم آشکار ہو گئی اور جب زمانے نے امام حسنؑ سے خیانت کی معاویہ مملکت اسلامیہ کے مالک بن بیٹھے تو اُن کی جان توڑ کوشش اس بات کی رہی کہ اسلام و پیغمبر اسلام اور امیر المومنینؑ سے گن گن کر بدلہ لیں۔ اگر وہ بدلہ نہ لیتے اور اہل بیتؑ اور دوست داران اہل بیتؑ پر اپنی تلوار نہ اٹھاتے تو اُن کے کلیجے کی بھڑکتی ہوئی آگ کیسے ٹھنڈی ہوتی۔ ظاہر ہے کہ معاویہ جانثاران امیر المومنینؑ سے پوری طرح آگاہ رہا ہوگا۔ یہ لوگ کوفے کے نمودار اور سربرآوردہ افراد تھے صفین میں ان لوگوں نے جو خدمات انجام دی تھیں معاویہ کے دل پر پتھر کی لکیر بنے ہوئی تھیں، اُن کی چلتی ہوئی تلواریں، چمکتے ہوئے



نیز دیکھ کر کتنے کڑوے گھونٹ اُسے پینا پڑے تھے اب ممالک اسلامیہ پر پوری طرح قابض ہو جانے کے بعد اُس کے لئے موقع تھا کہ وہ ایک ایک سے انتقام لے اور سب کو موت کے گھاٹ اتارے۔ اُس وقت اگر جاں نثارانِ امیر المومنین تقیہ بھی کرتے تو انھیں کیا فائدہ ہوتا۔ معاویہ تو ایک ایک شخص کو پہچانتا تھا۔ یہ بات حیرت کی نہیں کہ معاویہ نے ان جاں نثاروں میں سے کسی کو قتل کیا، کسی کو سولی پر چڑھایا، کسی کو قید خانہ میں ڈالا۔ حیرت کی بات تو یہ ہے کہ میثم اور تھوڑے بہت جاں نثارانِ امیر المومنین اُس کے ہاتھوں سے بچ کیسے رہے۔ معاویہ نے ان منتخب روزگار جاں نثارانِ امیر المومنین پر کیسے کیسے مظالم ڈھائے آپ اس سے ناواقف نہیں کہ ہم ان مظالم کا تذکرہ آپ کے سامنے ضروری سمجھیں۔ ہم امام مظلوم کے خط کا صرف ایک فقرہ یہاں ذکر کرنا چاہتے ہیں جو آپ نے معاویہ کو لکھا تھا۔ اُسی فقرے سے اندازہ ہو جائے گا کہ معاویہ نے دوست دارانِ امیر المومنین کو کس کس طرح نیست و نابود کیا تھا۔

امام مظلوم نے معاویہ کے اس ظلم و تعدی کا جو حجر بن عدی اور اُن کے اصحاب، عمرو بن حنظل اور اُن کے ساتھیوں کے ساتھ روا رکھا گیا ذکر کرنے کے بعد تحریر کیا تھا۔

”پھر تم نے زیاد کو لکھا کہ وہ ہر اُس شخص کو قتل کر ڈالے جسے علیؑ کے دین پر پائے۔ زیاد نے تمہارے ہی حکم سے انھیں قتل کیا اُن کے ہاتھ پیر کاٹے۔“

اسی سلسلے میں آپ نے لکھا۔ ”تم نے یہ سارے مظالم اُن لوگوں پر صرف اس وجہ سے کئے کہ یہ ہمارے حق کا تذکرہ کیا کرتے اور ہمارے حق کی عظمت و اہمیت سے واقف تھے۔“ (رجال کشی، حالات عمرو بن حنظل)

ایسی صورت میں ان جاں نثارانِ امیر المومنین کو تقیہ سے فائدہ ہی کیا ہوتا۔





معاویہ حاکم وقت تھا زیاد اُن کا دایاں بازو تھا۔ زیاد اُن جاں نثارانِ امیر المومنینؑ میں سے ایک ایک کو بخوبی پہچانتا تھا۔ کیوں کہ پہلے وہ بھی امیر المومنینؑ ہی کے آدمیوں میں سے تھا۔

دوسرا سبب یہ کہ امیر المومنینؑ اچھی طرح جانتے تھے کہ میرے بعد معاویہ میرے مخلص اصحاب پر کیسے کیسے مظالم ڈھائیں گے۔ آپ نے اپنے بہت سے اصحاب کو بتا بھی دیا تھا کہ تم پر کیا افتاد پڑنے والی ہے۔ آپ نے انھیں اجازت دے دی تھی کہ اگر تمہیں مجبور کیا جائے کہ ہمیں گالیاں دو تو دے لینا اس طرح ہماری پاکیزگی بڑھے گی اور تمہیں نجات مل جائے گی لیکن اگر ہم سے بے زاری کا اظہار کرنے پر تمہیں مجبور کیا جائے تو ہرگز ایسا نہ کرنا۔ معاویہ اور اُس کے کارپرداز جب امیر المومنینؑ کے کسی مشہور صحابی کو گرفتار کرتے تو خاص کر انھیں اسی بات پر مجبور کرتے کہ وہ امیر المومنینؑ سے اظہارِ بے زاری کریں۔ ابن زیاد نے بھی میثم کو مٹولی دیئے جانے سے پہلے اسی پر مجبور کیا تھا اور اُن کے لئے دو ہی راہیں رہ گئی تھیں یا تو جان دینا گوارہ کریں یا اپنے دین کو خیر باد کہیں اور میثم سب کچھ کر سکتے تھے مگر اپنے دین کو ہاتھ سے ہرگز نہیں جانے دے سکتے تھے۔

تیسرا سبب یہ کہ تقیہ کے بھی کچھ شرائط ہیں۔ اگر شرائط نہ موجود ہوں گے تو تقیہ بھی جائز نہیں اسی لئے امام محمد باقر علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ہے کہ تقیہ جان بچانے کے لئے ہے لیکن اگر جان بہر حال جانے والی ہو تو پھر تقیہ کی گنجائش نہیں۔ (کافی باب التقیہ)

اور میثم کے متعلق ہم پہلے ہی بیان کر چکے ہیں کہ ان کا قتل کیا جانا یقینی ہو چکا تھا۔ ابنِ حریت اور دوسرے لوگوں نے ابنِ زیاد کے اچھی طرح کان بھرے تھے اور میثم کے قتل کی ترغیب دلائی تھی۔ وہ اُس وقت تقیہ کرتے بھی تو کیا فائدہ



ہوتا موت تو یقینی تھی۔

چوتھا سبب یہ کہ دین جان سے زیادہ قیمتی ہے اگر جان کی قربانی پیش کرنے ہی پر دین کی حفاظت اور حق کی اشاعت موقوف ہو تو اس وقت تقیہ کا مکمل نہیں۔ آخر اسلام نے جہاد کس لئے واجب کیا تھا جب کہ اس میں خوں ریزی لازمی چیز ہے اور کس لئے امام حسینؑ نے اپنے اور اپنے منتخب اصحاب کو قربان کیا جب کہ آپ بخوبی جانتے تھے کہ مجھے بھی قتل ہونا ہے اور میرے اصحاب کو بھی۔ یہ بھی جانتے تھے کہ ہم بنی اُمیہ سے ٹکر لینے کی تدبیر نہیں رکھتے، کیا یہ سب کچھ دین ہی کی خاطر نہیں تھا اور کیا دین جان سے زیادہ قیمتی چیز نہیں جب کہ دین والوں کو معلوم ہو جاتا ہے کہ دین ہم سے قربانی کا خواہاں ہے تو اُس وقت تقیہ کا مکمل نہیں نہ آنکھیں بند کی جاسکتی ہیں نہ سستی کی جاسکتی ہے نہ قدم پیچھے ہٹایا جاسکتا ہے۔

پانچواں سبب یہ ہے کہ امیر المومنینؑ نے بارہا میثمؑ کو ان مصائب و آفات سے آگاہ کیا تھا جن کا وہ سامنا کرنے والے تھے اور یہ بھی بتا دیا تھا کہ یہ مصیبتیں اٹھا کر جنت حاصل کرو گے لہذا اُس وقت اگر وہ تقیہ کر کے اپنی جان بچانے کی کوشش کرتے تو معاملہ برعکس ہوتا۔ تقیہ اُن پر واجب بھی کیوں کر ہوتا جب کہ اہل بیتؑ کا حق اور بنی اُمیہ کا ظلم و جور انھیں نفوس کے ذریعے ظاہر ہوا جو بے جرم و خطا محض ازراہ ظلم و عددان موت کے گھاٹ اترے۔

ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ میثمؑ اس بارے میں مختار و آزاد رہے ہوں کہ چاہیں تو اپنی جان بچانے کے لئے تقیہ کریں چاہے دین کی نصرت کی خاطر اعلانِ حق کر کے اپنی جان کی قربانی کریں۔ میثمؑ جیسے عالم دین و خیر انسان پر یہ بات پوشیدہ نہیں رہی ہوگی کہ اُن کی تکلیف کیا ہے اور اس نازک وقت میں ہمیں کیا کرنا زیادہ مناسب ہوگا۔



جو شخص تنزیل قرآن اور اُس کی تاویل سے آگاہ ہو وہ تقیہ کے حکم سے ہرگز ناواقف نہیں رہا ہوگا۔ امیر المومنین اگر سمجھتے ہوتے کہ میثم کے لئے تقیہ کرنا واجب ہے تو آپ یقیناً انھیں تقیہ کی وصیت کئے ہوتے مگر آپ نے نہ تقیہ کرنے کا حکم دیا نہ تقیہ کرنے سے منع کیا کیوں کہ آپ اچھی طرح جانتے تھے کہ تقیہ کے بارے میں جو حکم ہے میثم اُس سے ناواقف نہیں۔ کب تقیہ سودمند ہوگا کب نہیں انھیں اچھی طرح معلوم ہے۔ میثم تقیہ پر کیوں عمل کرتے جب کہ ابن زیاد انھیں علیؑ سے اظہارِ برأت کرنے پر مجبور کر رہا تھا اُن کے لئے دو ہی صورتیں رہ گئی تھیں یا تو وہ حق پر جان دے دیں یا گمراہی پر زندہ رہیں۔

### میثم تمہارے سچی حدیثیں بیان کیں:

علمائے رجال کا دستور ہے کہ وہ اُسی راوی کو ثقہ قرار دیتے ہیں جس کے ثقہ ہونے کی دو عادل گواہی دیں۔ میثم کی شان اُس سے کہیں ارفع و اعلیٰ تھی کہ اس دستور کی پابندی اُن کے لئے بھی ضروری سمجھی جائے۔ وہ حدودِ عدالت و وثاقت سے کہیں آگے تھے۔ وہ امیر المومنینؑ کے علم کے خزینہ داروں میں سے تھے۔ اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ بابِ مدینۃ العلم امیر المومنینؑ انھیں اسرارِ علوم اور غوامض و رموز کی تعلیم دیا کرتے۔ جس شخص کا سینہ مخفی علوم اور سر کنون اپنے اندر محفوظ رکھنے کی صلاحیت رکھتا ہو اُس کی شان اس سے بلند ہے کہ مکر درجے کے لوگ جو علم اور عزت و شرف میں اُس کے برابر کے نہ ہوں انھیں ثقہ قرار دیں۔ میثم اُن علمائے حدیث میں سے تھے جن سے علم حاصل کیا جاتا تھا۔ صالح بن میثم نے امام محمد باقرؑ سے درخواست کی کہ آپ مجھے حدیث کی تعلیم دیجئے۔ آپ نے پوچھا کیا تم نے اپنے باپ سے حدیثیں نہیں سنیں۔ صالح بن میثم نے کہا۔ نہیں میں اُس وقت بہت کسن تھا۔ امام محمد باقرؑ کا یہ فقرہ حدیث میں میثم کی بلندی



منزلت ہی کو صرف ظاہر نہیں کرتا بلکہ بتاتا ہے وہ اتنے احادیث کے حامل تھے کہ اُن سے اخذ حدیث کرنے والے کو پھر کسی سے حدیث حاصل کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

## میثم تمار کی کتابیں:

میثم کی کئی کتابیں ایسی تھیں جن کی روایت اُن کے اخلاف کیا کرتے البتہ ارباب رجال نے ان کتابوں کا نام نہیں ذکر کیا نہ یہ بتایا کہ وہ کس علم میں تھیں۔ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ اُنھوں نے تفسیر قرآن اور علم منایا و البلا یا امیر المومنین سے حاصل کیا تھا اس لئے بہت ممکن ہے کہ وہ کتابیں انھیں علوم پر مشتمل رہی ہوں۔ میثم اور انھیں جیسے دیگر صاحبان علم کی تصانیف کا ضائع و برباد ہو جانا علوم و فنون سے افسوسناک محرومی ہے۔

## میثم تمار کی شہادت:

خداوند عالم کی یہی مرضی تھی کہ میثم جیسے منتخب روزگار افراد اپنے بستر پر جان نہ دیں۔ جب تک زمین اُن کے خون سے سیراب نہ ہو یا اُن کے جسموں کو سولی پر نہ چڑھایا جائے۔ کاش اُن کا مرنا ایک ہی مرتبہ کا ہوتا چاہے سولی پر چڑھ کر یا تلوار سے ذبح ہو کر تا کہ دنیا کی اس ذلیل دُخوار زندگی سے اُن کو فوری نجات مل جاتی مگر اُن لوگوں کی قسمت میں تو گھٹ گھٹ کر مرنا اور سسک سسک کر دم توڑنا لکھا ہوا تھا۔

میثم اُن مصائب و آفات کا برابر تذکرہ کیا کرتے جو انھیں ابن زیاد کی طرف سے پیش آنے والے تھے۔ انھیں ایک ایک افتاد کا علم تھا حتیٰ کہ وہ اس دن سے بھی واقف تھے جس دن انھیں سولی پر لٹکایا جانے والا تھا اُس دن کو بھی پہچانتے



تھے جس پر انھیں سولی دی جانے والی تھی۔ وہ اُس دن کے برابر منتظر رہے۔ میثم حج کے لئے جاتے ہیں۔ جناب اُم سلمہ زوجہ پیغمبرؐ سے ملاقات ہوئی اُم سلمہ نے پیغمبر خداؐ سے ان کے بارے میں جو سُن رکھا تھا وہ سب بیان کیا۔ ان باتوں کا امیر المومنینؑ کے ذریعہ میثم کو بھی پہلے ہی سے علم تھا۔ میثم نے اُم سلمہ سے امام حسینؑ کے متعلق دریافت کیا۔ اُم سلمہ نے بتایا کہ وہ مدینہ کے اطراف میں کہیں گئے ہوئے ہیں۔ جناب اُم سلمہ نے بتایا کہ امام حسینؑ تمہیں بڑی اہمیت دیتے ہیں اور برابر یاد کرتے رہتے ہیں۔ میثم نے کہا میں بھی انھیں ہر وقت یاد رکھتا ہوں۔ آپ اُن سے میرا سلام کہیے گا۔ میثم نے کہا ہم اور وہ جلد ہی خدا کی بارگاہ میں ایک دوسرے سے ملاقات کریں گے۔ میثم کا مطلب یہ تھا کہ ہم دونوں کی زندگی کے دن پورے ہو چکے ہیں۔ چنانچہ ہوا بھی ایسا ہی اور بیس روز آگے پیچھے دونوں کی شہادتیں ہوئیں۔ جب اُم سلمہ نے کنیز کو حکم دیا کہ میثم کی داڑھی میں عطر لگا دے۔ میثم نے کہا عنقریب یہی داڑھی نبیل اہل بیتؑ میں خون سے رنگین ہوگی۔ اُم سلمہ نے پوچھا یہ تمہیں کیسے معلوم ہوا۔ میثم نے کہا میرے سید و آقا مجھے بتا گئے ہیں۔ جناب اُم سلمہ رونے لگیں اور فرمایا، بس تمہارے ہی سید و آقا نہ تھے بلکہ ہمارے اور تمام مسلمانوں کے بھی سید و آقا تھے۔

حج و عمرہ بجالا کر میثم کو فے واپس ہوئے۔ اُن کی قوم کا نمبر دار راستہ میں ملا۔ وہ سو سپاہیوں کے ساتھ اُن کی راہ دیکھ رہا تھا۔ ابن زیاد نے اس نمبر دار کو تائید کی تھی کہ جس طرح بھی ہو میثم کو پکڑ کر میرے پاس لاؤ۔ اگر نہ لاؤ گے تو تمہاری جان کی خیر نہیں۔ میثم ابھی اپنے گھر والوں سے ملنے نہ پائے تھے کہ نمبر دار نے انھیں گرفتار کر لیا۔ میثم اس نمبر دار کو بھی بہت پہلے خبر دے چکے تھے کہ عنقریب تم میرے ساتھ یہ سلوک کرنے والے ہو۔



ایک اکیلے میٹم کی گرفتاری کے لئے ابن زیاد کا اتنا اہتمام کہ سو سپاہی اس کے لئے متعین کئے جائیں۔ انتہائی حیرت کی بات ہے کہ میٹم انتہائی سن رسیدہ اور کمزور و ناتواں انسان تھے۔ زہد و عبادت کی وجہ سے جسم کی کھال تک سوکھ چکی تھی۔ کونے میں اُن کا قبیلہ اور خاندان والے بھی نہ تھے۔ ابن زیاد جابر و قاہر حاکم تھا اُس کے اور میٹم کے درمیان حائل بھی ہونے والا کون تھا اسی بات سے اندازہ ہوتا ہے میٹم کونے میں بے یار و مددگار نہ تھے۔ انھیں ایسی اہمیت ضرور حاصل تھی جس کی وجہ سے ابن زیاد کو اندیشہ ہوا کہ کہیں کچھ لوگ اُن کی حمایت پر کھڑے نہ ہو جائیں اور حکومت کے ملازمین کے ہاتھوں سے میٹم کو چھین نہ لیں۔ پھر اُس وقت کونے کے باشندوں کو امام حسینؑ کی تشریف آوری کا انتظار بھی تھا۔ اندر ہی اندر لاوا پک رہا تھا۔ اگرچہ جناب مسلمؑ کی شہادت کے بعد ابن زیاد نے شیعوں کو چُن چُن کر قید خانے میں ڈال دیا تھا۔ معززین شیعہ کی گرفتاریوں کا برابر سلسلہ جاری تھا اس ڈر سے کہ کہیں امام حسینؑ کے آجانے پر یہ لوگ بغاوت نہ کر دیں۔

جب نمبر دار میٹم کو لے کر ابن زیاد کے پاس پہنچا تو کہا یہ میٹم (امیر المومنینؑ) کے بہت نزدیکی اور محبوب صحابی ہیں۔ ابن زیاد نے کہا۔ ”ارے یہ عجی شخص!“ روایتوں میں یہ بھی ملتا ہے کہ بازار کے دوکانداروں نے میٹم سے کہا۔ ہمارے ساتھ ابن زیاد کے پاس چلو تا کہ ہم بازار کے انسپکٹر کی اُس سے شکایت کریں اور اُس پر زور دیں کہ اس کو بدل کر دوسرا آدمی بھیجا جائے۔ ان دوکانداروں کے ترجمان یہی میٹم تھے۔ ابن زیاد نے اُن کی باتیں توجہ سے سنیں اور اُن کی گفتگو اُسے پسند آئی۔ عمرو بن حریش نے کہا۔ خدا امیر کا بھلا کرے آپ جانتے ہیں یہ کون شخص ہیں۔ ابن زیاد نے کہا کون ہیں؟ کہا میٹم کذاب



غلام علی (معاذ اللہ) کذاب ہیں۔ ابن زیاد سنبھل کر بیٹھ گیا۔ میثم سے کہا یہ عمرو کیا کہہ رہا ہے۔ میثم نے کہا یہ جھوٹا ہے۔ میں بھی سچا اور میرے آقا علی ابن ابی طالب بھی سچے تھے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ میثم و مختار اور شیعوں کی بہت بڑی تعداد کو جناب مسلم وہابی کی شہادت کے بعد ابن زیاد نے قید خانے میں ڈال رکھا تھا۔ بہت ممکن ہے کہ حج عمرہ سے کوفے واپس آنے پر میثم قید کئے گئے ہوں (جیسا کہ اُن کے فرزند صالح کا کہنا ہے کہ میرے باپ کو حج سے واپس ہوئے دو ہی دن ہوئے تھے کہ ابن زیاد نے اُنھیں گرفتار کر لیا)۔ میثم نے قید خانے میں مختار سے کہا۔ تم بچ نکلو گے اور طالب انتقام حسین ہو گے۔ تم اس جابر و ظالم کو قتل کرو گے جس نے ہمیں قید کر رکھا ہے تم اپنے قدموں سے اُس کی پیشانی روندو گے۔ میثم نے جیسا کہا تھا ویسا ہی ہوا۔ جب ابن زیاد نے مختار کو قتل کرنے کے لئے قید خانہ سے طلب کیا ٹھیک اُسی وقت قاصد یزید ابن زیاد کے پاس پہنچا جس میں اُس نے حکم دیا تھا کہ مختار کو رہا کر دو۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ مختار کی بہن عبداللہ ابن عمر بن خطاب سے بیاہی ہوئی تھی۔ بہن نے عبداللہ ابن عمر سے کہا۔ اُنھوں نے یزید سے سفارش کی۔ یزید نے اُن کی سفارش قبول کرتے ہوئے مختار کی رہائی کا حکم لکھا اور قاصد ٹھیک اُس وقت خط لے کر پہنچا جب ابن زیاد اُنھیں قتل کرنے جا رہا تھا۔

میثم کے ساتھ یہ پیش آیا کہ ابن زیاد نے اُنھیں اپنے پاس طلب کیا اور پوچھا: ”تمہارا پروردگار کہاں ہے؟“

میثم: میرا پروردگار ظالموں کی گھات میں ہے اور تم بھی اُنھیں ظالموں میں سے ہو۔

ابن زیاد: تم عجبی ہونے کے باوجود بڑی اچھی طرح بول رہے ہو۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ علی ابن طالب تم سے بڑی خصوصیت برتتے تھے۔



میثم: تمہارا کہنا صحیح ہے۔

ابن زیاد: تمہیں علیؑ سے بیزاری کا اظہار کرنا پڑے گا۔ اُن کی برائیاں بیان کرو۔ عثمان سے اپنی محبت ظاہر کرو ان کی خوبیاں بیان کرو ورنہ میں تمہارے ہاتھ پیر کاٹ کر تمہیں سُولی دے دوں گا۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ابن زیاد نے میثم سے کہا:

”کہا جاتا ہے کہ علیؑ ابن ابی طالبؑ نے تمہیں تمام مصائب و آفات پر مطلع کر رکھا ہے جو تمہیں پیش آنے والے ہیں۔“  
میثم: ہاں۔

ابن زیاد: میرے متعلق کیا بتایا ہے میں کون سا سلوک تمہارے ساتھ کروں گا۔  
میثم: میرے آقا نے بتایا ہے کہ نو دوسرے اشخاص کے ساتھ تم مجھے بھی سُولی دو گے۔ جس لکڑی پر مجھے سُولی دی جائے گی وہ سب لکڑیوں سے چھوٹی ہوگی۔  
ابن زیاد: میں اس کا اُلٹا کر کے رہوں گا۔

میثم: تم کیا اس کا اُلٹا کرو گے۔ علیؑ نے یہ تمام باتیں رسول اللہؐ سے معلوم کر کے مجھے بتائی تھیں۔ رسول اللہؐ نے جبریل سے اور جبریل نے اللہ سے معلوم کیا۔ تم ان سب کی مخالفت کیسے کر پاؤ گے۔ میں کوئی کی اُس جگہ کو بھی جانتا ہوں جہاں میں سُولی دیا جاؤں گا۔ میں بندگانِ خدا میں پہلا شخص ہوں جسے اسلام میں سب سے پہلے لجام چڑھائی جائے گی جیسے گھوڑے کو چڑھائی جاتی ہے۔  
ایک دوسری روایت میں ہے کہ میثم نے کہا:

”میں نے امیر المومنینؑ سے پوچھا تھا۔ یہ سارے سلوک میرے ساتھ کون کرے گا۔ آپ نے فرمایا تھا تمہیں عتِل زَیْمِ زَیْنِ بَدکار کا فرزند عبید اللہ بن زیاد گرفتار کرے گا۔“





ابن زیاد: خدا کی قسم میں تمہارے ہاتھ پیر ضرور کاٹوں گا البتہ تمہاری زبان چھوڑ دوں گا تاکہ تمہیں اور تمہارے آقا کو جھٹلا سکوں۔ پھر ابن زیاد نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ اُن کے ہاتھ پیر کاٹ کر انہیں سُولی پر لٹکا دیا جائے۔ ابن زیاد کے ملازمین میثم کو گرفتار کرنے کے لئے جا رہے تھے کہ راستہ میں ایک شخص میثم کو دیکھ کر کہنے لگا:

”تم ان سب باتوں سے بے نیاز تھے (یعنی ابن زیاد کے حکم کی تعمیل کرتے تو اس کی نوبت نہ آتی)۔“

میثم اس کی بات سن کر مسکرائے اور کھجور کے درخت کی طرف اشارہ کر کے کہا: ”میں اس درخت کے لئے پیدا ہوا اور اس درخت نے میرے ہی لئے نشوونما پائی۔“

جب وہ سُولی پر لٹکا دیئے گئے تو بے آواز بلند پکار کر کہا: ”لوگو جیسے علی ابن ابی طالبؑ کے مخفی علوم اور رموز و اسرار سننا ہوں وہ مجھ سے آ کر سن لے قبل اس کے کہ میں مارا جاؤں۔ خدا کی قسم میں قیامت تک پیش آنے والے واقعات سے تمہیں آگاہ کر سکتا ہوں۔ یہ بھی بتا سکتا ہوں کہ کیسے کیسے فتنے رونما ہونے والے ہیں۔“ میثم نے سُولی ہی پر سے فضائل بنی ہاشم اور بنی امیہ کی ذلت و خواری اور حیرت انگیز پیش آنے والے واقعات بیان کرنا شروع کئے۔ لوگوں نے ابن زیاد سے جا کر کہا۔ ”اس غلام نے تو تمہیں رسوا کر دیا۔“

ابن زیاد نے کہا۔ ”منہ پر ان کے لجام چڑھا دو۔“ چنانچہ میثم بندگانِ خدا میں پہلے وہ شخص ہیں جنہیں اسلام میں لجام چڑھائی گئی!

عمرو بن حرث اپنے گھر جا رہا تھا۔ راستے میں مجمع دیکھ کر لوگوں سے پوچھا۔ ”یہ کیسی بھیڑ ہے؟“ بتایا گیا کہ میثم تمار علی ابن ابی طالبؑ کی حدیثیں بیان کر



رہے ہیں۔

وہ اُلٹے پیروں بھاگتا ہوا ابن زیاد کے پاس پہنچا اور کہا۔ ”حضور جلدی کسی کو بھیج کر میثم کی زبان کنواڈالنے ورنہ مجھے پورا اندیشہ ہے کہ لوگوں کے دل آپ سے برگشتہ ہو جائیں گے۔“

ابن زیاد نے ایک سپاہی کو حکم دیا کہ ”جاؤ میثم کی زبان کاٹ ڈالو۔“ اُس سپاہی نے میثم کے پاس آ کر کہا۔ ”میثم تمہیں جو کچھ کہتا ہے کہہ ڈالو۔“ امیر نے مجھے تھاری زبان کاٹ ڈالنے کا حکم دیا ہے۔“ میثم نے کہا۔ ”بدکار عورت کافر زند مجھے اور میرے مولاً کو جھٹلانا چاہتا تھا۔ لو یہ میری زبان ہے۔“

سپاہی نے اُن کی زبان کاٹ لی۔ لجام چڑھائے جانے اور زبان کاٹنے جانے دونوں باتوں کی امیر المومنینؓ نے میثم کو خبر دے رکھی تھی۔ میثم اپنی گفتگو میں دونوں ہی باتوں کا ذکر کیا کرتے اور میثم کی سرگزشت شہادت میں ان دونوں باتوں کا تذکرہ بھی ہے۔ غالباً دونوں ہی باتیں ایک ساتھ پیش آئیں، پہلے انھیں لجام چڑھائی گئی۔ جب اندازہ ہوا کہ لجام بھی انھیں علیٰ واہلیت کے فضائل بیان کرنے سے روک نہیں رہی ہے تو بعد میں اُن کی زبان بھی کاٹ ڈالی گئی۔

دوسرے دن قبل غروب آفتاب اُن کی ناک اور منہ سے خون بہنا شروع ہوا جس سے اُن کی داڑھی خون سے رنگین ہو گئی۔ تیسرے دن ایک شخص آیا اُس نے پہلے تو یہ کہتے ہوئے خنجر لہرایا کہ میں نے ہمیشہ تمہیں عبادت الہی میں مصروف پایا۔ پھر اُس نے اُن کی کوکھ پر خنجر کا وار کیا۔ میثم نے نعرۂ تکبیر بلند کیا اور اُن کی روح قفسِ عصری سے پرواز کر گئی۔



ایک اور حدیث میں مذکور ہے کہ خنجر کا وار اُن پر پہلے ہی دن ہوا تھا۔ دودن تک خون بند رہا۔ تیسرے دن غروب آفتاب سے پہلے خون اُن کی ناک اور منہ سے پھوٹ بہا جس سے اُن کی ڈاڑھی رنگین ہو گئی۔

یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ چوتھے دن اُن کی موت واقع ہو گئی۔ میثم کے فرزند صالح بیان کرتے ہیں۔ چند روز کے بعد سے اُس تنے تک گیا جس پر میثم کو سولی دی گئی تھی دیکھا تو وہی تنہ تھا جس پر میں نے پہلے سے کیل ٹھونک رکھی تھی۔

میثم نے جو آفتیں سہیں خداوند عالم اُن کا شاہد تھا وہی دشمنانِ میثم سے انتقام بھی لے گا۔ اگر اُس دن بنی امیہ اپنے کرتوت اور میثم کی ایذا رسانیوں کی سزا سے بچ رہے تو بروہر حشر ہرگز نہ بچ پائیں گے۔

بنی امیہ نے میثم اور انھیں جیسے منتخب روزگار انسانوں پر مظالم کر کے اپنے کو ہمیشہ کے لئے ذلیل و رسوا کر لیا۔ اُن کی ذلت و رسوائی، قیامت تک تاریخ کے صفحات پر محفوظ رہے گی۔ اسی طرح ان نیکوکاروں کی عزت و شرف اور اُن کی سر بلندیاں بھی تاریخ میں ہمیشہ محفوظ رہیں گی۔

**میثم تمہارے کہاں سولی دی گئی:**

بعض مصادر جیسے تاریخ کوفہ وغیرہ میں مذکور ہے کہ میثم کو میدانِ صیافہ میں سولی دی گئی لیکن اکثر کتابوں میں یہی مذکور ہے کہ میثم عمرو بن حریث کے گھر کے قریب سولی دیئے گئے غالباً عمرو کا گھر میدانِ صیافہ ہی میں تھا لہذا دونوں میں کوئی منافات باقی نہیں رہتی۔ جناب مسلم کے واقعہ شہادت سے معلوم ہوتا ہے کہ عمرو کا گھر مسجد کوفہ کے قریب تھا کیونکہ جب آپ کو گرفتار کر کے دارالامارہ لے جایا جا رہا تھا اور آپ نے پانی مانگا تو عمرو بن حریث نے غلام کو بھیج کر اپنے گھر



سے پانی منگایا۔ اگر عمر و کا گھر مسجد سے قریب نہ ہوتا تو اتنے کم وقت میں اس کے گھر سے پانی کا آنا دشوار تھا

**میثم تمار کا روزِ قتل:**

تمام روایتیں اس بات پر متفق ہیں کہ میثم امام حسینؑ کے عراق پہنچنے سے دس روز پہلے شہید ہوئے۔ امام حسینؑ ۲، محرم کو واردِ کربلا ہوئے تھے اس بنا پر ۲۲، ذی الحج کو وہ قتل کئے گئے۔

لیکن چونکہ مِثَمُلی پر چڑھائے جانے کے دو دن بعد میثم کی رُوح نے نفسِ عنصری سے پرواز کی تھی اس لئے ہمارا خیال یہ ہے کہ وہ ۲۰، ذی الحج کو مِثَمُلی پر چڑھائے گئے اور ۲۲، ذی الحج کو ان کا دم نکلا اور چونکہ امامؑ کی شہادت جمعہ کے دن ہوئی اس لئے آپ عراقِ جمعرات کو پہنچے ہوں گے اور میثم بروزِ اتوار مِثَمُلی پر چڑھائے گئے اور بروزِ سہ شنبہ ان کی رحلت ہوئی۔

**میثم تمار کا دفن:**

کھجور کے سات تاجروں نے آپس میں طے کیا کہ میثم کو رات میں دفن کر ڈالیں۔ پہرہ دار اس لکڑی کے گرد پہرہ دے رہے تھے جن پر میثم کو مِثَمُلی دی گئی تھی ان تاجروں نے آگ روشن کر دی اور اُس کی آڑ میں اس پوری لکڑی کو اٹھالے گئے۔ لاش انھوں نے قبیلہ مُراد کے چشمہ کے سرے پر دفن کر دی اور لکڑی کو کسی کھنڈر میں ڈال دیا۔ صبح کو ابنِ زیاد نے اپنے سپاہی تلاش کے لئے بھیجے مگر ان کے کچھ ہاتھ نہیں لگا۔

**میثم تمار دس کے دسویں تھے:**

روایات میں مذکور ہے کہ جس دن میثم کو مِثَمُلی دی گئی۔ اُسی دن نو یا آٹھ



دوسرے آدمی بھی سُولی دیئے گئے اس طرح میثم دس کے دسویں یا نو کے نویں سُولی دیئے جانے والے تھے۔ قرینہ غالب یہ ہے کہ باقی ۸ یا ۹ آدمی بھی اکابر شیعیان اہل بیتؑ ہی سے رہے ہوں گے۔ روایات سے پتہ نہیں چلتا کہ کون کون لوگ میثم کے ساتھ مصلوب ہوئے البتہ کشی کی بعض حدیثوں میں ملتا ہے کہ امیر المومنینؑ نے میثم کو بتلایا تھا کہ وہ کھجور کا درخت جس پر انھیں سُولی دی جانے والی تھی اُس کے چار ٹکڑے کئے جائیں گے۔ ایک ٹکڑے پر میثم کو سُولی دی جائے گی۔ دوسرے پر حجر بن عدی کو، تیسرے پر محمد بن اکثم کو، چوتھے پر خالد بن مسعود کو۔ لیکن ہمیں پتہ نہ چل سکا کہ یہ کون لوگ تھے اور یہ حجر بن عدی کون تھے اس لئے کہ حجر بن عدی مشہور صحابی امیر المومنینؑ کو تو معاذیہ نے مرج عذرا میں بزمانہ حکومت زیاد قتل کیا تھا۔ ان کے ساتھ دوسرے بعض معززین شیعہ بھی قتل کئے گئے تھے۔ ان لوگوں سے کہا گیا تھا کہ امیر المومنینؑ سے بیزاری کا اظہار کریں۔ ان لوگوں نے انکار کیا جس پر یہ سب قتل کر ڈالے گئے۔

### میثم تمہارا درجہ جنت میں:

امیر المومنینؑ نے ایک دن میثم سے کہا تھا تمہارا کیا حال ہوگا اُس دن جب کہ بنی اُمیہ سے ہونے کا جھوٹا دعویدار (ابن زیاد) تمہیں مجھ سے اظہارِ بیزاری کرنے پر مجبور کرے گا۔ میثم نے کہا امیر المومنینؑ ایسا میں ہرگز نہیں کروں گا۔ آپ نے فرمایا تو وہ تمہیں قتل کر ڈالے گا، تمہیں سُولی پر چڑھائے گا۔ میثم نے کہا۔ میں صبر کروں گا اللہ کی راہ میں یہ بہت تھوڑا ہے۔ امیر المومنینؑ نے فرمایا اُس صورت میں تم میرے درجے میں ہو گے۔



## میثم تمار کا حلیہ:

بنی اسد کی جلسہ گاہ میں حبیب بن مظاہر اور جناب میثم میں جو بات چیت ہوئی تھی اسی بات چیت میں حبیب نے کہا تھا کہ میں ایک پیشانی پر کم بال والے، پر شکم بوڑھے کو دیکھ رہا ہوں جو دار الرزاق کے پاس خر بوزے بیچتا ہے۔ کتابوں سے بس اتنا ہی حلیہ جناب میثم کا معلوم ہو سکا اس سے زیادہ نہیں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ جس وقت یہ گفتگو ہوئی تھی میثم بوڑھے تھے اور کسی روایت سے پتہ نہیں چلتا کہ میثم نے کتنی عمر پائی اور کب پیدا ہوئے تھے۔

یہ گفتگو یہ بھی بتاتی ہے کہ میثم خر بوزے بیچا کرتے تھے حالانکہ اصل میں وہ کھجور کے تاجر تھے اسی لئے ان کا لقب بھی تمار قرار پا گیا تھا۔ غالباً جس زمانہ میں یہ گفتگو ہوئی تھی اس زمانہ میں میثم خر بوزے ہی بیچا کرتے ہوں گے۔

## میثم تمار کا روضہ اور ضريح:

میثم کا جہاں آج مقبرہ بنا ہوا ہے بے شمار دلائل و شواہد بتاتے ہیں کہ اسی میں وہ مدفون ہیں۔ شروع سے لے کر آج تک لوگ اسی کو ان کی قبر قرار دیتے ہیں۔ کوفہ میں سیکڑوں ہی صحابہ، تابعین اور اولیاء صالحین اور علوی سادات شہید ہوئے اور دفن ہوئے سوائے چند قبروں کے بقیہ قبروں کا آج پتہ بھی نہیں۔

میثم کی قبر پر ایک قبہ بنا ہوا ہے لیکن مسجد کوفہ کے مجاورین جن میں بہت سے اسی برس کی عمر تک پہنچ چکے ہیں وہ بھی یہ بتانے سے قاصر ہیں کہ یہ قبہ کب بنا۔ قبہ کے نیچے اوپر پوری عمارت میں کوئی تحریر بھی نہیں جس سے اس کا سال تعمیر معلوم ہو سکے۔ میثم کی قبر ہمیشہ سے شیعوں کی زیارت گاہ رہی۔ اس قبر پر ایک خادم مقرر ہے۔

## میثم تمار کی اولاد:

میثم کو خداوند عالم کی طرف سے کئی ایک صالح و نیکو کاری بیٹے اور پوتے عطا ہوئے۔ مؤرخین نے اُن کے چھ بیٹوں کے نام لکھے ہیں۔ محمد، شعیب، صالح، علی، عمران اور حمزہ۔ محمد کا رجال کی کتابوں میں کوئی ذکر نہیں ملتا۔

انھیں محمد نے اپنے باپ میثم سے اور محمد کے لڑکے علی نے محمد سے جناب ابوطالب کے اسلام کے متعلق روایت کی۔ نیز میثم کا یہ قول نقل کیا ہے کہ حضرت علیؑ اور اُن کے باپ دادوں نے مرتے دم تک سوا خدا کے کسی کی عبادت نہیں کی۔ علامہ ابن حجر نے اس روایت کو بسلسلہء حالات ابی طالب اصحابہ میں نقل کیا ہے اور سلسلہء حدیث کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ خالص شیعہ سلسلہ ہے۔ دوسرے فرزند شعیب کو شیخ صدوق نے اصحاب امام جعفر صادقؑ میں شمار کیا ہے۔ اُن کے فرزند یعقوب ہوئے جو بہت مشہور بزرگ ہیں۔ تیسرے فرزند صالح تھے جن کا ذکر گزشتہ صفحات میں گزر چکا ہے۔ شیخ صدوق نے انھیں امام محمد باقرؑ و امام جعفر صادقؑ کے اصحاب میں شمار کیا ہے۔ ان کا شمار تابعین میں ہوتا ہے۔ علامہ مجلسی کے خلاصہ میں ہے کہ امام محمد باقرؑ نے ان صالح سے کہا۔ میں تمہیں بھی اور تمہارے باپ کو بھی انتہائی دوست رکھتا ہوں۔ انھیں نے امام محمد باقرؑ سے درخواست کی تھی کہ مجھے حدیث کی تعلیم دیجئے۔ امام نے فرمایا تھا کیا تمہارے باپ نے تمہیں تعلیم نہیں دی۔ صالح نے کہا۔ نہیں، کیونکہ میں اُن کی زندگی میں بہت چھوٹا تھا۔

چوتھے فرزند علی تھے جن کے متعلق عون بن محمد کندی کا بیان ہے کہ ائمہ کے حالات و اخبار کا اُن سے بڑھ کر کوئی واقف کار نہ تھا۔

پانچویں فرزند عمران کو شیخ صدوق نے امام زین العابدینؑ پھر امام محمد باقرؑ اور امام جعفر صادقؑ کے صحابہ میں شمار کیا ہے۔ چھٹے فرزند حمزہ کا ہمارے علمائے رجال نے ذکر نہیں کیا۔

## میثم تمار

خاورنوری حیدر آبادی

سرکردہ ارباب وفا مرد سردار  
کیا شرم سے کٹ کٹ گئے اسلام کے غدار  
کرتا تھا تجارت کی شرافت کو نمایاں  
بھولے سے نہ کی غیرید اللہ کی بیعت  
دم بھر کے لئے بھی نہ در علم کو چھوڑا  
مقتل کی نگہداشت کا بھی لطف اٹھایا  
بنیاد تشیع میں ترا خون ہے شامل  
بے تیغ کیا لشکر بدعت کو ہر اسباب  
کیا ربط مکمل تھا ترے قول و عمل میں  
خود تیری زباں تیری صداقت کی ہے شاہد  
یوں حکم سنگمر نے دیا قطع زباں کا

اے آل محمد کی محبت کے گرفتار  
جب تیری زباں بن گئی کھینچی ہوئی تلوار  
کیوں ہاتھ بٹاتے نہ ترا حیدر کرار  
اوروں کی طرح تو نہ ہوا حق کا گنہ گار  
کیا ہوگا خدا جانے ترے علم کا معیار  
تجھ سانس نہ ہوا کوئی شہادت کا طلب گار  
شیعہ ترے ممنون ہیں اے میثم تمار  
اے فاتح خیبر کے جگر دار رضا کار  
پھریوں نہ ہوا کوئی رہین رسن و دار  
ہر قطرہ خوں حب علی کا ہے نگہدار  
دعویٰ بھی دلیلیں بھی تھیں ناقابل انکار

آئی تری تقریر میں اتنی ہی روانی

جتنی ہوئی پُر جوش ترے خوں کی روانی





## طرماح بن عدی بن حاتم

اصحاب حضرت امیر المومنینؑ سے یہ ایک بڑے ذیل ذول، طویل قد و قامت کے اعلیٰ درجہ کے ادیب، فصیح، چرب زبان اور حاضر جواب بزرگ تھے۔ تاریخ ابن ہلال میں جو شاہ شجاع مبارزی کے نام سے لکھی گئی ہے مذکور ہے کہ جب حضرت امیر المومنینؑ جنگ جمل فتح کر کے واپس آئے تو معاویہ نے حضرتؑ کے پاس ایک خط لکھا جس کا مضمون یہ تھا کہ بعد حمد و نعت واضح ہو کہ تم نے اُس بات کی پیروی کی جو تم کو نقصان پہنچائے گی اور اُس چیز کو چھوڑ دیا جو تمہیں نفع پہنچاتی۔ تم نے قرآن مجید کی مخالفت کی اور اُس کے رسول کی سنت سے بھی منہ موڑ لیا۔ حضرت رسول خدا کے دونوں حواری طلحہ و زبیر اور اُمّ المومنین عائشہ کے ساتھ تم نے جو کچھ کیا وہ سب مجھے معلوم ہوا مگر خدا کی قسم میں تمہیں ایسے شعلے سے ماروں گا جس کو نہ پانی بجھا سکے گا اور نہ ہوا ٹال سکے گی۔ جب وہ گرے گا تو گھس جائے گا اور جب گھسے گا تو سوراخ کر دے گا اور جب سوراخ کرے گا تو بھڑک اُٹھے گا اور سب کو جلا دے گا۔ لہذا تم اپنی فوجوں پر نہ اتراؤ اور نہ سامان جنگ پر گھمنڈ کرو و السلام۔ جب حضرتؑ کے ملاحظے سے یہ خط گزرا تو حضرتؑ نے اس کے جواب میں تحریر فرمایا۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ یہ خط ہے اللہ کے بندے علیؑ ابن ابی طالبؑ برادر رسولؐ و وصی رسولؐ خدا و پدر حسن حسینؑ کی طرف سے (اے



معاویہ) اُس علیؑ کی طرف سے جس نے (رسول خدا صلعم کے ساتھ) تیرے چچا، دادا اور ماموں کو قتل کیا تھا۔ کیوں معاویہ! کیا تو بھول گیا کہ (میرے ہاتھوں) غزوہ بدر میں تیری قوم کا کیا انجام ہوا۔ حالانکہ جس تلوار سے میں نے اُس روز اُن لوگوں کو قتل کیا وہ اب تک میرے ہی قبضے میں ہے۔ جس طرح حضرت رسولؐ خدا نے اُس تلوار کو میرے ہاتھ میں دیا اسی طرح میرا بازو اسے اب تک اٹھائے ہوئے ہے اور میرے سینے کا دم خم اور میرے بدن کی قوت بھی ویسی ہی ہے اور ان سب کے علاوہ جس طرح خدا میری مدد اُس وقت کرتا تھا اسی شان سے اب تک کرتا ہے۔ میں نے نہ خدا کو بدل کر کوئی دوسرا معبود اختیار کیا، نہ دین اسلام کو چھوڑ کر دوسرے مذہب کی پیروی کی، نہ حضرت محمد مصطفیٰ کو ترک کر کے کسی اور کو نبی سمجھا اور نہ اُس تلوار (ذوالفقار) کے عوض کوئی دوسری تلوار رکھی۔ پس تو اپنی نفس پرستی میں جس قدر ہو سکے مبالغہ کر اور جہاں تک بے کوشش کئے جا۔ کسی طرح اس میں کمی نہ کر کیونکہ یقیناً شیطان تجھ پر مسلط ہو گیا اور جہالت نے تجھے بہکا رکھا ہے اور عنقریب ظالموں کو معلوم ہو جائے گا کہ ان کا کیا برا انجام ہوا۔ خط کو تمام کر کے حضرت نے طرمح بن عدی کے حوالے کیا اور فرمایا اسے لے جا کر معاویہ کو دو اور اس کا جواب لاؤ۔ طرمح بڑے بہادر اور دلیر مرد تھے۔ ان کی زبان قیچی کی طرح چلتی اور وہ باتیں کرتے تو معلوم ہوتا موتی برس رہے ہیں۔ بڑی ہی تیز اور چلتی ہوئی زبان پائی تھی۔ جب باتیں کرنے لگے تو کسی طرح بند ہی نہیں ہوتے اور جواب دینے لگتے تو کسی طرح خاموش ہی نہیں ہوتے تھے۔ انھوں نے حضرت کا خط لے کر اپنے سر میں باندھا اور کہا سمعاً و طاعة و حبا و کرامة غلام بسر و چشم حاضر ہے اور اس کام کو بڑی خوشی سے عزت و شرف سمجھ کر انجام دے گا۔ پھر تیز سواری پر روانہ ہو کر جلد از جلد دمشق پہنچ گئے



اتفاق سے اُس روز معاویہ سیر و تفریح کے لیے شہر سے باہر ایک باغ میں تھا اور اس کے ارکانِ دولت مثلاً عمرو بن العاص و مروان بن الحکم و شرجیل و ابوالاعور سملی و ابو ہریرہ رومی بھی اس کے ساتھ ہی تھے۔ جب وہ سب باغ میں گھومتے تھے تو دیوار کی پشت سے ایک بلند قامت اعرابی دکھائی دیا جو ایک اونٹ پر سوار اس طرف چلا آتا تھا۔ ان لوگوں نے پہچانا نہیں کہ طرماح ہیں۔ آپس میں کہنے لگے ”اس کو بلا کر مذاق کیا جائے“۔ رائے ہو گئی تو عمرو عاص آگے بڑھا اور اس طرح باتیں ہونے لگیں۔

عمرو عاص :- کیوں میاں تمہارے پاس آسمان کی کوئی خبر بھی ہے؟  
 طرماح :- ہاں ہاں اللہ آسمان میں، ملک الموت ہوا میں اور حضرت امیر المومنین تمہاری پشت پر ہیں۔ اب اے عداوت و شقاوت والو! جاتے کہاں ہو۔ مصائب و آفات کے لیے تیار ہو جاؤ کہ جلد تم پر نازل ہوا چاہتی ہیں۔

عمرو عاص وغیرہ :- میاں یہ تو بتاؤ کہ تم آتے کہاں سے ہو؟  
 طرماح :- میں اس بزرگ کے پاس سے آتا ہوں جو نہایت شریف، پرہیزگار، پاکیزہ، صاف ہے جو خدا کے حکم پر راضی رہتا اور جس کے ہر فعل سے خدا ہر وقت خوش رہتا ہے۔

عمرو عاص وغیرہ :- اور کس کے پاس جاتے ہو؟  
 طرماح :- میں اسی خبیث موذی کے پاس جاتا ہوں جس کو تم لوگوں نے اپنی گمراہی سے اپنا امیر سمجھ رکھا ہے۔

عمرو عاص نے فوراً ایک رقعہ لکھ کر معاویہ کو خبر کی کہ علیؑ کے پاس سے ایک بدوی اعرابی آیا ہے جس کی زبان بہت فصیح اور جس کا قول نہایت ملیح ہے۔ اس کے پاس ایک خط بھی ہے۔ تو ہوشیار ہو جا اور غفلت نہ



کر۔ جب طرمح کو معلوم ہوا کہ یہ سب معاویہ کے اصحاب و احباب ہیں تو اونٹ کو بٹھا کر اتر آئے اور ان سب کے ساتھ بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔ معاویہ کو جب یہ خبر معلوم ہوئی تو جلد از جلد باغ سے روانہ ہو کر اپنے گھر پہنچا اور یزید کو بلا کر حکم دیا کہ دربار میں خوب شاندار پردے وغیرہ ڈال کر اس کو آراستہ کراؤ۔ جب ان انتظامات کی تکمیل ہوگئی تو عمرو عاص اور اس کے سب ساتھی طرمح کو اپنے ہمراہ دربار یزید میں لائے۔ جب دور سے طرمح کی نظر ان لوگوں پر پڑی تو دیکھا کہ سب کے سب سیاہ کپڑے پہنے ہوئے ہیں کیونکہ بنی امیہ نے یہی وضع اختیار کر رکھی تھی۔ آپ نے برجستہ کہا

ان لوگوں کی کیا حالت ہو رہی ہے، ان کی صورتیں ایسی جلی بھنی کیوں نظر آتی ہیں۔ یہ تو معلوم ہوتا ہے کہ دوزخ کی فوج بھری ہوئی ہے جس کی راہیں تنگ و تاریک ہیں۔

اور جب ان لوگوں کے نزدیک پہنچے اور دیکھا کہ یزید بیٹھا ہے، اس کی ناک پر کسی ضربت کا نشان ہے اور بہت بلند کرخٹ آواز سے بول رہا ہے تو طرمح نے کہا یہ کون منحوس ابن منحوس ہے جس کا حلق اتنا پھیلا ہوا اور جس کی سونڈ (ناک) زخمی ہے۔ معاویہ والوں نے کہا اے شخص گستاخی نہ کر یہ یزید ہے۔ اس پر آپ نے کہا خدا اس کی روزی کو زیادہ نہ کرے اور نہ اس کو اس کی مراد تک پہنچائے۔ جب طرمح نے یزید کو سلام کیا تو اس نے جواب دیا اور کہا ان ”اے طرمح تم کو مسلمانوں کے بادشاہ سلام کہتے ہیں“۔ طرمح نے کہا ”میری غرض یہ ہے کہ مجھے معاویہ کے پاس لے چلو تا کہ وہ خط جو میں حضرت امیر المومنینؓ کی خدمت سے لایا ہوں اس کو دے دوں“۔ اس پر یزید ان کو خاص معاویہ کے نشست گاہ میں لے گیا اور چونکہ طرمح پاؤں میں جوتے پہنے ہوئے تھے معاویہ کے بعض



ملازموں نے کہا بس اے طرماح یہاں اپنے جوتے اتار دو۔ یہ سننا تھا کہ طرماح نے داہنے بائیں نظر کی اور برجستہ کہا کیا یہی وادی مقدس ہے تاکہ میں یہاں اپنے جوتے اتار دوں اس کے بعد آپ نے آگے کی طرف نظر اٹھائی دیکھا کہ معاویہ اپنے تخت پر بیٹھا ہے اور اس کے ارکانِ دولت اس کے چاروں طرف حلقہ کئے ہوئے ہیں۔ طرماح نے اس فرش کے کنارے کھڑے ہو کر کہا، اے گنہگار اور نافرمان بادشاہ تجھ پر اسلامی سلام ہو۔

معاویہ: اے اعرابی تم پر وائے ہو تم مجھے، اے امیر المومنین، کہہ کر سلام کیوں نہیں کرتے؟

طرماح:- اے معاویہ تیری ماں تیرے ماتم میں روتی رہے۔ مومنین تو ہم لوگ ہی ہیں (اور ہم نے تجھ کو اپنا امیر بنایا نہیں پھر) تجھ کو ہم لوگوں پر کس نے امیر بنا دیا جس کی وجہ سے میں تجھ کو امیر المومنین کہوں؟

معاویہ:- مامک یا اعرابی، اچھا اے اعرابی بتاؤ۔ تم کیا لائے ہو؟

طرماح:- کتابِ کریم میں ایک مبارک مقدس اور معزز خط لایا ہوں۔

معاویہ:- وہ خط مجھے دے دو۔

طرماح:- مجھے تو یہ پسند نہیں آتا کہ اپنا پاؤں تیرے نجس فرش پر رکھ کر وہاں آؤں اور یہ خط تجھ کو دوں۔

معاویہ:- (عمر و عاص کی طرف اشارہ کر کے) کہا خیر میرے اس وزیر کو

دے دو۔

طرماح:- ہے ہے! جب بادشاہ ہی ظالم ہے تو اس کا وزیر کس درجہ خائن ہوگا

!!! (پھر اس پر بھی کیونکر اعتبار کیا جائے کہ میں اس کو خط دے دوں؟)

معاویہ:- (یزید کی طرف اشارہ کر کے) اچھا تو میرے اس لڑکے کو دے دو۔



طرماع :- واہ تو بھی کیا باتیں کرتا ہے جب ہم لوگ ابلیس (شیطان) ہی سے بھاگتے ہیں تو اس کی اولاد کو کیوں کر پسند کر سکتے ہیں؟

معاویہ :- تو میرے غلام کو دے دو۔

طرماع :- غیر مستحق افسوس غلام بھی تو بے ایمان ہی ہے۔ تو نے اس کو اس مال سے خریدا جس میں تیرا کوئی حق نہیں تھا اور بغیر استحقاق کے اس پر قبضہ کیا۔ غرض وہ بھی تجھے حرام ہی طریقہ سے ملا ہے۔

معاویہ :- پھر کس طرح میں تم سے اس خط کو لوں؟

طرماع :- اس کی آسان صورت یہ ہے کہ تو اپنی جگہ سے خود اٹھ تاکہ جو شخص تیرے نزدیک ہے وہ مجھ سے اس خط کو لے کر تجھے دے دے۔ یہ سنتے ہی معاویہ نہایت غیظ و غضب میں اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔ طرماع کے پاس آیا۔ ان سے خط لیا اور پھر اپنے تخت پر واپس جا کر وہ خط اپنے زانو کے نیچے دبایا اس کے بعد کہا۔

معاویہ :- کیوں اے اعرابی تم نے علی ابن ابی طالب کو کس حال میں چھوڑا؟

طرماع :- خدا کے فضل و کرم سے میں نے حضرت کو چودھویں رات کے چمکتے چاند کی طرح چھوڑا ہے۔ حضرت کے گرد آپ کے اصحاب بھی مثل روشن ستاروں کے اس طرح حلقہ کئے رہتے ہیں کہ جب انھیں کسی بات کا حکم دیتے ہیں تو فوراً وہ سب اس طرف جھک پڑتے ہیں اور جب انھیں کسی بات سے منع کر دیتے ہیں تو کسی کی مجال نہیں ہوتی کہ اس کا خیال تک کرے۔ اے معاویہ حضرت اپنے ان لوگوں کے ساتھ اپنے اسی دبدبے شکوہ، اسی قوت و طاقت اسی شان و شوکت۔ اسی صولت و شجاعت سے شہسوار عرصہ کار زار و یکہ تاز میدان گیر و دار و سردار دیا روا مصار ہیں۔ اگر کسی لشکر کے مقابلے میں تشریف لائیں گے تو اس کو شکست دے دیں گے بلکہ ہلاک کر دیں گے۔ اگر کسی قلعے کو اپنا سدا راہ پائیں گے تو اسے منہدم



کر کے زمین کے برابر کر دیں گے، اگر کسی بہادر کو اپنے سامنے دیکھیں گے تو اس کو نہتا کر کے فنا کے گھاٹ اتار دیں گے۔ اور اگر کسی دشمن سے ملیں گے تو اس کو قتل کر کے ذلیل و خوار کر دیں گے۔

معاویہ:- تم نے حسن و حسینؑ کو کس حال میں چھوڑا ہے؟

طرماح:- خدا کے فضل و کرم سے میں نے دونوں حضراتؑ کو دو جوان رعنا، دو پرہیزگار، دو پاک و پاکیزہ، دو پارسا، دو صحیح و سالم، دو فصیح، دو ادیب، دو عقل مند، دو ہوشیار، دو خطیب، دو سردار، دو رکن دین، دو طیب، دو طاہر اور دو عالم باعمل چھوڑ آیا ہوں، دونوں حضراتؑ ہر وقت لوگوں کی دنیا کی اصلاح اور ان کی آخرت کے سامان میں مشغول رہتے ہیں۔

معاویہ:- اے اعرابی تم کو خدا نے کیسی اعلیٰ درجے کی فصاحت عطا کی ہے۔ طرماح:- اے معاویہ (میری فصاحت کی کیا حقیقت ہے) اگر تو حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے دروازے تک پہنچ جاتا اور دیکھتا کہ وہاں کیسے کیسے فصیحوں، بلیغوں، فقیہوں، ظریفوں، نجیبوں، ادیبوں، سخیوں اور صفیوں کا مجمع ہے تو تعجب اور حیرت کے ایسے گہرے سمندر میں ڈوب جاتا جس کی موجوں سے تو نکل ہی نہیں سکتا۔ طرماح کی اس دلیری اور فصاحت سے مرعوب بلکہ مبہوت ہو کر عمرو عاص نے آہستہ سے معاویہ کے کان میں کہا کہ ”یہ مرد اعرابی بدوی ہے اگر تم اس کو کوئی رقم (بطور رشوت) دے کر خوش کر دو تو ہو سکتا ہے کہ تمہارے حق میں اچھی بات کہے اور تم کو نیکی سے یاد کرے۔“ پھر عمرو عاص اور طرماح میں اس طرح باتیں ہونے لگیں۔

عمرو عاص:- اے اعرابی اگر معاویہ تم کو کوئی بڑی رقم بطور بخشش دیں تو قبول کر لو گے؟



طرماع :- واہ یہ بھی کچھ پوچھنے کی بات ہے۔ میرا بس چلے تو معاویہ کے جسم سے اس کی جان نکال لوں پھر اس کے ہاتھ سے مال کیوں نہیں لوں گا۔  
معاویہ نے فوراً حکم دیا کہ دس ہزار درہم لا کر ان کو دے دیئے جائیں۔ اس کے بعد طرماع سے کہا :-

معاویہ :- کیوں؟ اگر کہو تو اس رقم کو اور زیادہ کر دوں؟  
طرماع :- شوق سے زیادہ کر دے۔ زیادہ 'جو دود عطا کو تو خدا پسند کرتا ہی ہے۔  
اُس پر معاویہ نے حکم دیا کہ اور دس ہزار درہم دے دیئے جائیں۔ پھر کہا  
معاویہ :- اگر چاہو تو اور زیادہ دلوادوں۔

طرماع :- اچھا اس کے عدد کو طاق کر دے کہ خدا طاق کو پسند کرتا ہے۔  
معاویہ نے حکم دیا کہ تیس ہزار درہم طرماع کے لیے لائے جائیں۔ مگر اس رقم کے آنے میں دیر ہوئی تو طرماع کچھ دیر سر جھکائے خاموش رہے اس کے بعد سر اٹھا کر کہا۔

طرماع :- کیوں معاویہ! جو لوگ تیرے فرش پر مہمان ہوتے ہیں ان سے تو مذاق اور مسخرہ اپن کر کے ان کو ذلیل و خوار کرتا ہے؟

معاویہ :- میں نے ایسی کیا بات کی جس پر تم اس طرح اعتراض کرنے لگے؟  
طرماع :- یہ مذاق اور توہین نہیں تو کیا ہے کہ تو نے میرے لیے اُس رقم کا حکم دے دیا جس کو نہ تو ہی دیکھ رہا ہے نہ اس پر میری ہی نظر پڑ رہی ہے۔

معاویہ نے گھبرا کر اپنے ملازموں سے کہا کہ جلد از جلد اس رقم کو وہاں حاضر کریں۔ چنانچہ فوراً پوری رقم آگئی۔ جب طرماع نے اس مال پر قبضہ کر لیا تو خاموش ہو گئے اور پھر کوئی بات بھی نہ کی۔ نہ معاویہ کا شکریہ ادا کیا نہ اس پر کوئی خوشی ظاہر کی۔ تب عمرو عاص نے ان سے کہا :-





عمر وعاص:- کیوں اعرابی۔ معاویہ کی اتنی بڑی بخشش کے بارے میں تم نے اپنی کوئی رائے نہیں ظاہر کی۔

طرماح:- میں رائے کیا ظاہر کروں۔ معلوم ہے کہ یہ مسلمانوں ہی کا مال ہے جس کو اس نے رب العالمین کے خزانے سے حاصل کیا ہے اور اس کو اس وقت اسی رب العالمین کے نیک بندوں سے ایک بندے (طرماح) نے لیا ہے (معاویہ نے کچھ اپنا مال تو دیا نہیں کہ میں اس کا شکریہ ادا کروں) یہ سننا تھا کہ معاویہ کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ جھنجھلا کر اپنے منشی سے بولا یہ اعرابی جو خط لایا ہے اس کا جواب لکھ کر اس کے حوالہ کر دے کہ اس نے اپنی زہریلی باتوں سے دنیا اس کے اطراف جوائب کے ساتھ میری نظر میں سیاہ کر دی ہے اور اب مجھ میں اس کی گفتگو سننے کی طاقت نہیں رہی غرض منشی نے قلم اور کاغذ اٹھایا اور معاویہ کے بتانے کے مطابق اس طرح لکھنا شروع کیا۔

یہ خط ہے خدا کے بندے اور اس کے بندے کے فرزند معاویہ بن ابوسفیان کی طرف سے علی ابن ابی طالب کی طرف میرے لشکروں کی تعداد مثل ستاروں کے بے حساب ہے جن کے لیے نہ زمین کی وسعت کافی ہے نہ اس کی نشانیاں اور علامتیں یا مثل بے انتہارائی کے دانوں کے ہے کہ ہر دانے کے نیچے ایک بہادر سپاہی مستعد رہتا ہے۔ جب طرماح نے معاویہ کا مطلب سمجھا تو زور سے تہقیر لگایا۔ لوگوں نے پوچھا یہ ہنسنے کا کیا موقع ہے؟

طرماح:- اے معاویہ اگر تیرے لشکر ستاروں کی طرح بے حساب ہے تو خدا کی قسم حضرت امیر المومنین علی مثل آفتاب کے ہیں کہ جب تیرے لشکر کے سامنے حضرت طلوع کریں گے تو تیرا گل لشکر ستاروں کی طرح غائب ہو جائے گا اور اگر تیری فوج رائی کے دانوں کی طرح ہے تو حضرت علی کے پاس ایک بڑا مرغ ہے



جس کا نام مالک اشتر ہے وہ تیرے ہر دانے کو اپنی چونچ سے چن لے گا اور سب کو اپنے پونے میں بھر لے گا۔

اس کلام سے معاویہ پر گویا موت طاری ہو گئی اور اپنے منشی سے کہا جانے دو کچھ نہ لکھو۔ تب عمرو عاص نے طرماح سے کہا اے بدوی تمہاری کیسی فصاحت ہے کہ اپنے خط کا جواب تک نہیں لکھنے دیتے ہو۔ اس کے بعد اس نے طرماح سے شرط کی کہ جب تک معاویہ پورا جواب نہ لکھوائے اُس وقت تک کچھ نہ بولیں۔ غرض جواب تمام ہوا۔ اور طرماح اس کو لے۔ اپنے اونٹ پر سوار ہو وہاں سے روانہ ہو گئے۔

جب دربار معاویہ سے طرماح باہر چلے اور کچھ دور نکل گئے تو معاویہ اپنے دربار والوں پر بگڑا۔ پھر اس طرح باتیں ہونے لگیں۔

معاویہ :- اگر میں اپنا پورا خزانہ خالی کر دوں اور تم میں سے اکیلے کسی کو دے کر چاہوں کہ اس اعرابی نے جس طرح اپنے آقا کی پیغام رسانی کی ہے اس کا عشر عشر ہی وہ میری طرف سے انجام دے دے تو کوئی شخص بھی اس قابل نہیں نکلے گا۔  
خدا کی قسم اس اعرابی نے تو دنیا مجھ پر تنگ اور زندگی تلخ کر دی۔

عمرو عاص :- اے معاویہ اگر تجھ کو بھی حضرت رسول خدا صلعم سے وہی قرب و منزلت میسر ہوتی جو علی ابن ابی طالب کو حاصل ہے یا تو بھی اسی طرح سیدھے راستے پر ہوتا جس طرح علی حق پر ہیں تو ہم لوگ اس اعرابی سے بھی زیادہ خوبی سے تیری پیغام رسانی کرتے اور اس سے بہتر تیری خدمت انجام دیتے۔

معاویہ :- خدا تیرا منہ توڑے اور تیری پسلیاں چور کرے۔ خدا کی قسم تیری یہ بات تو میرے لیے اس اعرابی کے کلام سے بھی زیادہ سخت ہے۔

(مجلس المؤمنین صفحہ ۲۲۲)

## جناب کمیل بن زیاد

آپ مشہور تابعی اور حضرت امیر المومنینؑ کے مخصوص صحابی تھے، نہایت زاہد و عابد تھے۔ کوفہ آپ کا وطن تھا اور وہیں آپ پیدا ہوئے۔ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں آپ خوب ہوشیار تھے۔ آپ صدوق و ثقہ بزرگ اور اپنے قبیلے غنم کے رئیس و سردار تھے۔ حضرت علیؑ کے جہادوں میں شریک اور جنگ صفین میں حضرتؑ کی فوج کے نام آور بہادروں میں تھے۔ حضرت علیؑ کو کل صحابہ پر فضیلت دیتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت امیر المومنینؑ آپ کا ہاتھ پکڑ کر شہر سے باہر نکل گئے۔ تنہائی میں آپ کو حقائق و معارف کی تلقین فرمائی اور عجیب و غریب نصیحتیں کیں۔ فرمایا ”اے کمیل! لوگوں کے تین طبقے ہیں۔ اول علماء ربانین و عارفان حق کا طبقہ، دوسرے طالبان علم و سالکانِ راہ حق کا گروہ، تیسرا عوام کا لانعام کا ٹھنڈ جو نور بصیرت اور ضیاء علم حقیقت سے بے بہرہ رہتا بغیر تمیز حق و باطل ہر داعی مدعی کے پیچھے ہو جاتا۔ ہوا کے ہر جھونکے سے ادھر ادھر جھک جاتا اور حق کی پیروی سے محروم رہتا ہے اور کسی ایک رکن رکن کو اپنا لجا و ماویٰ نہیں بناتا۔ اے کمیل! مال سے کہیں بہتر علم ہے۔ مال کی تمہیں حفاظت کرنا پڑتی ہے اور علم خود تمہاری حفاظت کرتا ہے۔ مال خرچ کرنے سے گھٹتا ہے اور علم خرچ کرنے سے بڑھتا ہی جاتا ہے اے کمیل! دولت کے جمع کرنے والے مر



گئے اور بہتیرے زندگی ہی میں ہلاک ہو جاتے ہیں لیکن علما قیام قیامت تک زندہ ہیں۔ ان کا نام و نشان بقائے عالم تک باقی رہے گا۔ اسی سلسلہ گفتگو میں حضرت نے اپنے سینہ مبارک کی طرف (جو درحقیقت گنجینہ اسرار الہی تھا) اشارہ کر کے فرمایا: ”ہا ان ههنا العلماء جما۔ لو اصيلت له حمله۔ آہ!! اس سینے میں علم کے خزانے بھرے ہوئے ہیں۔ کاش میں اس علم کا کسی کو حامل پاتا اور اسے سپرد کر دیتا۔“ جناب کمیل حضرت امیر المومنینؑ کی طرف سے عراق کے بعض قصبات ہیئت وغیرہ کے بھی حاکم رہے ہیں اور حضرت ان کو موقع بموقع مراسلات کے ذریعہ سے فہمائش اور سیاسی امور کے متعلق ہدایتیں فرماتے رہتے تھے۔ بعض خطوط نہج البلاغہ وغیرہ میں موجود ہیں۔ آپ ہی کو حضرت امیر المومنینؑ نے وہ دعا تعلیم کی تھی جو آج تک دعائے کمیل کے نام سے مشہور و معروف ہے اور جس کے پڑھنے کا بہت ثواب ہے۔ جناب کمیل نے عمر بہت پائی۔ ۸۲ھ میں حجاج ثقفی کے ظلم سے شہید ہوئے۔ مختصر واقعہ شہادت یہ ہے کہ ۸۲ ہجری (غالباً ۷۰۴ء) میں جب حجاج نے عراق پر غلبہ پایا اور کوفے میں داخل ہو کر بے گناہوں کو ظلم و جفا کے ساتھ قتل کرنا شروع کیا اور خاص کر مقدس شیعینان حضرت امیر المومنینؑ چُن چُن کر شہید کئے جانے لگے تو اس نے جناب کمیل کی گرفتاری کا وارنٹ بھی جاری کر دیا۔ اُس وقت یثیم بن الاسود ایک شخص حجاج کے پاس آیا حجاج نے اُس سے پوچھا ”کمیل کا پتہ ہے کہ کہاں ہیں؟“ یثیم نے سفارشانہ لہجہ میں جواب دیا کہ ”کمیل تو ایک بڑھے ضعیف شخص ہیں وہ اپنے گھر سے باہر نکلنے کے لائق بھی نہیں ہیں۔“ مگر حجاج نے اس کے جواب پر کوئی توجہ نہیں کی اور کمیل کی تلاش شروع کر دی۔ کہتے ہیں کہ وہ حجاج کے ظلم کے خوف سے چھپ رہے اور ان کی قوم نے حجاج کو ان کا پتہ نہیں لگنے دیا۔ اس پر حجاج نے



غضب ناک ہو کر ان کے پورے کنبے کی آمدنی روک دی اور سب کے وظیفے بند کر دیئے۔ جناب کمیل نے جب یہ خبر سنی تو ہمت اور قومی جوش سے کہنے لگے۔ ”میں ایک پیر ضعیف ہوں۔ میرے تو یوں بھی مرنے کے دن آگئے ہیں۔ مجھ سے یہ ممکن نہیں کہ اپنی ایک جان بچا کر اپنی قوم کو سختی اور پریشانی میں مبتلا کروں۔“ یہ کہہ کر وہ اٹھے اور خود حجاج کے پاس آکر حاضر ہو گئے۔ حجاج نے ان کو دیکھ کر سخت کلامی اور درشتی شروع کی، جناب کمیل نے بھی ویسا ہی برابر کا جواب دیا اور اس کو ظلم و ستم سے باز رہنے اور خدا سے ڈرنے کی نصیحت کی پھر کہا ”حجاج! میری عمر کا اب بہت تھوڑا ہی حصہ باقی رہ گیا ہے لیکن اب تیرے قبضے میں ہوں۔ تیرا جو کچھ جی چاہے میرے ساتھ کر گزر۔ مجھے اس کی کچھ پروا نہیں کیونکہ میرا اور تیرا معاملہ خدا کے سپرد ہے۔ تیرا حساب و کتاب کل قیامت کے دن حاکم حقیقی کے روبرو ہوگا۔ حجاج! تو جو کچھ میرے ساتھ ارادہ رکھتا ہے مجھے خوب معلوم ہے۔ مجھے حضرت امیر المومنین علیؑ نے آج سے بہت پہلے اس کی خبر دے رکھی ہے کہ تو مجھے قتل کرے گا۔“ حجاج غضبناک ہو کر بولا ”ہاں میں تجھے ضرور قتل کروں گا۔ تو حضرت عثمان کے مخالفین سے ہے۔“ غرض جلاؤ کو حکم دیا گیا کہ کمیل کی گردن مار دے۔ چنانچہ اسی وقت مظلوم کمیل قتل کر دیئے گئے اور جیسا کہ حضرت امیر المومنینؑ نے پیشین گوئی فرمادی تھی لفظ بہ لفظ صحیح واقع ہوئی اور آپ شہادت کے درجے پر فائز ہو گئے۔

## کمیل کی ولادت:

جناب کمیل کو نے کے باشندے تھے، وہیں آپ کی پیدائش ہوئی وہیں پروان چڑھے اور وہیں اقامت پذیر رہے البتہ شیخ عباس قتی جیسے جلیل القدر



محدث نے آپ کو یمنی لکھا ہے۔ (نتہی الامال جلد ۱، صفحہ ۱۵۳) اور ہو سکتا ہے آپ نسلاً یمنی ہوں لیکن آپ کے والدین کو فے میں آباد ہو گئے ہوں اور وہیں آپ کی پیدائش ہوئی ہو۔

مورخین نے واضح الفاظ میں آپ کا سنہ ولادت تو تحریر نہیں فرمایا البتہ بعض قابل قدر مورخین کی معتبر کتابوں سے پتہ چلتا ہے کہ آپ حضرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ میں ہی پیدا ہو چکے تھے اور سن شعور کو بھی پہنچ چکے تھے۔ چنانچہ شیخ عباس قمی نے تحریر فرمایا ہے کہ:

جناب کمیل کو ۷۳ ہجری میں حجاج بن یوسف ثقفی نے شہید کیا اور اس وقت آپ کا سن ۹۰ سال تھا۔ (ملاحظہ ہو نتہی الامال جلد ۱، صفحہ ۱۵۴ مطبوعہ ایران)

شیخ عباس قمی کے علاوہ بھی بعض انتہائی قابل قدر محققین نے اپنی تصنیفات میں یہ تصریح فرمائی ہے کہ جناب کمیل حضرت رسول خدا کے زمانے میں پوری طرح باشعور اور خوب ہوشیار تھے (تاریخ آئمہ صفحہ ۲۴۲)

اور جناب شیخ عباس قمی کے اس قول سے بھی جس میں انھوں نے فرمایا ہے کہ جناب کمیل ۷۳ ہجری میں شہید ہوئے اور اس وقت اُن کی عمر ۹۰ سال تھی۔ یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ آپ کی ولادت ہجرت پیغمبر اکرم سے سات سال قبل ہوئی تھی۔ لہذا وفات پیغمبر اسلام کے وقت آپ کی عمر ۱۷، ۱۸ سال کے درمیان قرار پاتی ہے۔ اور ۱۷، ۱۸ سال کے انسان کے بارے میں بجا طور پر شعور اور خوب ہوشیار کا لفظ استعمال کیا جاسکتا ہے۔

البتہ کسی تاریخ سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ آپ خدمت پیغمبر میں شرفیاب ہو سکے یا نہیں، اور اگر شرفیاب ہوئے تو کس سنہ میں۔

اور شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ آپ عراق کے رہنے والے تھے جہاں آفتاب

## اصحابِ امیر المومنین ۵۳۱

اسلام کی شعائیں تو ضرور پہنچیں اور جنابِ کمیل حلقہ بگوش اسلام بھی ہوئے۔ لیکن یہ بھی واضح ہے کہ اس زمانے میں آمد و رفت اتنی آسان نہ تھی اور نہ وسائل سفر اس قدر فراوان تھے جتنے اب ہیں۔ اور اس لئے جنابِ کمیل جو ابھی کمسنی کی حدود ہی میں تھے مدینہ تشریف نہ لاسکے ہوں۔

اور کیا بعید ہے کہ آپ خدمتِ رسولؐ میں حاضر ہوئے ہوں لیکن کسی وجہ سے اُن کا تذکرہ تاریخ کے صفحات پر نہ آسکا ہو۔ یا کسی مورخ نے بیان کیا ہو جو حالاتِ زندگی لکھنے والوں کی نگاہ سے نہیں گزرا اور اللہ اعلم بالصواب۔

### نام و نسب

آپ کے نام و نسب کو مورخین نے مختلف لفظوں میں بیان کیا ہے۔ علامہ ذہبی یوں بیان کرتے ہیں کہ: کمیل بن زیاد بن نہیک بن ابیہثم الغنوی (ملاحظہ ہو رجالِ امامت جلد ۲، صفحہ: ۶۲ بعد از صفحہ: ۳۶۸) (قدیم) اور علامہ مجلسی نے ابن ابی الحدید معزلی کے حوالے سے آپ کے سلسلہ نسب کو یوں تحریر فرمایا ہے کہ:

کمیل بن زیاد بن نہیک بن ہیشم بن مالک بن حرب۔ (علامہ مجلسی کی بحار الانوار جلد ۴۲ صفحہ: ۱۶۳، طبع جدید بحوالہ شرح منہج البلاغہ ۴، صفحہ: ۲۲۷) لیکن علامہ شیخ عبد اللہ مامقانی اپنی شہرہ آفاق تصنیف ”تنقیح المقال“ جس کو ”رجالِ مامقانی“ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، اور جسے علم رجال میں اس قدر عظمت و جلالت حاصل ہے کہ ابتداءً زمانِ نبیت سے اس صدی تک علم رجال میں جتنی بھی کتابیں لکھی گئی ہیں۔ اُن میں ”رجالِ مامقانی“ ایک درِ شہوار اور گوہر یگانہ کی حیثیت رکھتی ہے اور علما و مجتہدین اپنی فقہی و اجتہادی پیچیدگیوں اور احادیث و روایات کی گتھیوں کو سلجھانے کے لئے اس کتاب سے کبھی بے نیاز

## اصحاب امیر المومنین ۵۳۲

نہیں رہے اور اگر یہ کہا جائے تو ہرگز مبالغہ نہیں ہوگا کہ سابق زمانے میں اس فن میں جو کتابیں تحریر کی گئی ہیں۔ ان میں سے ”رجال مامقانی“ ایک ایسی نادر روزگار کتاب ہے جس کی موجودگی بیشمار دوسری کتابوں سے ہمیں بے نیاز کر دیتی ہے، لیکن سابقہ دوسری کسی بھی کتاب کی موجودگی، ایک عالم وفقیہ کو رجال مامقانی سے بے نیاز نہیں کر سکتی۔

کسی شک و شبہ کے بغیر یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ علامہ مامقانی نے جس محنت و جاہ فشانی اور زحمت و عرق ریزی کے ساتھ اس کتاب کی تدوین فرمائی ہے، اور جس طرح آپ نے علم رجال کی گتھیوں کو سلجھانے، شکوک و شبہات کو زائل کرنے اور ناقدین کی موشگافیوں کو رد کرنے کی کوشش کی ہے، وہ لائق تحسین ہے جیسا کہ ہم آئندہ صفحات پر بھی اس کی طرف اشارہ کریں گے۔

بہر حال علامہ مامقانی نے کتاب تنقیح المقال میں علامہ ابن ابی الحدید معترلی کے حوالے سے جناب کمیل کا جو سلسلہ نسب بیان کیا ہے وہ یہ ہے۔

کمیل بن زیاد بن ہبل بن یثیم بن سعد بن مالک بن الحرث بن صہبان بن سعد بن مالک بن النخع بن عمرو بن غلہ بن خالد بن مالک بن داؤد

(تنقیح المقال جلد ۲، صفحہ: بعد از صفحہ: ۳۶۸ طبع قدیم)

جناب کمیل کا تفصیلی نسب نامہ علامہ مجلسی نے بھی ابن ابی الحدید ہی کے حوالے سے بحار الانوار میں تحریر فرمایا ہے جس کا ہم سابق میں حوالہ دے چکے ہیں اور جناب علامہ عبد اللہ مامقانی نے بھی ابن ابی الحدید ہی کے حوالے سے اپنی کتاب تنقیح المقال میں تحریر فرمایا ہے، جیسا کہ ہم نے ابھی ذکر کیا لیکن دونوں میں فرق یہ ہے کہ علامہ مجلسی علیہ الرحمہ نے۔

کمیل بن زیاد بن ہبل تحریر فرمایا ہے۔





اسی طرح آگے چل کر علامہ مجلسی نے جناب کمیل کے سلسلہ نسب میں جو نام تحریر فرمائے ہیں اُن میں۔

سعد بن مالک بن حرب تحریر ہے جب کہ علامہ مامقانی نے سعد بن مالک بن الحرث لکھا ہے۔

نیز ایک فرق یہ ہے کہ علامہ مجلسی نے سلسلہ نسب کو مالک بن حرب تک پہنچ کر ختم کر دیا ہے جب کہ علامہ مامقانی نے اس سلسلہ کو آگے بڑھاتے ہوئے۔

مالک بن الحرث بن صہبان بن سعد بن مالک بن التثع بن عمرو بن غلثہ بن خالد بن مالک بن داؤد پر ختم کیا ہے۔

لیکن یہ بات زیادہ قابل بحث اس لئے نہیں ہے کہ مورخین میں سے بعض اختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے سلسلہ نسب کے ۲-۱۳ اشخاص کا ذکر کر کے آگے بڑھ جاتے ہیں جیسا علامہ ذہبی نے صرف کمیل بن زیاد بن ہبیک بن الہیثم النخعی لکھا ہے اور بعض قدرے تفصیل سے بیان کرتے ہیں جیسا کہ علامہ مجلسی نے تحریر فرمایا ہے البتہ بعض مورخین اور اہل علم کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ سلسلہ نسب میں جتنے نام ہیں سب کو ذکر کر دیا جائے تاکہ جو جوار باب فن اس باب میں تحقیق کرنا چاہیں اُن کے لئے سہولت پیدا ہو جائے۔

اور ہو سکتا ہے کہ علامہ مامقانی نے اسی مقصد کے پیش نظر اُن تمام ناموں کو سپرد قلم کر دیا جو اُن کو جناب کمیل کے سلسلہ نسب میں معلوم ہو سکے۔

علامہ مجلسی نے کتاب بحار الانوار میں جناب کمیل کا جو سلسلہ نسب بیان کیا وہ انھوں نے ابن ابی الحدید معتزلی کی کتاب ”شرح نہج البلاغہ“ سے نقل کیا تھا اور علامہ مامقانی نے کتاب تنقیح المقال میں جناب کمیل کا جو سلسلہ نسب بیان کیا انھوں نے بھی ابن ابی الحدید معتزلی کی کتاب ”شرح نہج البلاغہ“ کے اُسی حصے



سے نقل کیا ہے جس سے علامہ مجلسی نے نقل کیا تھا لیکن اس کے باوجود دونوں کے بیان کردہ سلسلہ نسب ایک دوسرے سے کافی مختلف ہیں۔

ابن ابی الحدید کی اصل عبارت دیکھی جائے تاکہ یہ فیصلہ کیا جاسکے کہ علامہ مجلسی نے جو سلسلہ نسب ذکر کیا ہے وہ مطابق اصل ہے یا علامہ مامقانی نے جو تحریر فرمایا ہے مطابق اصل ہے۔

لیکن جب شرح نہج البلاغہ کا وہ حصہ سامنے آیا جہاں کمیل کا سلسلہ نسب بیان کیا گیا ہے اور جس کو ہمارے دونوں بزرگوں نے نقل فرمایا ہے تو اصل عبارت دونوں حضرات کی نقل کردہ عبارت سے مختلف نظر آئی۔

ابن ابی الحدید کی کتاب شرح نہج البلاغہ کا وہ ایڈیشن جو ۱۹۶۳ء میں مصر سے دار احیاء الکتب العربیہ نے شائع کیا ہے اس کی جلد ۷ کے صفحہ ۱۳۹ پر جناب کمیل کا سلسلہ نسب ان الفاظ میں تحریر ہے۔

کمیل بن زیاد بن سہیل بن ہشیم بن سعد بن مالک بن الحارث بن صہبان بن سعد بن مالک بن النقع بن عمرو بن وعلہ بن خالد بن مالک بن اودہ۔

یہ ہے ابن ابی الحدید معترلی کی اصل عبارت جسے علامہ مجلسی نے بھی نقل فرمایا۔ اور علامہ مامقانی نے بھی لیکن یہ سلسلہ نسب ان دونوں بزرگوں کے ذکر کردہ سلسلہ نسب سے کافی مختلف ہے۔ اور چونکہ ان دونوں حضرات نے اسی عبارت کا حوالہ دیا ہے لہذا یہ اصل عبارت ہی جناب کمیل کے سلسلہ نسب میں زیادہ قابل اعتبار قرار پائے گی۔

قارئین کرام کو حیرت ہوگی کہ ابن ابی الحدید معترلی کی عبارت کو دو انتہائی جلیل القدر بزرگوں نے اپنی کتاب میں جگہ دی۔ لیکن دونوں کی عبارت آپس میں مختلف ہونے کے ساتھ ساتھ دونوں ہی عبارتیں اصل کتاب سے بھی مختلف نظر

آئیں۔ ایسا کیوں ہے؟

تو اس کی بنیادی وجہ میں ایک وجہ تو یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک غیر معصوم تھا اور غیر معصوم کسی بھی منزل پر غلطی کر سکتا ہے۔ اور ہم اسی لئے بنیادی طور پر یہ نظریہ رکھتے ہیں کہ ہمارا قائد، ہادی، رہنما اور پیشوا وہی ہو سکتا ہے جو معصوم ہو، جس سے کسی وقت غلطی کا اندیشہ نہ ہو باقی جتنے غیر معصوم اشخاص ہیں سب غلطی کر سکتے ہیں۔

اور دوسری وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ سابقہ زمانے میں طباعت اور پریس کا اعلیٰ انتظام موجود نہیں تھا جواب دنیا بھر میں نظر آتا ہے۔

اس زمانہ میں کتابیں جانوروں کی کھال، درختوں کی چھال، پتوں کپڑوں اور پتھروں وغیرہ پر لکھی جاتی تھیں۔ جن پر وہ خوبصورت تحریر نقش نہیں ہو سکتی جو آج کل ”آرٹ پیپر“ یا دوسرے نفیس کاغذات پر نظر آتی ہے، حروف خمیدہ اور پڑیچے ہوتے تھے۔ جس کی وجہ سے انھیں دوسری جگہ نقل کرنے میں غلطی کا بہت زیادہ اندیشہ رہتا تھا، اور ہر نقل کرنے والا جس حرف کو جس طرح پڑھتا تھا، اسی طرح اپنی کتاب میں قلمبند کر لیتا تھا۔

پھر یہ کہ حروف پر نقطے لگانے کا بھی بہت کم رواج تھا، اور یہ چیز تو اس صدی کے آغاز تک نظر آتی ہے، آپ آج سے ۷۰، ۸۰ برس قبل کے بزرگوں کے خطوط اٹھا کر دیکھیں انھیں بہت کم نقطے نظر آئیں گے۔

اس لئے نقطوں کی عدم موجودگی بھی بہت سی غلطیوں اور غلط فہمیوں کا سبب بنتی تھی چنانچہ آپ دیکھتے ہیں کہ جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کی شہادت دونوں تاریخوں میں منائی جاتی ہے۔ ۱۳ جمادی الاولیٰ اور ۲ جمادی الثانیہ۔

ظاہری بات ہے کہ جناب سیدہ کی شہادت یا ۱۳ جمادی الاولیٰ کو واقع ہوئی



ہوگی، یا ۳ جمادی الثانیہ کو یہ تو ناممکن ہے کہ دونوں ہی تاریخیں صحیح ہوں، یقیناً کوئی ایک ہی صحیح ہے لیکن کوئی تاریخ صحیح ہے؟ یہ فیصلہ کرنا بہت مشکل ہے۔  
اور یہ فیصلہ کرنا اس لئے مشکل ہے کہ آپ کی وفات کے بارے میں مورخین نے تحریر فرمایا ہے کہ:

آپ نے رسول خدا کی رحلت کے ۷۵ یا ۹۵ دن کے بعد انتقال فرمایا، اور ۷۵ کے لئے عربی زبان میں ”خمسة وسبعین“، بولتے ہیں جب کہ ”۹۵“ کے لئے ”خمسة وتسعين“ استعمال کرتے ہیں۔

اب اگر ان دونوں عبارتوں پر سے نقطے ہٹا دیئے جائیں تو ”خمسة وسبعین“ اور ”خمسة وتسعين“ میں امتیاز دینا بہت مشکل ہو جائے گا، خصوصاً اس لحاظ سے کہ طباعت کا مناسب انتظام نہ ہونے کی وجہ سے اکثر حروف نوک پلک سے محروم رہتے تھے۔

اسی لئے روایات میں جب ”خمسة وسبعین“ نظر آیا تو بعض لوگوں نے اُسے ”خمسة وسبعین“ (۷۵) پڑھا اور کچھ نے خمسة وتسعين (۹۵) اور اس طرح دو تاریخیں رائج ہو گئیں۔ اگرچہ زیادہ تر اہل تاریخ و تحقیق نے ۹۵ دن والے قول کو ترجیح دی ہے جس کے حساب سے جناب سیدہ کی وفات ۳ جمادی الثانیہ قرار پائی ہے۔

## گمیل کی سیرت و کردار

کسی شک و شبہ کے بغیر یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ اسلام کی نگاہ میں کسی بھی انسان کی عظمت و جلالت اس کی مادی شان و شوکت میں ہرگز مضمر نہیں ہے، بلکہ دین و مذہب کے نقطہ نظر سے وہی شخص سب سے زیادہ عزت و احترام کا مستحق ہے جس کی سیرت و کردار سب سے بہتر ہو، جس کے دل میں فرائض کا احساس



سب سے زیادہ ہوا اور جس کا قلب خوفِ خدا سے سب سے زیادہ معمور ہو۔ جیسا سورہ مبارکہ الحجرات میں خالق کائنات نے بہت واضح لفظوں میں اعلان فرمایا کہ:

(تم لوگوں میں سے، خدا کے نزدیک سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے)

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی  
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے  
اور مولائے کائنات نے تو کسی انسان کی قیمتِ حیات صرف اس کی نیکیوں کو  
قرار دیا ہے چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں:

(ہر انسان کی قیمتِ حیات، اس کی نیکیاں ہیں)

یعنی جس انسان کی نیکیاں زیادہ ہوں اس کی زندگی کی قدر و قیمت بھی زیادہ ہے، لہذا جس کی ذات سے کسی قسم کی نیکی وابستہ نہ ہو، اس زندگی کی کوئی قیمت بھی نہیں ہے، اور جس کی زندگی گونا گوں نیکیوں سے آراستہ ہے، اس کی قدر و قیمت اتنی زیادہ ہے کہ اگر ترازو کے ایک پتلے میں اس کو رکھا جائے اور دوسرے پتلے میں ساری دنیا کے موتی و جواہرات رکھ دیئے جائیں تب بھی وہی پتلا بھاری رہے گا جس میں وہ خود موجود ہو۔ اور جو انسان پوری کائنات پر اپنی نیکیاں بچھا کر کر رہا ہو وہ تو ایک ایسا انمول ہیرا ہے جس کے مقابلے پر تمام ہیرے و جواہرات سنگریزے کی حیثیت رکھتے ہیں۔

اس میں کوئی کلام نہیں کہ سیرت و کردار کے اعتبار سے جناب کمیل اس بلند درجے پر فائز ہیں کہ جناب امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام کے انتہائی مقرب خاص صحابی قرار پائے اور مولائے کائنات کو ان کی ذات پر اتنا اعتماد تھا کہ آپ نے جناب کمیل کو اپنے انتہائی باوفا اور قابلِ اعتماد انصار میں سے قرار دیا



ہے، چنانچہ جناب ابن طاووس کتاب کشف المحجۃ کے صفحہ: ۷۳ پر تحریر فرماتے ہیں کہ:  
روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ:

جناب امیر المومنین علی بن ابی طالبؑ نے اپنے منشی جناب عبداللہ بن ابی رافع سے کہا کہ:

میرے دس (باوفا) قابل اعتماد ساتھیوں کو بلا لاؤ۔  
تو عبداللہ بن ابی رافع نے عرض کی ”مولا! ان کے نام بھی بتادیں تو مولانا  
ارشاد فرمایا کہ:

اصح بن نباتہ، ابو طفیل عامر بن واہلہ کنانی، زید بن جیش، جویرہ بن مسہر،  
خندف بن زہیر، حارث بن مصرف، حارث اعور، علقمہ بن قیس، کمیل بن زیاد اور  
عمیر بن زرارہ کو بلا لاؤ۔ (الوسائل جلد نمبر ۲ صفحہ: ۸۹ و تنقیح المقال، علامہ عبداللہ مامقانی  
جلد ۲، صفحہ: ۳۲)

مولائے کائنات کا جناب عبداللہ بن ابی رافع سے کہنا کہ میرے دس قابل  
اعتماد ساتھیوں کو بلاؤ، اور پھر عبداللہ بن ابی رافع کے سوال پر ان دس قابل اعتماد  
اصحاب کا نام لینا اور ان میں جناب کمیل کو بھی شمار کرنا جناب کمیل کی عظمت و  
جلالت، اور ان کی قدر و منزلت کا اندازہ لگانے کے لیے بہت کافی ہے، غور  
کیجئے۔ کہ جس جلیل القدر ہستی کے بارے میں مولائے کائنات یہ فرمادیں کہ:  
”یہ میرا قابل اعتماد ساتھی ہے“

اس کے مرتبے تک کون پہنچ سکتا ہے.....؟ اور یہی وجہ ہے کہ:  
اگر کسی مولف نے جناب کمیل کی عظمت و جلالت اور حدیث میں ان کی  
وثاقت (قابل اعتبار ہونے) کے بارے میں تردد و تامل کیا تو دریاے علم رجال  
کے شناور علامہ عبداللہ مامقانی نے جن کی مشہور زمانہ کتاب ”تنقیح المقال“ کو علم



رجال کی ان تمام کتابوں پر فوقیت و برتری حاصل ہے جو غیبتِ امامؑ سے اس صدی تک لکھی گئی ہیں۔

جناب کمیل کے بارے میں اس ترذو و تامل کو بہت برا سمجھا، اور فرمایا کہ:  
(یعنی جناب کمیل کے بارے میں اس قسم کا ترذو و تامل دنیا کا انتہائی نادر عجوبہ ہے، کیونکہ جناب کمیل کی عدالت تو ایسی مشہور عالم بات ہے کہ خالص گھریلو پردہ نشین خواتین بھی جو عام طور پر بیرونی دنیا کے حالات سے ناواقف ہوتی ہیں لیکن جناب کمیل کی عظمت و جلالت کی جاں نثاری و فاداری اور تقویٰ و پرہیزگاری سے باخبر ہیں اور مخالف و موافق تمام حضرات اس کے معترف ہیں۔“

(نتیجہ المقال جلد ۲، صفحہ: ۴۲ بعد از صفحہ: ۳۶۸)

اور اس کے بعد علامہ موصوف نے جناب کمیل کے بارے میں ذہبی جیسے انتہائی متعصب مؤرخ کا قول نقل کیا ہے جو اہل بیتؑ اور ان کے ماننے والوں کی عداوت و دشمنی میں خصوصی شہرت رکھتے ہیں لیکن اس کے باوجود انھوں نے جناب کمیل کی عدالت اور ان کی عظمت و جلالت کا اعتراف کرتے ہوئے کہا ہے کہ:

جناب کمیل غنی نے حضرت علیؑ سے بھی حدیثیں نقل کی ہیں اور ان کے علاوہ دوسرے (بزرگانِ دین) سے بھی آپ جنگِ صفین میں بھی حضرت علیؑ کے ساتھ تھے۔ آپ صاحبِ شرف اور متقی و پرہیزگار عبادت گزار شیعہ تھے، لوگ آپ کے تابع فرمان تھے۔ آپ کی حدیثوں کی تعداد کم ہے۔ آپ کو حجاج (بن یوسف) نے شہید کیا۔ ”آپ صدوق و ثقہ و بزرگ اور اپنے قبیلہ فحج کے رئیس و سردار تھے، حضرت علیؑ کے جہادوں میں شریک اور جنگِ صفین میں حضرت کی فوج کے نام آور بہادروں میں تھے، حضرت علیؑ کو کل صحابہ پر فضیلت دیتے تھے۔“

(تاریخ ائمہ صفحہ: ۲۴۲ حالات جناب کمیل)

پھر جس کی صداقت و عدالت کی غیر بھی گواہی دیں اس کے ثقہ و عادل ہونے



میں کے کلام ہو سکتا ہے اور صداقت و عدالت تو وہ بنیادی صفات ہیں جن کے تحت نہ جانے کتنی نیکیاں شامل ہیں، کیونکہ علمائے کرام نے عدالت کے معنی یہ بیان کئے ہیں کہ:

انسان شریعتِ مقدسہ کے واضح راستے پر اس طرح ثابت قدمی کے ساتھ چلے کہ کوئی فریضہ چھوٹے نہ پائے اور کسی نافرمانی کی طرف قدم نہ بڑھے۔  
(منہاج الصالحین جلد ۱ مطبوعہ نجف)

اور جس مومن میں صداقت و عدالت جیسی اعلیٰ انسانی و ایمانی صفات جمع ہو جائیں وہ اگر اپنی ان خوبیوں کی وجہ سے اپنے پورے قبیلے کا سردار مان لیا جائے تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے، جب کہ شاعرِ مشرق علامہ اقبالؒ تو ان صفات کو پوری کائنات پر حکمرانی کی شرائط میں سے قرار دیتے ہیں۔ (چنانچہ ان کا یہ مشہور شعر ہے کہ:)

سبق پھر پڑھ شجاعت کا سخاوت کا صداقت کا عدالت کا  
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

## منصبِ حکومت

سرزمین عراق جو ہمارے چھ اماموں کے مدفن اور امام زمانہ کی جائے غیبت ہونے کے اعتبار سے اہل ایمان کے نزدیک ایک خصوصی منزلت رکھتی ہے اور جہاں سال کے تمام دنوں میں زائرین اور عقیدت مند ان اہل بیتؑ کا تائبندھا رہتا ہے، خصوصاً سال کے بعض دنوں میں..... جنہیں وہاں کی اصطلاح میں ”مخصوصی“ کہا جاتا ہے۔ سارے ملک کے باشندے، ایک سیل رواں کے مانند ائمہ اطہار کے مزارات مقدسہ کی طرف اُمڈ آتے ہیں، ایک پُر کیف منظر ہوتا ہے جس کا نکھار ہر طرف نظر آتا ہے اور موالیان اہل بیتؑ کے دلوں کو مسرت و





شادمانی سے سرشار کرتا رہا ہے۔

مولائے کائنات کے دار الخلافہ ہونے کی حیثیت سے اس سرزمین کو اہل ایمان کے ساتھ ایک خصوصی وابستگی حاصل ہے، اس کے موجودہ پایہ تخت ”بغداد“ سے جنوب کی طرف تقریباً ایک سو میل کے فاصلے پر ایک شہر آباد ہے جس کا نام ”کوفہ“ ہے یہیں وہ تاجدار امامت حکمرانی کے فرائض انجام دیتا تھا، جس کا تعاؤف شاعر مشرق علامہ اقبال نے ان لفظوں میں کرایا ہے:

مُسلمِ اَوَّلِ شِہِ مرداں علیؑ  
عشقِ راسرماۓِ ایماں علیؑ

اور جن کی ذاتِ اقدس سے جناب اقبال کو اتنی عقیدت و محبت تھی کہ انھوں نے کسی قسم کا خوف و خطر محسوس کئے بغیر، بباغ و دل یہ اعلان کر کے سب کو چونکا دیا کہ:

پوچھتے کیا ہو مذہبِ اقبال  
یہ گنہگار بو ترابی ہے

کوفہ سے کافی فاصلے پر ایک شہر آباد ہے جس کا نام ”انباری“ ہے اس سے تھوڑا آگے چلیں، تو اسی نہر پر فرات کے کنارے..... جس پر کوفہ آباد ہے، ایک شہر نظر آئے گا جس کا نام ”ہیت“ ہے..... جناب کمیل اسی شہر میں مولائے کائنات کی جانب سے گورنر تھے اور مولا کی طرف سے اس عظیم منصب کے لئے آپ کا انتخاب اس بات کی دلیل ہے کہ آپ کے اخلاق و مزاج، سیرت و کردار، علم و معرفت، ایمان و تقویٰ، تقدس و پارسائی اور حق گوئی و حق شناسی پر جناب امیر کو بہت اعتماد تھا، چنانچہ علامہ ماسقانی نے جناب کمیل کے بارے میں بعض موفقیں کے شکوک و شبہات کا دفاع کرتے ہوئے بجا طور پر فرمایا ہے کہ:

”جیسا کہ ابن ابی الحدید معتزلی کی زبانی آپ سنیں گے۔ اور خود نوح البلاغہ میں



بھی موجود ہے کہ جناب کمال حضرت علی امیر المومنین علیہ السلام کی جانب سے شہر ”ہیت“ کے حاکم تھے اور جناب امیر کا ان کو ”ہیت“ کا حاکم بنانا ہی اس بات کی عظیم الشان دلیل ہے کہ آپ زیور عدالت سے آراستہ و پیراستہ تھے، کیونکہ یہ تو سوچا ہی نہیں جاسکتا کہ حضرت علی علیہ السلام کسی ایسے شخص کو اپنی جانب سے مسلمانوں کا حاکم بنا کر بھیجیں جو ان کے جان و مال اور عزت و ناموس شرعی، فروعی مسائل، باہمی تنازعات اور انتظامی امور کے سلسلہ میں قابل اعتماد، عادل اور دیانتدار نہ ہو۔ (تنقیح المقال جلد ۲، صفحہ ۳۲۰ بعد از صفحہ ۳۶۸)

کیونکہ اس زمانے میں، شہر کوفہ میں تو خود جناب امیر تشریف فرماتے لیکن دوسرے شہروں میں آپ جس کو حاکم بنا کر بھیجتے تھے، وہ امام کا نمائندہ اور نائب خاص ہوتا تھا۔ اور واضح سی بات ہے کہ امام عالی مقام صرف اسی شخص کو اپنا نمائندہ اور نائب بنا کر بھیج سکتے ہیں جو عادل بھی ہو امانت دار بھی قابل اعتماد بھی وفادار بھی، مخلص بھی ہو جاں نثار بھی، سماجی و معاشرتی امور کا منتظم بھی ہو تجربہ کار بھی، خوش مزاج بھی ہو اور باکردار بھی..... اور جب یہ صفات حمیدہ اور خصائص پسندیدہ کسی شخص میں جمع ہو جائیں، تب وہ اس لائق بنا ہے کہ نگاہ معصوم اُسے منتخب کر کے، کوئی ذمہ داری اُسے سونپ دے۔

## حفاظتی امور کی اہمیت

مولائے کائنات امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام کا طرز حکومت یہ تھا کہ آپ اپنے نمائندوں، گورنروں، والیوں اور عاقلوں پر انتہائی سخت نگرانی رکھتے تھے کہ کہیں اُن سے کوئی ایسی لغزش نہ ہونے پائے جو معاشرے کے لئے مضرت رساں یا مسلمانوں کے لئے نقصان دہ ہو، اور اُن لوگوں کی چھوٹی چھوٹی غلطیوں پر بھی انتہائی شدید مواخذہ کرتے تھے، کیونکہ ان کی یہ غلطیاں اگرچہ



انفرادی سطح پر دیکھی جائیں تو بہت معمولی نظر آتی ہیں، لیکن چونکہ وہ لوگ امام کے نمائندے اور مسلمانوں کے امور کے نگراں تھے، اس لئے ان کی معمولی غلطیاں بھی اجتماعی طور پر بڑے بڑے نتائج کا پیش خیمہ ثابت ہو سکتی تھیں۔

اور یہی وجہ ہے کہ جناب امیر المومنینؑ کے ایک نمائندے جناب عثمان بن حنیف انصاری..... جو آپ کے انتہائی مقرب بارگاہ اصحاب میں شمار ہوتے ہیں..... اور بصرہ میں آپ کی جانب سے ”گورز“ بنا کر بھیجے گئے تھے۔ جب بصرہ پہنچے اور وہاں بعض ثروت مند اشخاص کے بلائے پر ایک دعوت میں شریک ہو گئے جس میں بہت انواع و اقسام کے کھانے پیش کئے گئے اور یہ تحقیق کئے بغیر کہ:

جس اشخاص نے انھیں دعوت دی ہے وہ غریبوں کی دادرسی کرتے ہیں یا نہیں اور ان کے حقوق کو ادا کرتے ہیں یا نہیں.....

جناب ابن حنیف نے کھانا کھا لیا، تو امیر المومنین علی بن ابی طالب نے انھیں انتہائی سخت الفاظ میں تادیبی خط لکھا اور تنبیہ کی کہ آئندہ اس قسم کی دعوت میں شرکت نہ کریں (تفصیلات کیلئے ملاحظہ ہو بیج البلاغہ صفحہ: ۵۰۵ باب مکتوب مطبوعہ بیروت)

جناب امیرؑ جب یہ برداشت نہیں فرماتے تھے کہ ان کا کوئی نمائندہ کسی ایسی دعوت میں شرکت کرے جس میں غریبوں کے حقوق کا خیال کئے بغیر، کام و دہن کی لذت کا اہتمام کیا گیا ہو، تو آپ اسے کب پسند کر سکتے تھے کہ آپ کا کوئی نمائندہ سرحدی علاقوں اور مسلمانوں کی آبادی والے مقامات کی حفاظت میں کسی قسم کی غفلت یا کمزوری کا ثبوت دے۔

جناب کمیل کی جانب سے بھی جب سرحدی علاقوں کی حفاظت میں تھوڑی



کمزوری نظر آتی تو باوجود یہ کہ جناب کمیل آپ کے انتہائی باوفا اور جاں نثار اصحاب میں سے تھے، لیکن آپ نے انھیں تنبیہ کرنا ضروری سمجھا۔

چنانچہ ابن ابی الحدید معتزلی شرح منہج البلاغہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ: جناب کمیل حضرت علی علیہ السلام کی جانب سے ”ہیت“ کے عامل (حاکم) تھے اور چونکہ کمزور تھے اس لئے معاویہ کے لشکر اُن کے سرحدی علاقے میں پہنچ کر لوٹ مار کرتے تھے لیکن جناب کمیل ان کا دفاع نہ کر سکے۔

پھر اپنے نقصان کی تلافی کے لئے انھوں نے حضرت علی سے اجازت طلب کی کہ معاویہ کے سرحدی علاقوں جیسے ”قرقیسیا“ وغیرہ اور فرات کے کنارے آباد دوسرے قریوں پر حملہ کر کے بدلہ لے لیں۔

(شرح منہج البلاغہ جلد ۱، صفحہ ۱۳۹، منہاج البراءہ، جلد ۲۰، صفحہ: ۳۵۳)

لیکن حضرت علی علیہ السلام نے ان کو اس بات کی اجازت نہ دی، کیونکہ جن علاقوں پر معاویہ نے تسلط حاصل کر رکھا تھا وہاں بھی مسلمان ہی آباد تھے اور اگر حضرت علیؑ کا کوئی سپاہی ان علاقوں پر حملہ آور ہوتا، تو فتح و شکست سے قطع نظر، جو نقصان ہوتا وہ مسلمانوں ہی کا ہوتا، مسلمان ہی مارے جاتے، مسلمان ہی زخمی ہوتے، اور مسلمانوں ہی کا مال لوٹا جاتا..... اور لوٹنے والے بھی مسلمان ہی ہوتے، حضرت علیؑ اس بات کو کسی قیمت پر بھی قبول کرنے کو تیار نہ تھے کہ مسلمان، آپس میں ایک دوسرے کی جان و مال کے درپے ہوں۔

یہی وجہ ہے کہ جب جناب کمیل نے حضرت علی علیہ السلام کو خط لکھا کہ معاویہ نے میرے بہت سے گاؤں اپنے قبضے میں لے لئے ہیں، آپ مجھے بھی اجازت دیں کہ میں اس کے علاقے پر حملہ کر کے کچھ گاؤں اپنے قبضے میں لے لوں، تو مولائے کائنات نے تحریر فرمایا کہ:

اما بعد!

”آدمی کا اپنے منصب کو ضائع کر دینا اور خود ایسے کام میں پڑ جانا جس سے دوسرے اُسے سبکدوش کر سکتے ہیں واضح کمزوری اور ضعیف رائے ہے قرعیا پر حملہ نہ روکنا اور وہ فوجی چوکیاں جن کی حفاظت پر ہم نے تمہیں مامور کیا ہے۔ انہیں اس طرح چھوڑ دینا کہ کوئی بھی مداخلت کرنے والا، حملہ آور کو روکنے والا نہ ہو، یقیناً ایک ناکام تدبیر ہے اور اس طرح تم دشمنوں کے حملوں کے لئے پُل بن گئے نہ سختی سے ان کی مدافعت کی، نہ ان پر اپنا رعب و دبدبہ قائم رکھنا نہ سرحدوں کی حفاظت کی نہ دشمن کی کسی طاقت کو توڑا اور اس طرح تم نہ تو اپنے علاقے کے لوگوں کو کوئی فائدہ پہنچا سکے اور نہ اپنے حاکم کے فرمان کی تم نے تعمیل کی۔“

(نہج البلاغہ باب الکتاب صفحہ: ۵۴۶-۵۴۷ طبع بیروت)

اور جناب علامہ مرزا حبیب اللہ ہاشمی نے مولائے کائنات حضرت علی بن ابی طالب کے اس مکتوب گرامی کے بارے میں بہت اچھی بات کہی ہے کہ:

”بظاہر مولائے کائنات حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام کی جانب سے یہ سخت تنبیہی خط جناب کمیل کے نام اس وقت بھیجا گیا ہے جب معاویہ کے ساتھیوں نے ”انبار“ نامی شہر میں لوٹ مار مچا کر حسان بن حسان البکری جیسے جلیل القدر صحابی کو قتل کر دیا اس واقعہ سے مولائے کائنات کو سخت صدمہ پہنچا تھا پھر جب اسی اثنا میں جناب کمیل کی جانب سے یہ درخواست پہنچی کہ میں قرعیا پر حملہ کر کے اس لوٹ مار کا بدلہ لو تو اس آتش غم کے شعلوں کی لپیٹ میں جناب کمیل بھی آ گئے۔ (منہاج البراعہ شرح نہج البلاغہ جلد ۲۰، صفحہ: ۳۵۴ مطبوعہ تہران)

البتہ مولانا علی نے جناب کمیل کو جو، تادیبی خط لکھا ہے اس کے دونمیاں پہلو ہیں۔  
۱۔ اپنے نمائندوں کی عمومی نصیحت، خصوصاً وہ نمائندے جو ایسی سرحدوں کے



قریب ہیں جہاں مکار دشمن کی ریشہ و انیاں ہر وقت جاری ہیں۔ ایسی جگہوں پر آپ کے نمائندوں کو بہت چوکس رہنے کی ضرورت ہے تاکہ وہ دشمن کی نقل و حرکت سے باخبر رہیں حملہ آوروں کی کوششوں کو ناکام بنائیں اور اطراف و جوانب کے اُن علاقوں کی جو مولا کی سلطنت کے تحت واقع ہیں، حفاظت میں کسی قسم کی کوتاہی نہ کریں۔

۲۔ اور دوسری بات جس کی طرف مولائے کائنات جناب کمیل کو توجہ دلانا چاہتے ہیں۔ یہ ہے کہ لوٹ مار کا جواب لوٹ مار سے دینا مسلم ممالک اور ایک انصاف پرور اسلامی حکومت کے لئے کسی طرح مناسب نہیں ہے، کیونکہ ہر شہر میں بچے بوڑھے، عورتیں اور ایسے کمزور لوگ بھی ہوتے ہیں جو ظلم و ستم کو ناپسند کرنے کے باوجود کسی ظلم کے دفاع کی قدرت نہیں رکھتے۔ اور اگر عام لوٹ مار ہوگی تو یہ بچے بوڑھے عورتیں اور معذور اشخاص بھی اس کی زد میں آجائیں گے۔

نیز یہ کہ مولا علیؑ کی کبھی یہ سیرت نہیں رہی کہ اگر ان پر کسی نے ظلم کیا تو وہ بھی انتقام لینے کے لئے ظلم کریں۔ بلکہ آپ کی ہمیشہ یہی کوشش رہی کہ ظالم کو اس کے ظلم سے روکیں اور اسے عدل و انصاف کا راستہ قبول کرنے کا پابند بنائیں۔

پھر یہ کہ اہل قرسیا بھی تو خواہ وہ مسلمان ہوں یا کافر زمی، اہل انبار ہی کی طرح حضرت علیؑ کی رعایا میں شامل تھے، اگرچہ اُن پر حاکم شام نے اپنے ظلم و ستم سے تسلط حاصل کر لیا تھا۔ (بحوالہ سابقہ جلد ۲۰، صفحہ ۳۵۴)

پھر آپ اُن پر لشکر کشی کی اجازت کیسے دے سکتے تھے چنانچہ آپ نے واضح الفاظ میں جناب کمیل کو لکھا کہ: دوسرے علاقوں پر حملہ کرنے کے بجائے اپنے علاقوں کی حفاظت پر نظر رکھو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہاری غفلت کی وجہ سے دشمن کو حملہ آور ہونے کا موقع ملے اور اس کے نتیجے میں مسلمانوں کی جان و مال خطرے



میں پڑے۔

## دانش و حکمت کے جواہر پارے

جناب کمیل حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام کے انتہائی وفادار جاں نثار اصحاب میں سے ہیں۔

اور اگر سرحدی علاقوں میں اُن کی کچھ انتظامی کمزوریوں کے باعث حضرت علیؑ نے انہیں تنبیہ و تادیب بھی فرمائی لیکن اس کے باوجود ان کو اپنا انتہائی مخلص و با وفا سمجھتے تھے۔

اسی لئے اکثر فرصت کے اوقات میں جب ساری دنیا خواب غفلت میں پڑی ہوتی تھی۔ آپ جناب کمیل کا ہاتھ پکڑ کر کسی ایسے صحرا یا وادی کی طرف تشریف لے جاتے جہاں آپ دونوں کے علاوہ کوئی تیسرا آدمی موجود نہ ہو۔ اور پھر جناب کمیل کو حکمت و نصیحت کی ایسی ایسی باتیں بتاتے، جو قیامت تک پیدا ہوتے رہنے والے انسانوں کے لئے سرمایہ ہدایت اور توشہ نجات ہیں، اور جو شخص بھی قلب کے اخلاص اور ضمیر کی سچائی کے ساتھ ان کلمات پر غور کرے گا، وہ ان کی عظمت و رفعت اور جامعیت و افادیت نامہ کا اعتراف کئے بغیر نہیں رہ سکتا اور یہ کلمات اس کی زندگی پر ایک ایسا گہرا نقش قائم کریں گے کہ پھر طوفانِ حرارت کبھی بھی اسے صحیح راستے سے نہ ہٹا سکیں۔

ان کلمات میں عقائد کی چٹنگی اور اعمال کی درنگی دونوں ہی باتیں پیش نظر ہیں، امیر المومنینؑ نے پہلے مختصر طریقے سے جناب کمیل کو وہ باتیں بتائی ہیں جو ان کے عقائد و نظریات کی دنیا کے لئے ضروری ہیں اور اس کے بعد وہ باتیں بتائی ہیں جو ان کے سیرت و کردار کی اصلاح کے لئے ناگزیر ہیں۔

چنانچہ علامہ مجلسی نے اپنی مشہور زمانہ کتاب ”بحار الانوار“ میں کتاب بشارت



المصطفیٰ کے حوالے سے مکمل سلسلہ سند کے ساتھ تحریر فرمایا ہے کہ:

”جناب سعید بن زید کہتے ہیں کہ میں نے جناب کمیل سے ملاقات کی اور ان سے حضرت امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام کے فضائل و کمالات کے بارے میں سوال کیا، تو جناب کمیل نے فرمایا:“

۱۔ بحار الانوار کے بارے میں تمام اہل علم اور صاحبان فکر و نظر اس بات سے باخبر ہیں کہ اس میں رطب دیا بس دونوں ہی قسم کی احادیث ہیں، کیونکہ علامہ مجلسی کا منشا صرف یہ تھا کہ ان تمام احادیث کو جو ائمہ کرام کی جانب منسوب ہیں ایک جگہ جمع کر دیں اب یہ صاحبان تحقیق کا فرض ہے کہ ان احادیث کے اسناد و رجال کے بارے میں چھان بین کریں اور جس جگہ علامہ مجلسی نے کسی حدیث کا سلسلہ سند بھی مکمل طور سے بیان کر دیا ہے، وہاں تو صاحبان تحقیق کا کام بہت ہی آسان ہو جاتا ہے کہ ان ناموں کو علم رجال کی کتابوں میں دیکھ کر اطمینان حاصل کر لیں.....

”(اے سعید) کیا یہ بہتر نہیں ہے کہ میں تمہیں حضرت علیؑ کی وہ حکمت کی باتیں بتاؤں جو انھوں نے بطور نصیحت مجھ سے فرمائی تھیں؟..... تاکہ تم بھی ان باتوں سے فائدہ اٹھاؤ اور ان باتوں ہی کے ذریعہ امام کے مرتبے کو بھی سمجھو؟) تو میں نے کہا کہ ہاں ضرور فرمائیے! تو جناب کمیل نے فرمایا کہ: مولائے کائنات نے ایک روز مجھے نصیحت کرتے ہوئے فرمایا“

”اے کمیل ہر روز خدا کا نام لیا کرو، اسی سے ہر طاقت و قوت کی درخواست کرو، اسی پر بھروسہ رکھو، پھر ہمارا ذکر کرو ہم سب کا نام لے لے کر ہم (آل محمد) پر درود و سلام بھیجو، اور خداوند عالم کی پناہ اور اسی سے حفاظت کی درخواست کرو..... تو دن بھر بلاؤں سے محفوظ رہو گے۔“

”اے کمیل خدا پیغمبر کا معلم ہے، پیغمبر میرے معلم ہیں، اور میں مومنین کا





معلم ہوں اور میں ہی صاحبان ایمان کو سابقہ بزرگان دین کی تعلیمات سے بھی آشنا کروں گا۔“

”اے کمیل میں ہر علم کی راہوں کو شگافتہ کر دوں گا، اور تمام اسرار و رموز قائم آل محمدؐ پر ختم ہو جائیں گے۔“

”اے کمیل جب کھانا کھاؤ تو بسم اللہ کہا کرو، کیوں کہ نام خدا میں تمام بیماریوں سے شفا ہے۔“

”اے کمیل اپنے کھانے میں دوسروں کو بھی شریک کرو بغل نہ کرو کیونکہ رازق تم نہیں ہو بلکہ خدا ہے، البتہ اگر اپنے کھانے میں دوسروں کو شریک کرو گے، تو پیش پروردگار اجر و ثواب کے مستحق قرار پاؤ گے۔“

”اے کمیل اپنے اخلاق عمدہ رکھو اپنے ہم نشین کے لئے کشادہ دلی کا مظاہرہ کرو، اور اپنے خدمت گار سے بھی سخت لہجے میں بات نہ کرو۔“

”اے کمیل کھانے سے اپنے معدے کو لبالب نہ بھرو بلکہ کچھ پانی کی جگہ اور ہوا کی گنجائش باقی رہنے دو۔“

”اے کمیل، کھانا سامنے آئے تو اُس میں نکتہ چینی نہ کرو کیوں کہ حضرت رسولؐ خدا کبھی کھانے کے بارے میں نکتہ چینی نہیں کرتے تھے (بلکہ اگر پسندیدہ ہوتا تھا تو تناول فرماتے تھے، ورنہ خاموش رہتے تھے)۔“

”اے کمیل، کم کھانے پینے میں تندرستی کا راز مضمر ہے۔“

”اے کمیل زکوٰۃ ادا کرنے موئین کے ساتھ حسن سلوک کرنے اور

قربتداروں کے ساتھ صلہ رحم کرنے سے مال میں برکت ہوتی ہے۔“

”اے کمیل کسی سائل کو خالی واپس نہ کرو، اگر (کچھ نہ ہو سکے تو کھجور کا ایک ٹکڑا یا انگور کا ایک دانہ ہی دے دو، (یعنی کم سے کم جو دے سکو، ضرور دے دو،



سائل کو رد نہ کرو۔“

”اے کمیل (یاد رکھو) صدقہ کے طور پر دیا ہوا مال خداوند عالم کے پاس پروان چڑھتا رہتا ہے۔“

”اے کمیل، مومن کے لئے خُسنِ خُلق، تواضع ہے، عفت و پاکیزگی نفس اس کا خُسن ہے شفقت (دُرمی) اس کا شرف ہے، اور اس کی عزت اسی میں ہے کہ قیل و قال نہ کرے۔“

”اے کمیل، اگر خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے کسی سے مناظرہ چاہتے ہو تو صرف ایسے شخص سے کرنا جس میں عقلمندوں کے عادات و اطوار پائے جاتے ہوں۔“

”اے کمیل، ہر حال میں سچی ہی بات کہو، متقی و پرہیزگار لوگوں کی پشت پناہی کرو اور بد عمل لوگوں سے دُور رہو۔“

”اے کمیل، منافقین سے بچتے رہو، اور خاسن لوگوں کے ساتھ کبھی نہ رہو۔“

”اے کمیل، ہر گز ہرگز ظالموں کے دروازے پر نہ جانا ان سے میل ملاپ نہ رکھنا اُن سے کاروبار نہ کرنا، ان کے مطیع و فرماں بردار نہ بننا، نہ ان کی نشستوں میں شریک ہونا، جس سے خداوند عالم تم پر غضبناک ہو۔“

”اے کمیل۔ (یاد رکھو) خدا کے اقرار اور اس کے اولیاء پر ایمان کے بعد خداوند عالم کو جو بات سب سے زیادہ پسندیدہ ہے وہ نظامت و صفائی، عفت و پاکیزگی اور صبر و شکیبائی ہے۔“

”اے کمیل، لوگوں پر اپنی تنگدستی و مجبوری کا اظہار مت کرو۔ بلکہ عزت و خاموشی کے ساتھ، خوشنودی خدا کی نیت سے اس پر صبر کرو۔“

”اے کمیل۔ اپنے بھائی کو اپنا راز داں بنا سکتے ہو۔ لیکن وہ بھائی ایسا ہو جو



سختیوں میں تمہارا ساتھ نہ چھوڑے پریشاں حالی کے موقع پر تم سے غفلت نہ برتے تم اگر اُس سے کسی چیز کا سوال کرو تو تمہیں فریب نہ دے، اور تمہیں تمہارے حال پر چھوڑ نہ دے بلکہ اگر تمہیں مشکلات میں مبتلا دیکھے تو اُن مشکلات کو دُور کرے۔“

”اے کمیل ایک مومن اپنے دوسرے برادر مومن کے لئے آئینہ کی حیثیت رکھتا ہے، جو اس کی طرف دیکھتا رہتا ہے، اس کی ضروریات پوری کرتا ہے اور اس کی حالت بہتر سے بہتر بنانے کی کوشش کرتا ہے۔“

”اے کمیل! اگر تمہیں اپنے بھائی سے محبت نہیں تو سمجھو تم اس کے بھائی ہی نہیں ہو، (کیوں کہ بھائی تو وہ ہے جو بھائی سے محبت کرتا ہے، پھر تم کیسے بھائی ہو جو اپنے بھائی سے محبت نہیں کرتے؟“

”اے کمیل! ہم آلِ محمدؐ کے راز کو افشاء نہ کرو، کیونکہ اگر کوئی شخص ایسا کرے گا تو اُس کا یہ گناہ کبھی معاف نہ ہو گا نہ خدا اُس کی کوئی نیکی قبول کرے گا۔“

”اے کمیل رجعت یقینی ہے، اور ہمارا غلبہ قطعی ہے۔“

”اے کمیل ایسے لوگوں کے بارے میں دھوکہ نہ کھانا، جو لمبی لمبی نمازیں پڑھتے ہیں مسلسل روزے رکھتے ہیں، اور صدقہ خیرات کر کے سمجھتے ہیں کہ بس یہی چیزیں اُن کو بچالیں گی (اور ایمان و معرفت کی پروا نہیں کرتے)۔“

”اے کمیل! بعض دلوں میں ایمان مستحکم ہوتا ہے اور بعض کے پاس بطور امانت (جو قبل موت ان سے واپس لے لیا جائے گا، تو ڈرتے رہو کہ کہیں تمہارے پاس بھی بطور امانت ہی نہ ہو) کہ قبل موت واپس لے لیا جائے اور دنیا سے جب اٹھو تو ایمان سے محروم جاؤ۔“

”یاد رکھو..... ایمان مستحکم کے حقدار اُس وقت بنو گے، جب ایسے واضح راہ ہدایت



پر ثبات قدمی سے چلتے رہو۔ جو تمہیں کسی کجروی کی طرف نہ لے جائے اور نہ اُس سیدھے راستے سے تمہیں ہٹائے جو ہماری رہنمائی سے تمہیں حاصل ہوا ہے۔“

”اے کمیل یاد رکھو فرائض و واجبات کو ترک کرنے کی کبھی اجازت نہیں ہے اور تسبیحات و نوافل (کی بجائے آوری کے لئے) کوئی سختی نہیں کی گئی ہے۔ اور یاد رکھو کہ خداوند عالم ان ہی اعمال کا حساب مانگے گا جن کو تمہارے لئے واجب قرار دیا ہے، نوافل و تسبیحات کو تو ہم اس لئے بجالاتے ہیں کہ قیامت کے دن کی سختیوں اور ہولناکیوں سے نجات حاصل ہو۔“

”اے کمیل، تم کسی وقت بھی خداوند عالم کی عطا کردہ نعمت و عافیت سے خالی نہیں رہتے ہو، لہذا خود کو اُس کی حمد و ثنا، تسبیح و تقدیس اور ذکر و شکر سے بھی غافل نہ رکھو (بلکہ ہر حال میں اُس کا ذکر کرتے رہو)“

اور ان لوگوں میں سے نہ ہو جانا جن کے بارے میں خداوند عالم نے فرمایا ہے کہ:  
”اور لوگوں نے ذکر خدا سے غفلت کی، تو خود اپنی انسانیت ہی کو فراموش کر بیٹھتے۔ (سورہ حشر آیت ۱۹)“

اور ایسے لوگوں کو خداوند عالم نے فاسق کہا ہے۔

”اے کمیل! اہمیت اس بات کی نہیں ہے کہ تم نماز پڑھتے ہو، روزہ رکھتے ہو اور صدقہ دیتے ہو، بلکہ اصل اہمیت اس بات کی ہے کہ جو عمل کرتے ہو وہ پورے اخلاص کے ساتھ کرتے ہو، مثلاً، نماز پڑھتے ہو، تو قلب کی پاکیزگی کے ساتھ اور تمہارا عمل پیش پروردگار پسندیدہ بھی ہوتا ہے دل میں خوفِ خدا کی گرمی اور پیہم سعی عمل کی حرارتِ شوق بھی کار فرما رہتی ہے۔“

”اس لئے یہ ضرور دیکھو کہ کیسے گھر میں نماز ادا کر رہے ہو اور کس چیز پر عبادت میں مشغول ہو کیونکہ اگر وہ جگہ یا چیز جس پر کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے ہو

جائز اور حلال طریقے سے حاصل نہیں کی گئی ہے۔ تو عبادت قبول نہیں ہوگی۔“

اے کمیل! زبان تو دل میں پیدا ہونے والے خیالات کا صرف اعلان کرتی ہے (اصل سرچشمہ افکار تو قلب ہے) اور قلب کی تقویت غذا کے ذریعے ہوتی ہے، لہذا غور کرو کہ تم اپنے جسم کو کون سی غذا مہیا کر رہے ہو اور قلب کو کس قسم کی غذا سے تقویت مل رہی ہے۔ (کیونکہ اگر جائز اور اچھی غذا مل رہی ہے تو قلب کے اندر اچھائیاں تقویت پائیں گی، لیکن) اگر حرام اور بری غذا پہنچ رہی ہے تو (قلب کے اندر برائیاں تقویت پائیں گی اور ایسی صورت میں خداوند عالم نہ تمہاری تسبیح و تقدیس کو قبول فرمایگا نہ ذکر و شکر کو۔“

اے کمیل! یہ اچھی طرح سمجھ لو اور یاد رکھو کہ ہم دنیا کے کسی انسان کو یہ اجازت نہیں دے سکتے کہ وہ امانتوں کی ادائیگی میں کوتاہی کرے، لہذا اگر کوئی شخص ہماری طرف یہ بات منسوب کرتا ہے کہ ہم نے کسی کو ایسی اجازت دی ہے تو وہ گمراہ ہے جھوٹا ہے، گناہگار ہے اور اپنے اس جھوٹ کی وجہ سے اُسے آتشِ جہنم کا مزہ چکھنا پڑے گا۔۔۔۔۔ قسم بخدا میں نے پیغمبرِ اسلام سے خود سنا ہے، آپ نے اپنے انتقال سے کچھ دیر قبل تین بار یہ بات فرمائی تھی کہ ”یا ابا الحسن امانت خواہ کسی بھی شخص کی ہو اسے ادا کرو۔ خواہ وہ شخص نیک ہو یا بد اور اس کی امانت معمولی ہو یا بڑی، حتیٰ کہ اگر سوئی دھاگہ بھی بطور امانت رکھو یا تھا تو اسے واپس کرو۔“

”اے کمیل تمہارا کیا خیال ہے اگر خداوند عالم کسی نبی کو مبعوث نہ کرتا نہ کرتا اور دنیا میں کوئی ایسا مومن ہوتا جو تقویٰ و پرہیزگاری کے لباس سے بھی آراستہ ہوتا اور لوگوں کو اللہ کی طرف بلاتا تو کیا اس کا یہ عمل صحیح ہوتا یا اس دعوتِ الہی میں وہ غلطی پر ہوتا۔۔۔۔۔؟ یاد رکھو قسم بخدا خداوند عالم کی جانب سے جب تک اُسے یہ منصب عطا نہ ہوا ہو، وہ یقیناً غلطی پر ہی ہوتا ہے (کیونکہ خداوند عالم کی طرف



بلانے کا حق بھی صرف اس کو ہے جسے خدا نے اس کی اجازت دی ہو اور شاید یہی وجہ ہے کہ خداوند عالم نے جب اپنے رسول حضرت محمد مصطفیٰ کو خطاب کیا، تو فرمایا۔  
 ”میرے نبی ہم نے تمہیں گواہی دینے والا خوش خبریاں سنانے والا (عذاب الہی سے ڈرانے والا اور خدا کی اجازت سے لوگوں کو اس کی طرف بلانے والا اور ایک روشن چراغ بنا کر بھیجا ہے“

چنانچہ مولائے کائنات نے آگے چل کر جناب کمیل کو اس کی وجہ بھی بتادی ارشاد فرماتے ہیں۔

اے کمیل ”دین“ خداوند عالم کا ہے اور اس نے دین کو نافذ کرنے کی اجازت صرف اپنے رسولوں نبی یا وصی پیغمبر کو دی ہے کسی اور انسان کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ خدا کے مشا اور اس کی اجازت کے بغیر خود سے اس ذمہ داری کو اپنے کاندھے پر اٹھالے کیوں کہ ایسا کرنے والا یا تو نادانی کی بنا پر ایسا کر رہا ہوگا تو دین کو برباد کر دے گا یا جان بوجھ کر لوگوں کو فریب دینا چاہتا ہوگا تو اہل دین کو ہلاکت و تباہی کے دہانے تک پہنچا دے گا۔

اسی لئے حضرت امیر المومنین جناب کمیل سے فرماتے ہیں کہ: اے کمیل، منصب الہی صرف نبوت و رسالت و امامت ہے اس سے ہٹ کر جو لوگ (تم پر مسلط ہوں گے) وہ ظالم و جابر، قہر و غلبہ سے مسلط ہو جانے والے، گمراہ اور سرکش لوگ ہوں گے۔

غور کیجئے مولائے کائنات کی یہ پیشین گوئی بھی دوسری بے شمار پیشین گوئیوں کی طرح کس قدر صحیح اور درست ثابت ہوئی۔

اے کمیل یہودیوں اور عیسائیوں نے وجود خدا کو غلط نہیں قرار دیا نہ حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ (کی نبوت) کا انکار کیا البتہ دین میں کمی و زیادتی کی (کچھ



چیزیں دین و مذہب نے اُن پر فرض قرار دی تھیں انھیں ترک کیا، اور کچھ چیزیں اپنی طرف سے دین و مذہب میں داخل کر دیں۔ جب کہ اُن چیزوں کا دین و مذہب سے کوئی تعلق نہ تھا، (شریعت مقدسہ میں) تحریف کی اور بے دینی کو اختیار کر لیا۔ تو خداوند عالم نے ان پر لعنت کی۔ ان سے ناراض ہوا پھر نہ تو ان لوگوں نے توبہ کی اور نہ ان کی توبہ قبول ہوگی۔ کیوں کہ قبولیت تو ان کو ملتی ہے جو متقی و پرہیزگار ہوں۔

(جب یہود و نصاریٰ نے تقویٰ و پرہیزگاری ترک کر دی تو اب قبولیت کیسی؟) لہذا امت کے بد عمل لوگوں کو عبرت حاصل کرنی چاہیے اور سوچنا چاہیے کہ جب تک نیکی و تقویٰ کی راہ اختیار کریں گے، خداوند عالم ان کے عمل کو قبول کیسے فرمائے گا.....؟)

اے کمیل (ایک مثال اور سامنے رکھو).....!

حضرت آدمؑ کے دونوں بیٹے یہودی یا عیسائی نہ تھے بلکہ سچے مسلمان تھے لیکن قابیل نے، جو عقائد کے اعتبار سے سچا مسلمان تھا جب واجبات الہی اور فرائض خداوندی کی متابعت نہ کی تو خداوند عالم نے (اس کی بد عملی کی وجہ سے اس کی پیش کی ہوئی قربانی کو قبول نہیں کیا اور جناب ہابیل کی قربانی قبول کر لی) جس کی بنا پر قابیل کے دل میں حسد پیدا ہوا اور اس نے اپنے بھائی ہابیل کو قتل کر کے (دنیا میں قیام قیامت تک کے لئے اپنے گلے میں لعنت کا طوق پہنا اور آخرت میں ابد الابد عذاب جہنم کا مستحق بنا)

**ثقلین:**

اے کمیل: ہم اہل بیتؑ رسولؐ، ثقل اصغر ہیں اور قرآن ثقل اکبر اور یہ بات خود پیغمبر اسلامؐ نے امت کو بتادی تھی، چنانچہ آپؐ نے اپنی حیات طیبہ میں سب



لوگوں کو بلایا، اور سات دن معین اوقات میں اس کی تکرار کی گئی چنانچہ سب لوگ جمع ہوئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منبر پر تشریف لے گئے، حمد و ثنائے خداوند عالم بجالائے پھر فرمایا۔

لوگو! دیکھو میں جو کچھ بیان کر رہا ہوں، وہ اپنی طرف سے نہیں ہے، بلکہ جو کچھ کہہ رہا ہوں سب خدا کی جانب سے ہے، تو اب جو شخص ان باتوں کی تصدیق کرے گا، اس نے گویا خدا کی تصدیق کی اور جو شخص خدا کے کلام کی تصدیق کرے گا اُسے جنت میں اجر و ثواب ملے گا لیکن جو شخص میرے اس بیان کو جھوٹ سمجھے گا اس نے گویا خداوند عالم کی تکذیب کی، اسے جھوٹا قرار دیا اور ایسے شخص کو خداوند عالم جہنم میں جھونک دے گا۔

(حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ، اس کے بعد رسول خداؐ نے مجھے بلایا میں منبر پر گیا تو آپؐ نے مجھے اپنے قریب اس طرح قریب کیا کہ میرا سر آنحضرتؐ کے سینہ اقدس سے لگا ہوا تھا، اور حسنؓ و حسینؓ آنحضرتؐ کے داہنے بائیں طرف تھے۔

پھر حضور اکرمؐ نے ارشاد فرمایا:

اے لوگو! مجھے جبرئیلؑ نے خداوند عالم کی جانب سے جو ہمارا اور تمہارا سب کا پروردگار ہے..... بتایا ہے کہ قرآن مجید ثقل اکبر اور میرا یہ وصی و جانشین (علیؓ) اور ان کے فرزند ان (حسنؓ و حسینؓ) اور جو ان کی نسل سے میرے اوصیا (ائمہ معصومینؑ) ہوں گے یہ سب ثقل اصغر ہیں (اور یہی وہ ثقلین ہیں جنہیں میں تمہارے درمیان چھوڑ کر جا رہا ہوں) ان میں سے ہر ایک دوسرے کے بارے میں (روز قیامت) گواہی دیں گے اور دونوں ہمیشہ ایک دوسرے کے ساتھ رہیں گے، کبھی ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ روز قیامت دونوں بارگاہِ معبود میں حاضر ہوں گے اور خداوند عالم ان کے اور بندوں کے





درمیان فیصلہ کرے گا) کہ کس کس نے قرآن مجید پر ظلم کیا، اور کن کن لوگوں نے عزت رسولؐ اور اہل بیت پیغمبر پر جو رستم کیا، ان پر عرصہ حیات تک کیا ان کے نام لیواؤں کو دار و رسن تک پہنچایا.....؟

اے کمیل۔ جب ہم اہل بیت رسولؐ کی اس قدر اہمیت ہے، تو پھر یہ (دنیا والوں کو کیا ہو گیا ہے اور) کس بات پر کچھ لوگ ہم سے آگے بڑھنے کی کوشش کر رہے ہیں اور کس وجہ سے کچھ لوگ ہمارے فرمان اور حکم کو بجالانے میں کوتاہی کر رہے ہیں۔

اے کمیل! رسولؐ خدا نے تو پورے اخلاص کے ساتھ پیغام خداوندی کو پہنچا دیا، لیکن افسوس ان لوگوں کو (اس نصیحت ربانی کا نہ کوئی پاس و لحاظ ہے) نہ اخلاص کے ساتھ نصیحت کرنے والوں کی کوئی محبت ہے (..... اس کے بعد حضرت امیر المومنین علی بن ابی طالبؑ نے اپنے بارے میں پیغمبر اسلام کی متعدد احادیث فضائل و مناقب بیان کرنے کے بعد جناب کمیل کو مخاطب کر کے سوال کیا.....)

اے کمیل یہ لوگ کس بنیاد پر ہم سے حسد کرتے ہیں جب کہ ان لوگوں کی دانش و معرفت سے بہت قبل خداوند عالم نے ہمیں پیدا کیا ہے، کیا یہ لوگ اپنے حسد کے ذریعے ہمیں ان مراتب و کمالات سے گرا دیں گے جو خداوند عالم کے نزدیک ہمیں حاصل ہے؟

(کیونکہ مرتبہ و عزت تو وہی ہے جو خدا کے نزدیک حاصل ہو یہ لوگ حسد کر کے دنیاوی اقتدار تو چھین سکتے ہیں۔ الہی رتبہ و مقام کیسے چھین سکتے ہیں)

اے کمیل جو شخص جنت کا مستحق نہ بن سکا (یعنی یا ایمان ہی نہیں لایا، یا ایمان تو لایا مگر اس کے تقاضوں کو پورا نہ کیا) اسے بتادو کہ دردناک عذاب دائمی رسوائی ہتھکڑیاں، بیڑیاں، لمبی زنجیریں اور آگ کے گولے اس کے لئے مہیا ہیں



شیطان اُن کا ساتھی ہوگا پانی کی جگہ زخم سے نکلنے والی پیپ کو پینا ہوگا گرم لوہے کا لباس ہوگا، بہت سخت مزاج وہ فرشتے ہوں گے (جو ان کو بار بار جہنم میں ”دھکیلنے رہیں گے) جہنم کے شعلے بھڑک رہے ہوں گے (جس میں ان کو ڈال کر) دروازوں کو بند کر دیا جائے گا وہ لوگ اس میں چیخیں گے مگر انھیں کوئی جواب نہ دے گا اور وہ فریاد کریں گے مگر اُن پر رحم نہیں کیا جائے گا۔

وہ پکار پکار کر کہیں گے: اے مالک، خدا (سے کہو) ہم لوگوں کا فیصلہ کر دے (جلد اس قید سے ہمیں آزاد کرے) تو جہنم کا داروغہ جواب دے گا کہ:

”اب تم یہیں پڑے رہو، کیونکہ تم سب لوگوں کے پاس حق کا پیغام آیا تھا لیکن تم میں سے اکثریت کو حق کا پیغام پسند ہی نہیں ہے۔“

(بخاری الانوار جلد ۷، صفحہ ۲۶۶ تا صفحہ: جدید)

## کمیل کی شہادت

عالم اسلام کے جلیل القدر محدث جناب شیخ عباس قمی نے اپنی مایہ ناز تصنیف ”منتہی الامال“ میں اس بات کی تصریح کی ہے کہ ظالم و سفاک اموی گورنر حجاج بن یوسف ثقفی نے جناب کمیل کو ۷۳ ہجری میں صرف اس بنا پر شہید کر دیا کہ آپ جناب امیر المومنین علی بن ابی طالبؑ سے انتہائی والہانہ محبت و عقیدت رکھتے تھے اور تقریباً پورے اموی دور حکومت میں محبت علیؑ، اور الفت آل محمدؐ ”ایسا سنگین“ جرم تصور کیا جاتا تھا جس کی پاداش میں ہزاروں جاں نثاران اہل بیت کو زندگی سے محروم ہونا پڑا ہے۔

قارئین کرام کو یاد ہوگا کہ جناب قبر علیہ الرحمہ کو بھی حجاج بن یوسف نے اسی جرم میں شہید کیا تھا کہ وہ حضرت علیؑ سے انتہائی محبت رکھتے تھے۔ اور ایک قبر ہی پر کیا منحصر ہے، آل محمدؐ سے محبت رکھنے والوں کے لئے ہر دور کے حکام جور نے



دارورسن کی تاریخ کو دہراتے رہنا ہی اپنا شعار بنایا۔ اور آج بھی، جب دنیا میں ہر طرف علم و دانش کا چرچہ ہے اور انسان پتھروں کے زمانے سے نکل کر تسخیر کائنات کے زریں عہد میں داخل ہو چکا ہے، آل محمدؐ سے عقیدت و محبت رکھنے والوں کو بے شمار تہمتوں اور ناسزا الزامات سے نوازا جاتا ہے۔ لیکن محبت و عقیدت پر نہ کل پہرے بٹھانا ممکن تھا نہ آج ممکن ہے نہ کل ممکن ہوگا۔ انشاء اللہ۔

## کمیل کا مدفن:

ارباب تاریخ و سیرت کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ جناب امیر المومنین علیؑ بن ابی طالبؑ نے جناب کمیل کو اپنے ہمراہ لیا، اور کوفہ سے نجف کی وادی کی طرف چلنے لگے چلے چلتے ایک بلند مقام پر آ گئے اور کمیل سے فرمانے لگے، کمیل، اس جگہ کو پہنچانتے ہو.....؟

کمیل نے عرض کی: مولا آپ کی زبان مبارک سے معلوم ہو جائے تو زہے نصیب فرمایا: یہیں میں دفن کیا جاؤں گا۔

یہ سن کر جناب کمیل نے گریہ فرمایا، عجب نہیں کہ فرط عقیدت سے اس زمین کو چومنا بھی ہو..... پھر مولا روانہ ہو گئے، جناب کمیل نے حضرت علیؑ سے دریافت کیا:

آقا میرے دفن کی جگہ کہاں ہے؟

فرمایا: سامنے، اس جگہ (یہ کہہ کر دو ایک جگہ اشارہ کیا)

کمیل نے عرض کی: مولا، وہ جگہ تو بہت دور ہے۔

تو امیر المومنینؑ نے ارشاد فرمایا: کمیل ایک وقت آئے گا جب ہم اور تم ایک

ہی شہر کے دو پڑوسیوں کے مانند ہوں گے۔

اور امیر المومنینؑ کی اس پیشین گوئی کی تصدیق جناب کمیل کا وہ مرقد مطہر کر رہا



ہے جو شہر نجف میں ستارے کی طرح جگمگا رہا ہے اور صاحب قبر کی نورانیت اور پاکیزگی قلب کا ثبوت فراہم کر رہا ہے، خدا سب کو اس کی زیارت نصیب کرے۔ آمین

## کمیل بن زیاد نخعی

اصحاب امیر المؤمنین علیہ السلام میں ایک جلیل القدر شخصیت جناب کمیل بن نخعی کی بھی تھی جناب کمیل اصل میں یمن کے باشندے تھے۔ خدمت امیر المؤمنین علیہ السلام میں آنے کے بعد ان کے قلب پر جب نور آفتاب امامت کی شعائیں پڑنے لگیں دل کا ہر گوشہ نورانی ہو گیا۔ ظلمت معاصی کا نور ہو گئی۔ زہد و درع و تقویٰ و عبادت کے خوگر ہو گئے۔ اپنے پرائے سب ہی معترف ہیں۔

”کمیل کی قوم کے لوگ ان کے مطیع و فرمانبردار تھے کوفہ کے بڑے عبادت گزار افراد میں داخل تھے اور مولانا علیؑ کے شیعوں میں شمار ہوتے تھے۔

(تہذیب التجذیب جلد ۸، صفحہ: ۴۴۸)

کمیل شجاع و بہادر و زاهد و عابد تھے۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۹ صفحہ: ۴۷)

جناب امیر المؤمنین علیہ السلام کے مخصوص اور موثق اصحاب میں شامل تھے امام حسن علیہ السلام کے بھی مخصوص اصحاب میں شمار کیے جاتے تھے۔

روایت حدیث میں ایسے موثق و معتبر تھے کہ جس طرح شیعہ ان سے روایت کرتے ہیں محدثین اہل سنت بھی ان سے حدیث نقل کرتے ہیں۔

”چنانچہ تابعین کی ایک جماعت کثیر نے ان سے حدیث نقل کی ہے انھیں سے حضرت امیرؑ کی وہ مشہور و طولانی حدیث وارد ہے جس میں آپؐ نے فرمایا ہے کہ لوگوں کے قلوب ظرف ہیں بہترین قلب وہ ہے جو سب سے زیادہ محفوظ اور یاد رکھے۔ اس حدیث کو بہت سے موثق و معتبر راویوں نے ان سے نقل کیا ہے



جس میں بہت سی نصیحتیں اور اچھے اچھے کلام درج ہیں (البدایہ والنہایہ جلد ۹، صفحہ: ۴۷۷) جناب کمیل ہی حضرت کی اس مشہور و معروف دعا کے راوی ہیں جس کی تلاوت شب جمعہ مستحب ہے یہ دعا انھیں کے نام ہی سے مشہور ہے۔

جناب کمیل سے حسب ذیل راویوں نے روایت نقل کی ہے ابو اسحق سبعی، عباس بن زریح، عبد اللہ بن یزید صہبانی، عبد الرحمان عباس اعش اور ان کے علاوہ اور بھی افراد ہیں (تہذیب التہذیب جلد ۸ صفحہ: ۴۴۸)

”جناب کمیل نے سو برس زندگانی بسر کی حجاج بن یوسف نے ان کو نظم و ستم قتل کیا تھا۔ حجاج کا ان پر سب سے بڑا اعتراض یہ تھا کہ ان کو حضرت عثمان نے طمانچہ مار دیا تھا انھوں نے ان سے اس کا قصاص دینے پر راضی ہو گئے تو جناب کمیل نے ان کو معاف کر دیا۔ حجاج نے کہا کہ تم ایسے انسان کو یہ ہمت کہ خلیفہ سے قصاص طلب کرو اس کے بعد حکم دیا کہ ان کی گردن اڑادی جائے۔ چنانچہ وہ قتل کر دیے گئے۔ لوگ یہ بھی نقل کرتے ہیں کہ حجاج نے اسی اثناء میں حضرت علی کا تذکرہ کیا اور برا بھلا کہنا شروع کیا جناب کمیل نے حضرت پر درود و سلام پڑھنا شروع کیا اس پر حجاج کو غصہ آ گیا اور کہنے لگا کہ میں تمہارے پاس ایسے آدمی کو بھیجوں گا جو حضرت علی کو جتنا تم دوست رکھتے ہو اس سے زیادہ ان کو دشمن رکھتا ہو چنانچہ مقام حص کے ابو ادھم یا ابو جھم بن کنانہ کو ان کے پاس بھیجا اس نے ان کی گردن اڑادی۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۹ صفحہ: ۹۴۷)

مصنف البدایہ والنہایہ کا شمار دشمنان حضرت امیر میں ہے اس نے اپنی اس تاریخ میں جا بجا اپنے شامی اور دشمن حضرت علیؑ ہونے کا ثبوت پیش کیا ہے اس لیے اس کا جناب کمیل کے لیے یہ تحریر کرنا کہ انھوں نے حضرت عثمان سے قصاص طلب کیا اور وہ قصاص دینے پر تیار بھی ہو گئے۔ حالانکہ یہ وہ بزرگ ہیں



جنھوں نے حضرت ابوذر پر اتنا ظلم کیا کہ عالم غربت میں ربذہ کے بے آب و گیاہ جنگل میں بھیج دیا جناب عمار یا سر کو اتنا پینا کہ ان کو آنت اترنے کا مرض ہو گیا۔ ابن مسعود کو صرف جناب ابوذر کو دفن کے جرم میں اتنا مارا کہ پسلیاں ٹوٹ گئیں ایسے آدمی کا قصاص پر آمادہ ہونا بتاتا ہے کہ جناب کمیل بڑے جاہ و حشم و قوم و قبیلے کے مالک تھے بڑے معزز و محترم تھے اسی لیے جناب کمیل کا طمانچہ کھانے پر آمادہ ہو گئے مگر یہ ان کا کرم نفس تھا کہ قدرت پا کر پھر معاف کر دیا اور کیوں نہ معاف کرتے اس لیے کہ محبان علی کا دار ایسا ہی ہوتا ہے۔

البدایہ والنہایہ کی یہ عبارت یہ بھی بتاتی ہے کہ حجاج نے حضرت علی کو برا بھلا کہنا شروع کیا تو اس ظالم کے سامنے جوش محبت میں حضرت پر درود و سلام بھیجنے لگے چنانچہ اسی جرم میں جام شہادت نوش کر لیا۔

علامہ مجلسی بحار جلد ۹، صفحہ ۳۰ پر جناب کمیل کی شہادت کی وجہ یہ تحریر فرماتے ہیں کہ جب حجاج کے ہاتھ میں زمام حکومت آئی تو اس نے کمیل بن زیاد کو (دوسرے شیعوں کی طرح طلب کیا) وہ اس کے خوف سے روپوش ہو گئے۔ اس نے بیت المال سے ان کے قبیلے کو جو عطیہ ملتا تھا اسے بند کر دیا۔ جب جناب کمیل ایسے کریم نے یہ دیکھا تو کہنے لگے میں بوڑھا ہوں میری کافی عمر گزر چکی ہے میرے سبب سے میری قوم کیوں اپنے عطایا سے محروم ہو جائے اس لیے اپنے کو حجاج کے سامنے حاضر کر دیا جب حجاج نے ان کو دیکھا تو کہنے لگا کہ میں چاہتا تھا کہ تم پر مجھے قدرت حاصل ہو جائے۔ جناب کمیل نے کہا مجھ پر غیظ و غضب کا اظہار نہ کرو۔ اس لیے کہ اب میری عمر اڑتے ہوئے غبار کی طرح باقی ہے اس لیے ترا جودل چاہے میرے ساتھ کر گزر اس لیے کہ وعدہ گاہ بارگاہ رب العزت ہے اور بعد قتل حساب دینا ہوگا اور مجھے تو امیر المومنینؑ یہ خبر دے چکے ہیں



کہ تو مجھے قتل کرے گا حجاج نے کہا پھر تو الزام تمہارے اوپر رہتا جناب کمیل نے جواب دیا مجھ پر الزام اس وقت ہوتا جب قضا و قدر کا مالک تو ہی ہوتا حجاج نے کہا ہاں قضا و قدر میرے ہی ہاتھ میں ہے تم بھی عثمان بن عفان کے قاتلوں میں داخل ہو ان کی گردن اڑا دو چنانچہ اسی وقت جناب کمیل کو قتل کر دیا گیا۔

---

jabir.abbas@yahoo.com



## محمد بن ابی بکر

ان کی والدہ ماجدہ اسماء بنت عمیس ہیں جو دراصل جعفر بن ابی طالب کی زوجہ نہیں تھیں بلکہ یہ اسماء انصاریہ جناب فاطمہ زہرا کی ایک کنیز تھیں۔ رسول خدا سے روایت کی تھی اور جن کے بارے میں رسول اللہ نے اُمت کو نصیحت فرمائی تھی۔ تمہارے اوپر رب السموات کا عذاب نازل ہو جب تک کہ کبوتر آواز دے اور گونجے۔ اے اولادِ زہرا تمہیں میرے ذخیرہ ہو اور تمہارے ہی سبب سے روزِ قیامت میرا پلہ عمل بھاری ہوگا اور جبکہ میری محبت تمہارے ساتھ صحیح ہو تو پھر مجھے کسی کتے کے بھونکنے کی پروا نہیں ہے۔

صاحب استیعاب فرماتے ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام محمد (محمد بن ابی بکر) کو بہت عزیز رکھتے تھے اور ان کی تعریفیں فرماتے تھے اور ناصران میں ان کو فضیلت دیتے تھے اس لیے کہ وہ عابد و مجتہد تھے اور ”یہ نام حضرت علی کے صحابی کا تھا یہاں محمد سے مراد پیغمبر اسلام محمد سے نہیں ہے“ جنگِ جمل اور صفین میں حضرت علی علیہ السلام کے ہمراہ تھے اور منجملہ اس گروہ کے تھے کہ جنہوں نے عثمان بن عفان کے گھر کا محاصرہ کیا تھا اور بعض کا خیال ہے کہ ان کے خون میں بھی شرکت تھی مگر علمائے اہل سنت نے شرکتِ خون کی نفی کی ہے لیکن تاریخ احمد بن اعثم کوئی میں جو متقدمین ارباب سیر میں ہے اس قول کی تائید ہوتی ہے اور وضاحت ہے اور ان





کے نام ملتے ہیں جو اس معاملے میں شریک تھے۔ محمد بن ابی بکر جب حضرت امیر المومنینؑ کے عہد میں والی مصر تھے تو معاویہ کے لشکر کا مقابلہ کیا اور اسی میں شہادت پائی۔ جب خبر شہادت حضرت امیر المومنینؑ کو پہنچی تو آپ نے گریہ فرمایا اور ارشاد کیا کہ وہ اللہ کا بندہ صالح اور ہمارا فرزند صالح تھا۔ یہ عجیب بات ہے کہ محمد بن ابی بکر کو خال المومنین نہیں کہتے حالانکہ وہ حضرت عائشہ کے بھائی تھے۔ محمد بن ابی بکر کہتے ہیں:-

”اہل بیت سے تم نے عداوت رکھی۔ تم فردائے قیامت میں کیا عذر رکھتے ہو۔ تمہارے واسطے ویل ہے، جس وقت حق واضح ہوگا اور محمد مصطفیٰؐ تمہارے قضیے اور تمہاری برائیاں دریافت کریں گے تو کیا جواب دو گے؟ پھر تم نے فاطمہؑ سے غصب کیا جو اس کی وارث تھیں“ محمد بن ابی بکر حجۃ الوداع کے سال پیدا ہوئے تھے۔ جب ابو بکر کا انتقال ہو گیا تو حضرت علیؑ ابن ابی طالب نے اسماء انصاریہ (کنیز حضرت فاطمہ زہراؑ) سے عقد کر لیا اور محمد بن ابی بکر آپ کے اس طرح ربیب اور پروردہ تھے۔

شیخ ابو عمر کشی سے روایت ہے کہ جب حضرت امام جعفر صادقؑ کی مجلس میں محمد ابن ابی بکر کا ذکر ہوتا تھا تو آپ اُن پر صلوٰۃ اور رحمت بھیجتے تھے اور حضرت فرماتے تھے کہ نجات محمد ابن ابی بکر کی ان کی ماں اسماء بنت عمیس انصاریہ کی طرف سے ہے نہ کہ ان کے باپ کی جانب سے اور دوسری جگہ پر حضرتؑ نے فرمایا ہے کہ ہر محبت اہل بیت میں ایک شخص ایسا ہوتا ہے جو اپنی ذات سے نجیب ہوتا ہے اور میرے محبوبوں میں سے انجب نجباء محمد ابن ابی بکر ہیں نیز حضرت امام محمد باقرؑ سے مروی ہے کہ محمد ابن ابی بکر نے شیخین سے علیحدہ رہ کر جناب امیر المومنینؑ سے بیعت کی تھی اور ان تینوں روایتوں کے مؤید محمد بن ابی بکر کا کلام



اور اشعار ہیں جن کا مفہوم یہ ہے کہ :-

”اے ہمارے باپ ہم اچھی چیز پا گئے اگرچہ تم جس کے باپ ہو اس کے نا امید ہونے اور رسوا ہونے میں کوئی بات باقی نہیں رہتی۔ مجھ کو اسی قادرِ مطلق نے تم سے پیدا کیا کہ جو آپ شور سے موتی کو پیدا کر دیتا ہے۔ کیا تم اس عہد کو بھول گئے جو روزِ غدیر خم نبی مبعوث سے فرمایا تھا اور اس کی شرح بھی کی تھی۔ کیا روزِ غدیر تمہارے بارے میں احمد نے وصیت کی تھی یا اس شخص کے بارے میں جس نے خیر کو فتح کیا ہے یا وراثت کے سبب سے تم نے خلافت کا ٹکڑا کھینچا کر پہن لیا۔ بعد اس کے کہ ظاہر میں تو تمہارے کافروں نے اقرار کیا اور باطن میں۔“

**محمد بن ابی بکر بن ابی قحافہ:**

جلیل القدر تابعی عابد و زاہد متقی تھے۔ اور محبوب ترین اصحاب امیر المومنینؑ میں داخل تھے۔ حضرت علیؑ کے حواریوں میں شمار ہوتے تھے۔ حضرت علیؑ ہی نے ان کی پرورش کی تھی ان کی والدہ جناب اسماء بنت عمیس انصاریہ تھیں۔ (اسماء بنت عمیس زوجہ جعفر طیار کے علاوہ دوسری اسماء ہیں) اسماء ہمیشہ محبت اہل بیت طاہرین میں معروف و مشہور تھیں حد یہ ہے کہ زمانہ زوجیت ابو بکر میں بھی انھوں نے اپنے اس مسلک کو ترک نہیں کیا۔

جناب محمد بن ابی بکر کو حضرت امیر المومنینؑ سے یہ اخلاص اسماء نے گھٹی میں پلایا تھا امام جعفر صادقؑ نے فرمایا ہے کہ محمد کو نجات ماں کی طرف سے ملی ہے باپ سے نہیں ملی۔ پھر اس پر اضافہ ہوا کہ اسماء انتقال ابو بکر کے بعد زوجیت امیر المومنینؑ میں آگئیں اسے لیے جذبہ اخلاص و محبت اتنا بڑھا کہ حضرت علیؑ ان کو اپنا فرزند کہا کرتے تھے۔ فرماتے تھے محمد میرے فرزند صلب ابو بکر سے ہیں۔ (شرح ابن الحدید جلد ۲، صفحہ ۲۱)



بعض لوگوں کا خیال ہے کہ حضرت علیؑ نے پرورش کیا تھا اس لئے اُن میں نجات آگئی۔

ان کی ولادت حجۃ الوداع ۱۰ھ میں ہوئی اور ۳۸ھ میں بے دردی سے مصر میں شہید کئے گئے۔ محمد کی کنیت ابوالقاسم اور بعض کہتے ہیں ابو عبد الرحمن تھی۔

## فضائل

ان کے فضائل میں بکثرت احادیث وارد ہیں۔ یہ وہ بزرگوار ہیں جن کے ولادت کی خبر پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی دی تھی اور فرمایا تھا کہ اسماء کے ایک فرزند ہوگا جس کا نام محمد ہوگا وہ کافروں اور منافقوں کے غیظ و غضب کا سبب ہوگا۔

عبد اللہ بن سنان امام جعفر صادق علیہ السلام سے نقل کرتے ہیں کہ امیر المومنین علیہ السلام کے ساتھ قریش کے صرف پانچ آدمی تھے اور معاویہ کے ساتھ قریش کے تیرہ قبیلے تھے۔ وہ پانچ افراد حسب ذیل ہیں پہلے محمد بن ابی بکر جن کی نجات ان کی ماں اسماء کی طرف سے آئی تھی دوسرے ہاشم بن عتبہ بن ابی وقاص مرقال تیسرے حضرت کے بھانجے جعدہ بن ہبیرہ مخزومی ان سے عتبہ بن ابی سفیان نے کہا تھا جنگ میں تمہاری یہ شدت تمہارے ماموں کے سبب سے ہے جناب جعدہ نے جواب دیا کہ اگر تیرا ماموں مرے ماموں کی طرح ہوتا تو تو اپنے باپ کو بھی بھول جاتا چوتھے محمد بن ابی حذیفہ بن عتبہ ابن ربیعہ پانچویں ابوربیع ابن ابی العاص۔

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ عمار یا سمر اور محمد بن ابی بکر اس کو پسند نہیں کرتے کہ پروردگار عالم کی معصیت کی جائے امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ محمد بن ابی بکر نے امیر المومنین علیہ السلام سے اپنے باپ سے برائت کی بیعت کی تھی۔ (معرفۃ اخبار الرجال، صفحہ: ۴۳)



والدہ محمد بن ابی بکر جناب اسماء نے ایک خواب دیکھا تھا جس کی تعبیر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ دی کہ اسماء حاملہ ہوں گی اس بچہ کا نام محمد رکھا جائے گا جو کافروں اور منافقوں کے غیظ و غضب کا سبب ہوگا۔ (رجال امامانی باب ۴، جلد ۲ صفحہ: ۵۸)

کیا کہنا اس شرف کا کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ولادت کی بشارت دے گئے اور فرما گئے کہ وہ کافروں اور منافقوں کے غیظ کا سبب ہوگا۔ اس لیے محمد جس سے غضبناک ہوں اس کے کافریا منافق ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے۔ محمد کی شخصیت وہ ہے کہ حضرت علی علیہ السلام ان کے بارے میں اپنے ایک مکتوب میں عبد اللہ بن عباس کو تحریر فرماتے ہیں۔

”مصر فتح کر لیا گیا اور محمد بن ابی بکر شہید کر دیئے گئے ہم اس کا اجر اللہ سے لیں گے۔ محمد خلوص رکھنے والے فرزند تھے پوری پوری سعی کرنے والے عامل تھے دشمن کے لیے کانٹے والی تلوار تھے دشمن کو دور کرنے والے ستون تھے۔ میں اس سے ڈرتا تھا کہ لوگ ان سے ملیں گے اس حادثہ سے پہلے میں نے لوگوں کو حکم دیا تھا کہ ان کی فریاد کو پہنچیں میں نے خفیہ بھی اس کی دعوت دی تھی علی الاعلان بھی بلایا تھا۔ لوگوں کو بار بار ان کی مدد کے لیے بلایا۔ لیکن بعض تو کراہت سے آئے بعض جھوٹ موٹ ہال منول کرتے رہے اور بعض جھوٹے تھے۔

(نہج البلاغہ جلد ۲، صفحہ: ۶۲)

## زہد و تقویٰ:

انسان کی غرض خلقت قرآن مجید نے عبادت بتائی ہے اور بہترین انسان وہ ہے جو عابد و زاہد و متقی ہو جناب محمد بن ابی بکر باودیکہ جو ان تھے۔ وقت شہادت صرف اٹھائیس برس کے تھے لیکن دیگر مخلص اصحاب امیر المومنین کی طرح زہد و تقویٰ و عبادت میں شہرت رکھتے تھے شرح نہج البلاغہ جلد ۲، صفحہ: ۲۱ پر تحریر ہے

کہ محمد قریش کے عبادت گزار افراد میں شامل تھے۔

امیر المومنین علیؑ نے مصر کی صوبیداری کے زمانے میں ایک ایسا خط لکھا تھا کہ جس کے متعلق تاریخ یہ کہتی ہے کہ عمرو بن عاص نے بعد شہادت محمد حضرت علیؑ کے کل خطوط معاویہ کے پاس بھیج دیئے تھے معاویہ اس نوشتہ کو دیکھ کر غرق حیرت ہو جاتا تھا۔ ولید بن عقبہ نے جب معاویہ کے حیرت و استعجاب کو دیکھا تو کہنے لگا اسے جلا دیجئے معاویہ نے کہا تیرا براہو میں اس طرح کے علم کو نذر آتش کر دوں خدا کی قسم میں نے اس سے زیادہ جامع و مضبوط کوئی علم دیکھا ہی نہیں ہے ولید نے کہا جب آپ علی بن ابی طالب کے علم اور فیصلوں سے اس طرح غرق حیرت ہیں تو پھر ان سے جنگ کیوں کرتے ہیں۔

محمد بن ابی بکر اس خط کو برابر پڑھتے رہتے تھے اس کے ہدایات کے مطابق اپنے کو محاسن اخلاق سے آراستہ کیا کرتے ایک روایت میں ہے کہ خود محمد بن ابی بکر نے حضرت علیؑ سے درخواست کی تھی کہ مجھے محاسن حسنہ کا علم نہیں ہے آپ مجھے اسے تحریر فرمادیں تو حضرت نے ایک نوشتہ تحریر فرمایا جس کے متعلق حضرت علیؑ خود فرماتے ہیں کہ اس میں علم و ادب سنت موجود تھا۔

ظاہر ہے کہ جب محمد کے نفس کی یہ حالت تھی اور امیر المومنین ایسے زاہد و متقی و پرہیزگار کے زیر تعلیم و تربیت بھی رہ چکے تھے تو پھر زہد و ورع و تقویٰ و مکارم اخلاق میں ممتاز ہونا ہی چاہیئے۔

حضرت علیؑ محمد بن ابی بکر کی تعریف کیا کرتے تھے اور دوسروں پر فضیلت دیتے تھے اس لیے کہ وہ عبادت گزار تھے یاد خدا میں بڑی محنت کرتے تھے۔  
(تہذیب الہندیہ جلد ۹، صفحہ ۸۱)

**محمد بن ابی بکر اور خلیفہ سوم**

محمد بن ابی بکر خدا کے اطاعت شعار بندے تھے۔ ان کے فضل و شرف میں

## اصحاب امیر المومنین

۵۷۰

ہم ذکر کر چکے ہیں کہ وہ اس کو برداشت نہیں کر سکتے تھے کہ معصیت باری کی جائے اور بقول مصنف الاستغاثہ صفحہ: ۱۷۱ ان افراد میں تھے جو حق کی نصرت کرتے تھے حق بات کا حکم دیتے تھے حق پر قائم تھے زمانہ ثالث اور ایام حکومت امیر المومنین میں مخالفت امر حق سے لوگوں کو روکتے تھے۔ لیکن حضرت عثمان اور حضرت محمد بن ابی بکر دونوں بزرگوار صدر اول اسلام کی نمایاں شخصیتیں ہیں اس لیے کتب تاریخ میں جو کچھ ان حضرات کے متعلق ملتا ہے ہم اس کو درج کئے دیتے ہیں نتیجہ ناظرین کے صواب دید پر چھوڑتے ہیں۔

حضرت عثمان کا زمانہ حکومت وہ تھا جس میں اقرباء پروری بددیانتی شریعت کی تباہی حقوق سے محرومی و ظلم و جور کی کثرت کی کوئی حد نہیں رہ گئی تھی جس سے بادیانت اصحاب پیغمبر اسلام اور تابعین کی ایک جماعت چیخ اٹھی اس کا آخری نتیجہ خلیفہ وقت کے قتل کی صورت میں ظاہر ہوا۔

طبری اور شارح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید اور تاریخ کامل وغیرہ میں صاف صاف تحریر ہے کہ۔

۳۴ ہجری میں اصحاب پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دوسرے کو تحریر کیا کہ مدینے آ جاؤ اس لیے کہ اگر تم جہاد کرنا چاہتے ہو تو یہاں جہاد کی صورتیں موجود ہیں لوگوں نے کثرت سے اعتراضات شروع کئے اور عثمان کو بدترین عنوان سے برا بھلا کہنا شروع کیا۔ (طبری جلد ۵، صفحہ: ۹۶)

اسی کتاب میں صفحہ ۱۱۵ پر تحریر ہے کہ جب لوگوں نے عثمان کے اعمال کو دیکھا تو مدینے کے اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان اصحاب کو تحریر کیا جو سرحدوں کی حفاظت کے لیے اطراف جوانب میں جا چکے تھے کہ تم لوگ دین رسول خدا کی ترقی اور جہاد کے لیے گئے ہو لیکن تمہارے بعد دین رسول خدا برباد



ہو گیا ہے اور ترک کر دیا گیا ہے اس لیے مدینے میں آ کر دین کو درست کرو۔  
حضرت عثمان پر سب سے زیادہ تنقید اُمّ المومنین عائشہ طلحہ، زبیر، عمرو بن  
عاص سعد بن وقاص، عبدالرحمان بن عوف کرتے تھے۔

ابن قتیبہ نے تو الامامۃ والسیاست جلد ۱، صفحہ: ۳۰ پر یہاں تک لکھ دیا ہے کہ  
اصحاب پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں سے کچھ افراد جمع ہوئے اور ایک  
تحریر لکھی جس میں ان تمام باتوں کو تحریر کیا جن میں عثمان نے سنت رسول صلی اللہ  
علیہ وآلہ وسلم سیرت ابوبکر و عمر کی مخالفت کی تھی اور تحریر کیا تھا کہ انھوں نے افریقہ  
کا خنس مروان کو ہبہ کر دیا جس میں خدا اور رسول اور ذوالقربیٰ یتیموں اور مسکینوں کا  
حق تھا اور یہ کہ عثمان نے مدینے میں بڑی بڑی عمارتیں بنوائی ہیں جن میں سے  
سات گھروں کی تفصیل بھی تحریر کی تھی ان میں نائلہ (بیوی) کا گھر، بیٹی کا گھر اور  
ان کے علاوہ دیگر لڑکیوں اور ان کے اہل و عیال کے گھر شامل تھے۔ مروان کے  
کئی قصر جو اس نے مقام ذوقشب میں تیار کرائے تھے اس فہرست میں داخل  
تھے خدا اور رسول کے مال خنس سے جو جو اموال انھوں نے فراہم کیے تھے۔ ان کو  
بھی لکھا تھا اور تحریر کیا تھا کہ اپنے اقربا اور چچا کی اولاد کے نوجوانوں اور لڑکوں کو  
بڑے بڑے عہدے اور حکومتیں سپرد کر دی ہیں حالانکہ نہ وہ صحابی رسول ہیں نہ  
ان کو امور کا تجربہ ہی حاصل ہے۔ ولید کا یہ واقعہ بھی تحریر کیا تھا کہ اس نے کوفہ کی  
امارت کے زمانے میں نشے کی حالت میں نماز صبح کی چار رکعتیں پڑھائی تھیں اور  
کہا تھا کہ اگر تم لوگ چاہو تو ایک رکعت اور پڑھا دوں ولید پر حد شرعی جاری  
کرنے میں تاخیر سے کام لیا تھا۔ مہاجرین و انصار کے سپرد کہیں کی ولایت  
و حکومت نہیں کرتے تھے نہ ان سے مشورہ لیتے تھے بس اپنی رائے پر عمل کرتے  
تھے۔ (یہ بھی تحریر کیا تھا کہ) مدینے کے اطراف میں کچھ چراگاہیں اپنے لیے



مخصوص کر لی تھیں ایسے لوگوں کو مدینے میں جا گیریں عطا کر دی تھیں جو نہ صحابی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے نہ جہاد کرتے تھے نہ دشمنوں کو دفع کرتے تھے۔ یہ بھی کہا تھا کہ چھڑی اور دڑے سے سزا دینے کو ترک کر کے کوڑے سے سزا دینا شروع کر دی تھی یہی پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے لوگوں کی پشت پر کوڑے مارے تھے حالانکہ اس سے قبل لوگوں کو دڑے اور چھڑی سے سزا دی جاتی تھی۔

ان باتوں کے علاوہ زمانہ حکومت عثمان میں خود حضرت عثمان کے ہاتھوں اصحاب پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بڑی اذیتیں پہنچی ہیں۔ جناب ابوذر کو مارا پیٹا اور بزدہ بھیج دیا ابن مسعود کو اتنا مارا کہ ان کی پسلیاں ٹوٹ گئی عمار یا سر کو اتنا مارا اتنا مارا کہ ان کو مرض فتن ہو گیا عبدالرحمان بن عوف کو منافق کہا اسی طرح کی بہت ہی باتیں ہیں جو اب تک کتب تاریخ میں مذکور ہیں۔

ظاہر ہے کہ ان امور کو عمار یا سر، مالک اشتر، معصعہ میں صوحان، عمرو بن حتم خزاعی، محمد بن ابی بکر خاموش تماشائی کی طرح نہیں دیکھ سکتے تھے خصوصاً محمد بن ابی بکر اس لیے کہ ان کے لیے تو یہ بھی ہو قتل کا حکم عبداللہ بن ابی سرح حاکم مصر کو لکھ کر بھیج دیا گیا تھا بس خیریت یہ ہوئی کہ قاصد راستے ہی میں پکڑ لیا گیا واقعہ یہ ہوا کہ مصر سے کچھ لوگ عبداللہ بن ابی سرح عامل مصر کی شکایت کے لیے پائے تخت آئے عثمان نے اسے تحدید آمیز خط لکھا اور شکایت دور کرنے کی ہدایت کی ابن سرح نے اس کا الٹا اثر لیا اور ان لوگوں کو مارا پیٹا اور ایک شخص کو قتل بھی کر دیا اس واقعہ کے بعد مصر کے سات سو افراد عبداللہ بن ابی سرح کی شکایت کے لیے آئے اور مسجد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں قیام کیا اس معاملہ میں طلحہ اور ام المومنین عائشہ نے خاص توجہ کی۔ مصریوں کے سردار نے کہا کہ موجودہ عامل کی جگہ دوسرا عامل معین کر دیا جائے تاکہ وہ تمام امور کو عدل و انصاف سے





طے کر دے حضرت عثمان نے کہا اچھا تم کس کو پسند کرتے ہو ان لوگوں نے محمد بن ابی بکر کو پسند کیا چنانچہ ابن سرح کی معزولی کا خط ان کے حوالہ کیا محمد اور ان کے ساتھی ابھی تین منزلیں طے کر پائے تھے کہ ایک ناقہ سوار نظر آیا اس سے سوالات کئے گئے لوگ اس کے جوابات سے مشکوک ہوئے تلاشی لی تو عبداللہ بن ابی سرح کے نام عثمان کا خط ملا کہ جب یہ لوگ مصر پہنچیں تو ان کو قتل کر دینا۔ قاصد عثمان کا غلام تھا خط پر مہر عثمان کی تھی اونٹ عثمان کا تھا بس اس واقعہ کے بعد یہ قافلہ واپس آیا اور اس نے ان واقعات کو مہاجرین و انصار کے سامنے پیش کیا حضرت عثمان نے خط کے علاوہ سب چیزوں کا اعتراف کیا مطالبہ کیا گیا کہ یہ تحریر مردان کی ہے اسے ہمارے سپرد کر دیا جائے انھوں نے اس سے بھی انکار کر دیا پھر کیا تھا کوئی بصری مصری جو عرصہ سے مدینہ کے باہر خیمہ زن تھے سب نے مل کر عثمان کا محاصرہ کیا اور چالیس دن کے محاصرے کے بعد ان کو قتل کر دیا۔

(دیکھو الامات والسیاست جلد ۱، صفحہ ۳۴ طبری جلد ۵، شرح نفع البلاغ ابن ابی الحدید)

عبداللہ بن مسلم ابن قتیبہ نے صفحہ ۳۴ جلد ۱ پر تو یہ بھی لکھا ہے کہ محمد بن ابی بکر نے اس خط پر اپنی اور اپنے ساتھیوں کی مہر لگائی اور اُسے لے کر مدینے واپس آئے اور حضرت علیؓ طلحہ، زبیر، سعد اور دیگر اصحاب پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جمع کیا سب کی موجودگی میں اس خط کو کھولا اور غلام کا پورا واقعہ بیان کیا وہ خط سب سے پڑھوایا جس سے مدینے کا ہر شخص عثمان پر غضبناک ہو گیا اور اصحاب نبی وہاں سے اٹھ کر چلے گئے اور خانہ نشین ہو گئے۔

## شجاعت محمد بن ابی بکر

محمد عابد و رزادہ ہونے کے ساتھ ساتھ شجاع و بہادر بھی تھے حضرت علیؓ کے ہمراہ رکاب جنگ جمل و صفین میں بڑے بڑے کار نمایاں انجام دیئے تھے محمد بن ابی بکر



کی شجاعت ہی کے سبب سے صفین میں پیادوں کی سرداری کی خدمت انھیں کے سپرد تھی۔

محمد کی شجاعت کا اعتراف ان کے مخالفین کو بھی تھا چنانچہ عمرو بن عاص اور محمد بن ابی بکر میں جب مصر کے مقام مناتہ پر شدید جنگ ہوئی تو عمرو کہا کرتا تھا کہ میں نے جنگ مناتہ کی طرح کوئی جنگ ہی نہیں دیکھی ہے۔

(تاریخ ابن واضح جلد ۲، صفحہ: ۲۲۶)

## زمانہ خلافت حضرت علیؑ میں محمد بن ابی بکر کی خدمات

جب ذی الحجہ ۳۵ھ میں امیر المومنین علی بن ابی طالب سریر آرائے سلطنت ہوئے تو محمد بن ابی بکر حضرت کے ہمراہ رکاب رہے جو خدمتیں ان کے سپرد کی گئیں ان کو نہایت خلوص و حق وہی سے انجام دیتے رہے۔

حضرت کو تخت خلافت پر بیٹھتے ہی بصرے میں جنگ جمل کی مہم محمد کی بہن اُمّ المومنین سے پیش آئی لیکن محمد بن ابی بکر نے اس کی پروا نہیں کی مقابلے میں کون ہے تلوار سونت کر حضرت علیؑ کے علم کے نیچے میدان جنگ میں آگئے۔

اس جنگ کے سلسلہ میں محمد بن ابی بکر کی سب سے پہلی خدمت یہ تھی کہ امیر المومنین نے انھیں محمد بن جعفر طیار کے ساتھ مقام ربذہ سے کوفہ روانہ کیا تاکہ اہل کوفہ کو حضرت کی امداد پر آمادہ کریں لیکن ابو موسیٰ اشعری کی شدید مخالفت کے سبب سے اس میں کامیابی نہیں ہوئی اور حضرت نے عبداللہ بن عباس اور دیگر افراد کو کوفہ روانہ کیا بالاخر مالک اشتر گئے اور کوفہ سے بارہ ہزار کا لشکر لے کر اُمّ المومنین کے مقابلے میں آکر پرے جمادیئے۔ جب جنگ جمل شروع ہوئی تو مورخین صاف صاف لکھتے ہیں محمد بن ابی بکر اس جنگ کے نیرو آزا مساپا ہی تھے جنگ جمل میں جب ام المومنین کے اونٹ کے پیر کاٹ دیئے گئے اور وہ مع



ہودج کے زمین پر گراتوان کی حفاظت و پردہ داری کے لیے امیر المومنین نے ان کے پدری بھائی محمد بن ابی بکر ہی کو معین کیا تھا۔ محمد نے بحفاظت تمام ان کو میدان جنگ سے شہر میں پہنچایا آپ نے ان کی خبر گیری دیکھ بھال اور مدینے پہنچانے کے تمام انتظامات انھیں کے سپرد کیے تھے۔

جنگ صفین میں حضرت علیؑ کے پیادہ فوج کی سرداری انھیں کے سپرد تھی۔ جب صفین کا معرکہ ختم ہوا تو حضرت نے قیس بن عبادہ کی جگہ ان کو والی مصر معین کیا۔ جہاں مقام مناقہ میں ان کی شہادت واقع ہوئی۔

### محمد بن ابی بکر کی شہادت:

جنگ صفین کے بعد جب اہل شام واپس آئے تو حکمین کے نتیجہ کے منتظر رہے جب عمرو عاص اور ابو موسیٰ اشعری متفرق ہو گئے تو اہل شام نے معاویہ کے امارت کی بیعت کی اب معاویہ کو اور تقویت حاصل ہو گئی تھی ادھر اہل عراق میں اختلاف پیدا ہو چکا تھا اس واقعے کے بعد معاویہ یہ چاہتا تھا کہ کسی طرح مصر پر قبضہ ہو جائے اس لیے کہ مصر شام سے قریب تھا اور مصری عثمانیوں کے جانی دشمن تھے۔ اس لیے وہ اہل مصر سے خوف زدہ رہتا تھا۔ (طبری جلد ۲ صفحہ ۵۶)

چنانچہ اس غرض سے اسی نے مغلہ بن مسلمہ انصاری اور معاویہ بن خدیج کندی سے خط و کتابت شروع کی یہ دونوں حضرت علیؑ کے مخالفت تھے معاویہ نے ان دونوں سے شیعیاں علی ابن ابی طالب سے جنگ اور طلب خون عثمان کی خواہش کی اور ادھر ان لوگوں نے محمد بن ابی بکر سے جنگ بھی چھیڑ رکھی تھی معاویہ بن خدیج نے جواب کی تحریر مغلہ کے سپرد کی اس نے جواب میں جلد از جلد امداد بھیجنے کی درخواست کی معاویہ اس زمانے میں فلسطین میں مقیم تھا بعد مشورہ عمرو بن عاص کی سرکردگی میں چھ ہزار کاشکروانہ کیا جب عمرو بن مصر پر پہنچا تو اس کے

گرد سارے کے سارے عثمانی جمع ہو گئے عمرو نے اپنا اور معاویہ بن ابی اسفیان کے خطوط محمد بن ابی بکر کے پاس بھیجے محمد نے ان دونوں خطوط کو امیر المومنین کی خدمت میں روانہ کر دیا اور تحریر کیا کہ عمرو عاص ایک لشکر کثیر لے کر یہاں آ گیا ہے میرے ساتھیوں میں کچھ کمزوری بھی ہے اس لیے مصر کے بچاؤ کے لیے آپ میری فوجی اور مالی امداد کیجئے۔ حضرت نے محمد بن ابی بکر کو فوراً جواب میں تحریر فرمایا کہ تمہارے مخالفین کا تم سے جدا ہونا بہتر ہے تم ثابت قدمی اختیار کرو اپنے ساتھیوں کو یکجا کرو اگر تمہارے ساتھیوں میں کمزوری ہے تو اپنے شہر میں قلعہ بند ہو جاؤ اور ثابت قدمی سے مقابلہ کرو اور کنانہ بن بشر جو مخلص و شجاع و بہادر بھی ہے اسے اپنی امداد کے لیے طلب کرو میں بھی تمہاری نصرت کے لیے لوگوں کو بلاتا ہوں۔ حضرت نے اس خط میں معاویہ و عمرو عاص کو جواب کی ہدایت بھی فرمائی تھی محمد بن ابی بکر نے ان دونوں کو سخت جوابات تحریر کئے اور کنانہ بن بشر کو امداد کے لیے طلب کیا اپنے ساتھیوں میں جرأت آمیز خطبہ پڑھا اور کنانہ کی سرکردگی میں دو ہزار کا لشکر مقابلے کے لیے بھیجا خود دو ہزار کا لشکر لے کر مقابلے میں آئے۔ لیکن میدان جنگ میں کنانہ کی شہادت واقع ہو گئی جس سے محمد بن ابی بکر کے ساتھیوں نے عمرو عاص کے درغلانے سے ان کا ساتھ چھوڑ دیا محمد بن ابی بکر تنہا میدان جنگ میں رہ گئے۔ جب محمد بن ابی بکر نے یہ کیفیت دیکھی تو آپ نے راستے پر چلنا شروع کیا راستے کے کنارے ایک خرابہ تھا وہاں پناہ لی عمرو مقام قسطنطنیہ میں داخل ہوا اور معاویہ بن خدیج محمد بن ابی بکر کی تلاش میں روانہ ہوا راستے میں کچھ کافروں سے ملاقات ہوئی ان سے دریافت کیا تم نے کسی غیر معروف آدمی کو تو نہیں دیکھا ایک نے کہا میں اس خرابے میں گیا تھا وہاں ایک شخص چھپا ہوا ہے معاویہ نے کہا یقیناً وہی محمد بن ابی بکر ہیں غرض اس نے محمد بن ابی بکر کو



نکالادہ شدت تشنگی سے قریب بہ ہلاکت تھے ان کو لے کر فسطاط مصر آیا محمد بن ابی بکر کے بھائی عبدالرحمن معاویہ کے لشکر میں تھے بھائی کی سفارش کی اور کہا کہ ان کو زندہ معاویہ کے پاس بھیج دیا جائے لیکن معاویہ بن خدیج نے ایک نہ سنی اور اسی طرح پیسا شہید کر کے گدھے کی کھال میں بھر کر جلادیا۔

(طبری جلد ۲، صفحہ: ۵۷۷ سے ۶۰ بطور خلاصہ تحریر کیا گیا)

اس موقع پر محمد بن ابی بکر نے معاویہ بن خدیج سے عجب انداز سے گفتگو کی ہے جو ان کے ایمانی جذبات شجاعت و دلیری اور محبت حضرت علیؑ سے لبریز ہے۔ یہ حادثہ شعبان ۳۸ھ میں پیش آیا۔

## شہادت محمد بن ابی بکر پر حضرت امیر کارنج و غم

حضرت امیر المومنین علیؑ محمد بن ابی بکر کو بہت دوست رکھتے تھے محمد بن ابی بکر حضرت علیؑ کے پروردہ بھی تھے اسی سبب سے ان کو اپنا فرزند کہتے تھے تاریخ ابن واضح جلد ۲ صفحہ: ۲ پر ہے کہ امیر المومنین علیؑ نے محمد بن ابی بکر کا ذکر کیا اور بڑی دردمندی سے ان پر رو پڑے اور فرمایا محمد بن ابی بکر میرے بیٹے تھے اور میرے بیٹوں اور بھتیجوں کے بھائی تھے۔

حضرت علیؑ نوح البلاغہ جلد ۲ صفحہ: ۶۲ پر عبداللہ بن عباس کو شہادت محمد بن ابی بکر کی خبر ان الفاظ میں دیتے ہیں۔

مصر فتح کر لیا گیا محمد بن ابی بکر شہید کر دیئے گئے ہم اس کا اجر خدا سے طلب کریں گے محمد بن ابی بکر کوشش کرنے والے فرزند تھے کاٹنے والی تلوار تھے دشمن کو دُور کرنے والے استون تھے۔

عبداللہ بن عباس محمد بن ابی بکر کی تعزیت کے لیے خود بصرے سے کوفہ آئے حضرت کے جاسوسوں میں سے ایک جاسوس شام سے حاضر ہوا اور عرض کیا



کہ جب محمد بن ابی بکر کی شہادت کی خبر معاویہ کو معلوم ہوئی کہ میں نے کسی وقت اہل شام کو اس طرح خوش نہیں دیکھا۔ حضرت نے فرمایا کہ شامی جس قدر محمد کی شہادت پر خوش ہوئے ہیں ہم کو اتنا ہی ان کی شہادت کا رنج ہے بلکہ ہمارا رنج ان کی مسرت سے کئی گنا زیادہ ہے۔ (بدیۃ الاحباب صفحہ: ۳۰۷)

## شہادت محمد بن ابی بکر پر اُمّ المومنین کا رنج و غم

جناب محمد بن ابی بکر حضرت امیر المومنین علیؑ کے پروردہ مخلص محب اور دل سے آپ کے مطیع و فرمانبردار تھے۔ اُمّ المومنین جو آپ کی پدری بہن تھیں ان کے مقابلہ میں جنگ جمل میں حضرت علیؑ کے ساتھ شریک رہے اور کارہائے نمایاں انجام دیئے لیکن محمد بن ابی بکر کا زہد و ورع اور تقویٰ ایسا تھا کہ ان سب باتوں کے باوجود جب ان کے یہ ظلم و ستم شہید کیے جانے اور گدھے کی کھال میں بھر کر جلادیے جانے کی اطلاع ان کو ہوئی تو بڑا رنج و غم کیا۔

بلکہ بعض تاریخوں میں تو ہے کہ اس دن سے یہ عہد کر لیا کہ بھنا ہوا گوشت نہ کھاؤں گی۔ (اصحاب امیر المومنین حصہ سوم صفحہ: ۵۲۳۳۸)

## جناب محمد ابن ابی بکر

شاعرہ ملت۔ بانوسید پوری

بیاں کیا شانِ عظمت تری اے صاحبِ ایمان  
 تھا کتنا پاک و پاکیزہ ترے اسلام کا عنوان  
 وہ تیری مادرِ ذی مرتبت اسماءِ خوش طینت  
 زنِ فرعون کی خو بو تھی جن کی پاک سیرت میں  
 علیؑ سا مل گیا تجھ کو مرتبی یہ تری قسمت  
 مرتبی مرتضیٰ سا، شہر و شہیر سے ساتھی  
 خلوص فکر اخلاص عمل تیرا نکھر آیا  
 حقیقت میں تو اک شہکار تھا کردار سازی کا  
 مسلمانوں کی ہوتی تربیت گردشِ حیدر سے  
 محلِ اعتمادِ اہل حق بھی، اہل باطل بھی  
 ترا ظاہر ترے باطن کا آئینہ تھا سر تا سر  
 تھے قائل دوست دشمن جس کے، تیرا جوہر ذاتی  
 چُنا تھا دورِ ثالث نے بھی تجھ کو مصر کا حاکم  
 زباں پر کُل ایمان کے تری مدحت سرائی تھی  
 لسان اللہ نے فرزندِ صالح تجھ کو فرمایا  
 محمد نام تھا آلِ محمدؐ پر تھا تو قرباں  
 نبی کی عزتِ معصوم اور اللہ کا قرآن  
 جلیسِ فاطمہؑ زہراؑ معینِ امر حق و یشان  
 کہ وہ ماحول میں بدعت کبھی حق پر رہی قرباں  
 تیری تیری، تجھ کو بن گئی اللہ کا احسان  
 تیرے ماحول کی معصومیت، تطہیر کا سامان  
 ابھر آئی ترے قلب و نظر کی قوتِ پنبہاں  
 تیری سیرت میں جلوہ سیرتِ معصوم کا پنہاں  
 کھلا تجھ سے کہ بھوتے کیا جہاں میں صاحبِ ایمان  
 ترے کردار کی سُرخ، تری گفتار کا عنوان  
 طہارتِ فکر کی تیری عمل میں تھی ترے رخشاں  
 صداقت پر تری، اپنے پرائے متفق ہر آں  
 نمایاں مضطرب ماحول میں بھی تھا ترا عرفاں  
 ترا ایمان تھا کامل کس قدر اے کاملِ ایمان  
 تصور تیری رفعت تیری عظمت کا نہیں آساں

قرابت کی وہ بیجا بیچ جسے مذموم کہتے ہیں ترے دامن پہ وہ دھند نہیں اے صاحب عرفاں  
 بھلا حق کی حفاظت میں قرابت کے تقاضے کیا جمل میں دید کے قابل عمل کا تھا ترے عنوان  
 لکھا تھا جو امیرِ شام کو صفین میں تو نے ترا خط شاہکارِ حق وہ تھا اے صاحب عرفاں  
 تری تحریر کی ندرت، تری تقریر کی عظمت تری شمشیر کی قوت، ترے اخلاص کا عنوان  
 امارت مصر کی سوچی تجھے مولا علیؑ نے بھی تجھے حاصل تھا کیسا اعتمادِ حجتِ دوراں  
 نبی کے بعد سے حق ہو گیا تھا مشتبہ یکسر حقیقت تو یہ ہے عرفانِ امرِ حق نہ تھا آساں  
 صداقت کیا تھی کس جانب تھی تو نے صاف دکھلا دی مسلمانوں پہ گرمانیں تو ہے تیرا بڑا احساں  
 تے بابت خبر خود خبرِ صادق نے دے دی تھی تو باطل سے گریزاں اور دینِ حق پہ ہے قرباں  
 وجہ اللہ تیرا عشق تھا نفسِ پیہر سے کہ حاصل تھا اولی الامرِ حقیقی کا تجھے عرفاں  
 قیامت سی قیامت تھی خبر تیری شہادت کی قوی دل تھا علیؑ سا، نوہ برب، مضطرب گریاں  
 وہ تر کے میں جو ہندہ سے ملی تھی کفر سازوں کو اُسی بے حرمتی کا لاش پر تیری ہوا ساماں  
 تنِ مُردہ پہ تیرے، وہ مظالم اہل بدعت کے شریعتِ حقِ انبیؑ روحِ صداقت ہو گئی لرزاں  
 وہ ارضِ مصر پہ روضہ ترا دُنیا سے کہتا ہے جفا و ظلم کے طوفاں میں بھی مُسلم نہ ہوں لرزاں

شہادتِ امرِ حق پر استقامت کی دلالت ہے

شہادتِ موت سے فکر کے بھی جینے کا ہے عنوان



## سلمان فارسی

علمائے انساب نے حضرت سلمان فارسی کا نسب حسب ذیل تحریر کیا ہے:

ماہ بن یوزخشان بن مورسلان بن بہوذان بن فیروز بن سہرک

(اسد الغابہ جلد دوم، صفحہ ۳۲۸)

مجوسی روایت کے مطابق حضرت سلمان کے والد کا نام فحسان بتایا جاتا ہے، حافظ ابن حجر عسقلانی کی ”تہذیب التجذیب“ میں مورسلان کی جگہ مورسلہ تحریر ہے اور ان کی کتاب ”اصابہ“ میں بہوذان کی بجائے ایک مقام پر حافظ ابن مندہ کے حوالے سے بود اور دوسرے ایک قول کے مطابق بہوذان بتایا ہے، تاہم اس سلسلے میں کتابت کی غلطی کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا تاریخ طبری میں دادا کا نام وہ دیرہ دیا گیا ہے۔

آپ جب چھوٹے تھے اسی زمانے سے طلبِ دین کی فکر تھی اور علمائے یہود و نصاریٰ وغیرہ کے پاس جاتے رہتے تھے اور جو اس سلسلے میں مصائب ان پر ہوتے تھے ان پر صبر کیا کرتے تھے یہاں تک کہ دس آدمیوں نے یکے بعد دیگرے ان کو اپنا غلام بنا کر فروخت کر دیا اور بالآخر یہاں تک نوبت پہنچی کہ حضرت رسولِ خدا نے ان کو ایک یہودی سے خرید کر لیا۔ آپ کی محبت اور اخلاص کا یہ اثر ہوا کہ حضرت رسولِ خدا نے ”السلمان من اهل البيت“ ارشاد فرمایا۔



شیخ محی الدین محمد العربی نے اس حدیث کو مسلمان کی عصمت و طہارت کی دلیل قرار دیا ہے اور اپنی کتاب فتوحات کے ایک مقام پر تحریر کیا ہے کہ جب حضرت رسول خدا عبد مخلص یعنی خالص تھے تو خداوند عالم نے ان کو اور ان کے اہل بیت کو طاہر کیا اور ان نجاستوں کو دور کیا اور ہر چیز کو جو انھیں پر عیب بناتی اس سے ان کو جدا فرمایا اور جس سے دور کیا۔ جس کے معنی قدرت کے ہیں جیسا فترا نے حکایت کی ہے جیسا کہ قرآن میں ہے، پس جس شخص کی نسبت ان کی طرف ہوگی وہ مظہر ہوگا اس لیے کہ اسی کی نسبت وہ لے جائے گی جو ان سے مشابہ ہوا اور جو چیز ان سے مشابہ ہوگی وہ طاہر اور مقدس ہوگی پس یہ پیغمبر خدا کی شہادت ہے سلمان فارسی کی طہارت اور حفظ الہی اور عصمت کے بارے میں۔ پس اب خود اہل بیت کے بارے میں کیا خیال ہے کہ جب ان سے مشابہ معصوم اور مظہر قرار پائے تو شبہ کا کیا ذکر ہے سوائے اس کے اور کیا کہا جائے کہ وہ عین طہارت ہے۔ باوجود اس پاکی کے پیش رواں بادشاہت نے خلافت کے معاملے میں جس قدر اذیتیں پہنچائیں اور مارا کہ ان کی گردن جج ہوگئی اور مرتے دم تک وہ گردن اسی حال میں رہی۔ سید التالین حیدر بن علی الآملی نے کتاب کشکول میں تحریر فرمایا ہے اور یہ روایت مشائخ حدیث میں عبد اللہ بن عقیف سے اور پھر ان کے پدر بزرگوار سے مروی ہے کہ سلمان قبل ظہور جناب رسول خدا کے میں آئے تھے اور دین حق کی فکر میں رہتے تھے جب جناب رسالت مآب مبعوث بہ رسالت ہوئے تو یہ حاضر خدمت ہو کر مشرف بہ اسلام ہوئے اور جب رسول خدا نے مسلمان کی قابلیت علما و عملاً ملاحظہ فرمائی تو آپ سے مشورہ فرمایا کہ ابتداً اہل مکہ میں سے کسی کو دعوت اسلام دینی چاہیے مقصد حضرت کا یہ تھا کہ مسلمان کا خیال معلوم ہو جائے۔ سلمان نے عرض کی ابتداً ابو فصیل عبدالفریٰ پر ابو قنفذہ کو دعوت

اسلام دینی چاہئے اس لیے کہ وہ تعبیرِ خواب بیان کرنے میں عرب میں مشہور ہیں اور عرب تعبیرِ خواب کو ایک قسم کا علم غیب سمجھتے ہیں اور علاوہ بریں علم تاریخ اور انساب عرب سے بھی قدرے واقف ہیں نیز بچوں کی تعلیم بھی کرتے ہیں۔ عرب لوگ اپنے معاملات میں اکثر ان سے رجوع کرتے ہیں ان کے دلوں میں ان کا کافی اثر ہے اگر یہ شخص مسلمان ہو جائے تو آپ کی نبوت کا شہرہ عربوں میں پھیل جائے گا اور وہ بھی اسلام کی طرف رجوع ہو جائیں گے اور یہ شخص بھی بعد اسلام لانے کے چونکہ ان کا مزاج واں ہے ان کو دین اسلام کی طرف مائل کر سکے گا اور معلمِ اطفال کی وجہ سے محبتِ ریاست و جاہ اس کے دل میں پیدا ہو گئی ہے جو معلم کا خاصہ ہے۔ آپ کی نبوت کا حال بھی کتب سابقہ سے اس کو معلوم ہو چکا ہے لہذا اب وہ طمع اور محبت دنیا کی وجہ سے دین اسلام قبول کر لے گا اور عرب ایسے شخص کی اطاعت کو دلیل حقیقتِ اسلام سمجھنے لگیں گے۔ اگر آپ نے بجائے اس کے ابتداً کسی دوسرے کو دعوت دی تو اس کو حسد اور عناد پیدا ہوگا کہ دوسرا مجھ پر سبقت لیے جاتا ہے لہذا وہ آپ کی بدگوئی اور مخالفت کرے گا۔ جناب رسالت مآب نے جناب علی مرتضیٰ اور جناب ابی طالب علیہ السلام سے بھی مشورہ فرمایا اُن دونوں حضرات نے سلمان کی رائے پسند کی اس کے بعد حضرت نے ابوبکر سے ملاقات کی اور دین اسلام کے لیے متوجہ کیا چنانچہ وہ اسلام لے آئے۔ حضرت رسول خدا نے اس کی کثیت جو ابوالفضل پہلے تھی بدل کر ابوبکر کر دی اور نام جو عبدالفری تھا عبداللہ کر دیا اور آپ ہمیشہ اپنے اصحاب کے مجمعے میں فرمایا کرتے تھے کہ ابوبکر نے تم پر روزہ و نماز کے سبب سے سبقت نہیں کی اس کی سبقت بسبب ایک شے کے تھی جس کا وقار اس کے دل میں بیٹھا ہوا تھا مراد حضرت کی محبتِ ریاست تھی۔

ابن قتیبہ نے جو مشاہیر علمائے مخالفین سے ہیں لکھا ہے کہ اٹھارہ آدمی صحابہ میں رافضی تھے جن میں سلمان کا بھی شمار ہے۔ شیخ اجل ابو جعفر طوسی علیہ الرحمہ نے امالی میں منصور بن رواح سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کی کہ اے مولا! میں آپ سے سلمان فارسی کا بہت ذکر سنتا ہوں آپ نے فرمایا سلمان فارسی مت کہہ بلکہ سلمان محمدی کہہ اور وجہ اس تذکرہ کرنے کی ان کی تین فضیلتیں ہیں جن سے وہ مزین و آراستہ تھے۔ اولاً یہ کہ وہ اپنی خواہش پر امیر المومنین علیہ السلام کی خواہش کو مقدم کرتے تھے۔ دوسرے یہ کہ فقراء کو دوست رکھتے تھے اور ان کو دولت مندوں پر ترجیح دیتے تھے تیسرے یہ کہ علماء سے محبت رکھتے تھے۔ یہ تحقیق کہ سلمان ایک عبد صالح مسلمان تھے اور مشرکین سے نہ تھے۔ امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ ایک دفعہ صحابہ کے مجمعے میں اپنے اپنے نسب کا ذکر کر رہے تھے اور فخر کر رہے تھے، سلمان بھی موجود تھے، عمر نے سلمان سے مخاطب ہو کر کہا کہ اے سلمان تمہارا حسب و نسب کیا ہے؟ سلمان نے جواب دیا کہ میں مسلمان۔ بندہ خدا کا بیٹا ہوں، میں گمراہ تھا خدا نے مجھ کو محمدؐ کے سبب سے ہدایت فرمائی، میں محتاج تھا خدا نے محمدؐ کی وجہ سے مجھے غنی کر دیا، میں غلام تھا خدا نے محمدؐ کی وجہ سے مجھے آزادی دی۔ پس یہ میرا حسب و نسب ہے۔

کتاب کامل بہائی میں ہے کہ سلمان نے بسبب متابعت آل رسول ابو بکر سے بیعت نہیں کی تو ایک روز عمر نے اُن سے کہا کہ اگر بنی ہاشم نے بیعت سے انکار کیا تو اپنی عزت پر افتخار قرابت کے باعث انکار کیا، وہ اپنے کو رسول کے بعد افضل خلق سمجھتے ہیں۔ یہ تم کو کیا ہوا کہ تم بیعت سے انکار کرتے ہو۔ سلمانؓ نے جواب دیا کہ میں دنیا اور آخرت میں ان کا شیعہ ہوں وہ جس سے مخالفت کریں



اس سے میں بھی مخالفت کروں گا اور جس سے وہ بیعت کریں اس سے میں بھی بیعت کرنے پر تیار ہوں۔

کشف الغمہ میں سلمان سے روایت ہے کہ ہم نے رسول اللہ کی بیعت مسلمانوں کی خیر خواہی اور علی ابن ابی طالب کو اپنا امام قرار دینے پر کی تھی۔ سید عارف میر مخدوم نے سلمان کے متعلق بعض اپنے رسائل میں تحریر فرمایا ہے کہ انھوں نے ظاہر و باطن کسی موقع پر علی کی مخالفت نہیں کی اور علیؑ نے جو چاہا وہ اس کے ہم خیال رہے۔

شیخ شہید علیہ الرحمہ نے حاشیہ قواعد میں کتاب صفوة الصفوة سے نقل کیا ہے کہ سلمان نے بنی کندہ کی ایک عورت کے ساتھ شادی کر لی تھی جس سے دو بیٹے پیدا ہوئے تھے اور بکثرت اولاد ہوئی جو فضل و عقل سے آراستہ ہوئی جیسا کہ رجال سے پتہ چلتا ہے۔ حضرت سلمان کے حالات تفصیلی عہد نامہ امیر المومنین میں ملتے ہیں جو سلمان کے بھائی اور اولاد نے بحکم پیغمبرؐ لکھا تھا۔ کتاب دُرُج الدَّری اور تاریخ گویدہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سلمان کی عمر ڈھائی سو برس کی ہوئی اور بعض روایت سے تین سو پچاس سال کی عمر پائی۔ ۳۶ ہجری میں بمقام مدائن انتقال فرمایا اور امیر المومنینؑ کو جب علم ہوا تو رات ہی رات مدائن تشریف لے گئے اور سلمان کو غسل دے کر اسی شب مدینہ واپس ہوئے۔ اس میں کوئی شک نہیں اور کتب سے معلوم ہوتا ہے کہ سلمان کو حضرت علیؑ سے نہایت محبت تھی اور اہل بیتؑ کا بہت پاس و لحاظ تھا اسی سے مخالفین علیؑ نے ان پر ہمیشہ سختیاں کیں۔

## حضرت سلمان محمدی

شاعر موڈت رزم ردولوی

”روزہ“ کا واقعہ ہے دیدنی حق کی قسم حُریت پروردہ مرسل نے اُٹھایا ہے قدم  
نقش جس کا اپنے دل میں ہیں لئے اہل ہم فیض کا جس کے اثر پہنچا عرب سے تا عجم  
راہِ آزادی سے خار و خس کنار ا کر گئے

زیست کے وادی گلوں سے نکھتوں سے بھر گئے  
”روزہ“ کا غنچہ خاطر جو کھلنے والا تھا گود میں اس کو بہارِ فکرِ حق نے پالا تھا  
برگ و بار گلشن تحقیق دیکھا بھالا تھا سروِ آزادی کا نادیدہ جو یہ متوالا تھا  
باغِ فارس سے ہوا آوارہ نکھت کی طرح

ہو گئی آوارگی اک حق کی قربت کی طرح  
حق کا سودا مول لینے کے لئے خود پک گیا پہنچا نئے تک غلامی میں یہ ہو کر مبتلا  
باغِ خرمہ کی جو خدمت میں لگا صبح و مسا پھل ریاضت کا ملا گذرے ادھر جب مصطفیٰ  
آنکھیں ملتے ہی دل و جاں میں اُجالا ہو گیا

چاہے خود ماہِ عرب جس کو وہ ہالا ہو گیا  
چمکا طالعِ محسن احرار خود خواہاں ہوئے لیجئے وابستہ مولائے آزاداں ہوئے  
روزہ ہو کر مسلمان حضرتِ سلمان ہوئے صاحبِ ایمان ہی کیا یہ کامل الایمان ہوئے  
پاک طینت ہے اگر تو کیوں نہ رحمت ایسی ہو  
نخرِ اہلبیت اپنا لے شرافت ایسی ہو



کیا کہے کوئی جو فرمائیں امام الصادقین علم کے دریا ہیں یہ جس کا کوئی ساحل نہیں  
یہ ہیں دانائے رموز اولین و آخرین یہ ہوئے سر حلقۃ انصارِ ایمان و یقیں  
فخر اصحابِ مسیح انس و جاں ایسا تو ہو  
مردے بولیں قبر سے معجز بیاں ایسا تو ہو  
مرتبہ ایسا کہ عالم کو نہیں جائے سخن زندگی ایسی کہ ہو جائے شریکِ پنجتن  
موت ایسی جس سے عصمت کا ہو پیدا حسن ظن خود نبی کی طرح حیدر رہی کریں دفن و کفن  
پڑھنے میت کی نماز آئے امام ایسا تو ہو  
یہ امام ایسا ہی ہے کوئی غلام ایسا تو ہو

## حضرت مقداد

آپ اسود کے فرزند تھے۔ مقداد مہاجرین میں بھی پیش پیش نظر آتے ہیں جنہوں نے خلافتِ ابوبکر کو تسلیم نہیں کیا تھا اور ان لوگوں میں آپ کا شمار ہے جن کے متعلق ہے کہ جنت ان کی مشتاق ہے۔ تاریخِ شیخ ابوالحسن مقدسی میں ہے کہ وہ ایک مرد بلند قامت و گندم گول تھے اور ضباعہ بنتِ زبیر بن عبدالمطلب ان کی زوجہ تھیں اور وہ شیعین علی ابن ابی طالب علیہ السلام میں ہیں۔ قدیم الاسلام اور تمام غزوات میں جناب رسول خدا کے ہمراہ جہاد فرمایا ہے۔ صحیح ترمذی میں ہے کہ جناب رسالت مآبؐ نے ارشاد فرمایا کہ میں ان سے محبت کروں اور یہ بھی خبر دی ہے کہ وہ ان کو دوست رکھتا ہے اور وہ علیؑ اور مقداد و سلمان اور ابوذرؓ رہیں۔

جامع صغیر میں جلال الدین سیوطی شافعی نے لکھا ہے کہ رسول خداؐ نے فرمایا کہ بہ تحقیق کہ جنت چار آدمیوں کی مشتاق ہے یعنی علیؑ، عمار و سلمان و مقداد شیخ ابو عمر کشی نے جو علمائے امامیہ میں سے ہیں اپنی کتاب اسماء والرجال میں امام محمد باقرؑ سے روایت کی ہے کہ سب لوگ مرتد ہو گئے سوائے تین آدمیوں کے سلمان و ابوذر و مقداد۔ راوی کہتا ہے کہ میں نے عرض کی عمار؟ حضرت نے فرمایا کہ وہ بھی کچھ حق سے پلٹ گئے تھے لیکن پھر حق کی طرف رجوع ہوئے اور اگر تو اس شخص کو جاننا چاہتا ہے کہ جس نے ذرا شک نہیں کیا اور جس کے دل میں کوئی بات





خلاف آئی ہی نہیں تو وہ مقداد ہیں اور ابان بن تغلب سے منقول ہے کہ میں نے حضرت صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ ”آیا صحابہ میں سے کسی نے ابو بکر کے جانشین رسول بننے پر اعتراض کیا؟“ آپ نے فرمایا ہاں! ”بارہ آدمیوں نے انکار کیا تھا۔ مہاجرین میں سے :-

مقداد بن اسود، ابوذر غفاری، سلمان فارسی، بزیدہ اسلمی، خالد بن سعید، عمار یاسر۔  
انصار میں :- ابو الیثم تہیان، عثمان بن حنیف، سہیل بن حنیف، خزیمہ بن ثابت، اُبئی بن کعب، ابوایوب انصاری۔“

لوگوں نے حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب سے پوچھا گیا کہ ابو بکر کو منبر سے اتار لیں تو آپ نے فرمایا قسم خدا کی ایسا اگر کرو گے تو سب تلواریں میرے پاس کھینچ کر آجائیں گے اور طلب بیعت اور قتل کے درپے ہوں گے اور جب یہ صورت ہوگی تو بدرجہ مجبوری مجھ کو بھی دفاع لازم ہوگا در آنحالیکہ پیغمبر خدا نے مجھے خبر دی ہے کہ میرے بعد ”امت تم سے عذر کرے گی اور میرے عہد کو توڑ دے گی اور تم کو مجھ سے وہی منزلت حاصل ہے جو ہارون کو موسیٰ سے تھی، جس طرح بنی اسرائیل نے موسیٰ اور ہارون کو چھوڑ کر گنوا سالہ پرستی اختیار کر لی تھی اسی طرح سے یہ امت تمہیں چھوڑ کر دوسرے کو اختیار کر لے گی۔“

میں نے (یعنی علی مرتضیٰ) عرض کی ”یا رسول اللہ! میں ان لوگوں کے ساتھ کیا کروں؟“۔ ارشاد فرمایا کہ ”اگر ناصرو مددگار تمہیں ملیں تو ان سے قتال کرو ورنہ اپنے خون کی حفاظت کرو۔ میرے پاس آؤ۔“

علی مرتضیٰ کے رسول اسلام کی طرح تمام انداز وہی ہیں جو رسول کو کرنا پڑے۔ اگر انھوں نے ابتدا میں صلح جوئی سے کام لیا تو علی کا بھی وہی انداز تھا۔ اگر انھوں نے آخر زمانے میں جنگ کی تو انھوں نے آخر زمانے میں جمل و صفین و

نہروان میں ناکشین و قاسطین اور مارقین سے قتال کیا۔ آنحضرتؐ نے آکر بوقت فتح مکہ اپنے مکان میں نزولِ اجلال نہیں فرمایا اور اس کو ترک کیا تو علیؑ نے بھی اپنے ایامِ خلافت ظاہری میں باغِ فدک پر قبضہ نہیں کیا۔ اگر وہ سال و ماہِ مشرکین کے دلوں میں مثل تیر کھکتے تھے تو علیؑ بھی اپنے مخالفین کی نظر میں تھے۔

مقداد بن الاسود نے ۳۳ ہجری میں انتقال فرمایا۔

### مقداد:

آپ کی ولادت یمن میں ہوئی اور آپ کا اصل وطن یمن ہے۔ مقداد نے اپنی عمر کا بیشتر حصہ مکہ اور مدینہ میں بسر کیا اور زندگی کے بیشتر واقعات میں مسلمانوں اور رہبرانِ اسلام کے ہمراہ تھے۔

مورخین مقداد کو سابقین اسلام میں شمار کرتے ہیں۔ بنا بریں تیرھویں شخصیت بعد از سلمانؓ و قبل از عمارؓ بعنوان مسلمان واقعی اسلام قبول فرمایا وہ جنابِ مقدادؓ ہیں۔ بلکہ مقدادؓ نے سلمانؓ سے پہلے اسلام قبول کیا ہے۔ جن سات لوگوں نے اسلام قبول کرنے کو ظاہر کیا ان میں ایک مقدادؓ بھی ہیں۔

اسلام کے پرچم تلے آگئے تھے اور وہ تمام سختیاں اور شکنجے جو پیغمبرؐ اسلام اور مسلمانوں پر وارد ہوتی تھیں اس میں آپؐ بھی شریک تھے۔ یہ لوگوں کو پہچاننے کے طریقوں میں سے ایک طریقہ ہے کہ سخت ترین ماحول میں اسلام قبول کیا اور تمام سختیوں کے باوجود دامنِ اسلام کو نہ چھوڑا بلکہ ہمیشہ اس سے متمسک رہے۔

مسلمان گروہ در گروہ حبشہ کی طرف ہجرت کرنے لگے۔ مقداد دوسرے گروہ کے ساتھ رابئی حبشہ ہوئے۔ چند مدت کے بعد آپؐ نئے لوٹ آئے اور پیغمبرؐ اسلام کے ہمراہ زندگی گزارتے رہے۔ یہاں تک کہ پیغمبرؐ اسلام کی اور



اسلام اور مسلمانوں کی حمایت کرتے رہیں اور اس راہ میں ذرہ برابر بھی بیوفائی کا اظہار نہیں فرمایا بلکہ اس وفادار اسلام نے ہمیشہ اپنی وفاداری کا ثبوت دیا۔  
مقدادؓ نے دو مرتبہ ہجرت کی ہے، لہذا آپ کو مہاجر الہجرتین کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ پہلی مرتبہ حبشہ ہجرت کی جس کی تفصیل گزر چکی ہے۔ دوسری مرتبہ مدینے۔ لیکن مدینہ کب ہجرت کی تحقیقی طور پر روشن نہیں ہے، بعض نے کہا ہے کہ پیغمبر اسلام کے ساتھ ہجرت فرمائی۔

مقدادؓ کہتے ہیں کہ جب ہم مدینے وارد ہوئے تو رسول اسلامؐ نے ہم لوگوں کو گروہ میں تقسیم کر دیا۔ میں ہمیشہ اس گروہ میں شامل تھا، جس میں پیغمبر اسلام بھی تھے۔ ہمارے پاس صرف ایک بھیڑ تھی جس کے دودھ سے اہم استفادہ کرتے تھے۔ مورخین لکھتے ہیں کہ مقدادؓ جب مدینہ آئے تو کلثوم بن ہدم انصاری کے پاس پہنچے۔

مہاجرین کے درمیان بھائی چارگی برقرار ہو رہی تھی، رسول اللہؐ نے مقداد اور جبار بن صخر کے درمیان بھائی چارگی قائم فرمائی، یہ بات واضح ہے کہ عقد اخوت والا واقعہ پہلی ہجرت میں نمودار ہوا ہے۔ مقداد ۳۳ ہجری میں مقام جرف (جو مدینہ سے ایک فرسخ کی دوری پر ہے) میں اس دنیا سے گزر گئے، اس وقت آپ کا سن شریف تقریباً ستر سال تھا۔

بنابریں آپ کا سال مولد ۱۶ عام الفیل یعنی چوبیس سال قبل از بعثت قرار پاتا ہے۔ اسی بنیاد پر یہ بھی سمجھ میں آتا ہے کہ وقت بعثت آپ کا سن شریف تقریباً سینتیس سال تھا اور بہ وقت رحلت پیغمبر اسلامؐ آپ تقریباً سینتالیس سال کے تھے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ مقداد عمر کے اعتبار سے مولائے کائنات حضرت علیؑ سے بڑے تھے، اس لئے کہ آپ کی تاریخ پیدائش تیس عام الفیل ہے۔



اول جناب ابو ذر ۳۱ یا ۳۲ ہجری میں اس دارِ فانی سے کوچ کر گئے، دوئم جناب مقداد ۳۳ ہجری میں اس دنیا سے گزر گئے۔ سوئم جناب سلمان ۳۶ ہجری میں راہی ملکِ جاوداں ہوئے، چہارم عمارؓ نے جنگِ صفین میں سینتیس ہجری میں وفات پائی۔ دختر مقدادؓ جناب کریمہ کہتی ہیں کہ مقدادؓ بلند قامت، گندمی رنگ مائل بہ سیاہی تھے۔ سر پر بہت بال تھا اور مولے تازے تھے، داڑھی نہ زیادہ تھی نہ کم اس میں خضاب فرماتے تھے۔

مقدادؓ ایسی ہی شخصیتوں میں سے ایک شخصیت کا نام ہے، جنہوں نے اسلام کے تاریخی حوادث میں خود کو اس طرح پیش کیا کہ آج بھی تاریخ ان کے جواں مردی کے قصیدے پڑھ رہی ہیں، جب اسلام قبول کیا تو اس وقت بھی سختیاں اور شکنجے برداشت کئے اور ایک وفادار مسلمان ہونے کا ثبوت پیش کیا۔ وہ ہجرت حبشہ ہو یا ہجرت مدینہ، مقدادؓ نے کسی جگہ بھی اسلام اور مسلمان کی مدد و نصرت میں ذرہ برابر کوتاہی نہیں کی اور ہمیشہ پیغمبر اسلامؐ کے حوالے کے ساتھ ساتھ رہے۔

رسول اسلامؐ کے زمانے میں جتنی بھی جنگیں ہوئیں حضرت مقدادؓ نے اس میں شرکت فرمائی اور ایک جاں باز سپاہی کی حیثیت سے آئینہ اسلام کی حفاظت فرماتے ہوئے اس سے دفاع کیا۔

اسلام کی دو بڑی جنگوں بدر و احد صفحاتِ تاریخ پر جلوہ نماں ہیں اور مقدادؓ کی جواں مردی کا قصیدہ پڑھ رہی ہیں۔

اسلام میں جس نے سب سے پہلے سوار ہو کر جنگ کی ہے وہ مقدادؓ کی ذات ہے، جب عثمان مسندِ خلافت پر بیٹھے تو مقدادؓ نے عبدالرحمن بن عوف سے کہا خدا کی قسم اگر میرے یار و مددگار ہوتے تو جس طرح جنگ بدر و احد میں قریش سے



جنگ کی تھی آج بھی دشمنانِ علیؑ سے اس طرح جنگ کرتا۔ یہ بات اتنی آتش اور دل کو جھجھوڑنے والی تھی کہ عبدالرحمن بن عوف ڈر گئے اور اتنے ڈرے کہ مقدادؓ سے کہنے لگے کہ تمہاری ماں تمہارے غم میں بیٹھے۔ (عرب کا محاورہ ہے) ایسی باتیں نہ کرو اس لئے کہ اگر یہ باتیں لوگوں کو معلوم ہو گئیں تو ڈرے کہ فتنہ و فساد برپا ہو جائے گا۔ ایک شخص کہتا ہے کہ اس واقعے کے بعد میں مقدادؓ کے پاس گیا اور کہا کہ میں تمہاری مدد کے لئے تیار ہوں۔ مقدادؓ نے جواب دیا ایک دو آدمیوں سے کام بننے والا نہیں ہے۔ راوی کہتا ہے میں مقدادؓ کے پاس سے اٹھا اور حضرت علیؑ کی خدمت میں آکر سارا واقعہ ان کے گوش گزار کر دیا۔ حضرت نے مقدادؓ کے لئے دعائے خیر فرمائی۔

جنگِ بدر میں مسلمانوں کی سپاہ میں فقط دو سوار تھے ایک زبیر دوسرے مقدادؓ، اس جنگ میں مقدادؓ گھوڑے پر سوار تھے اس میں تو کوئی شک اور اختلاف نہیں ہے لیکن زبیر کے بارے میں بعض کہتے ہیں زبیر سوار نہ تھے بلکہ مرشد بن ابی مرشد سوار تھے۔

بعض روایتوں کی بنیاد پر جو حضرت علیؑ سے نقل ہیں وہ یہ ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ جنگِ بدر میں ہم میں سے گھوڑے پر صرف مقداد سوار تھے اور اسلام میں گھوڑے پر سوار ہو کر راہِ خدا میں جنگ کرنے والے پہلے شخص مقدادؓ تھے جس گھوڑے پر جنابِ مقداد سوار تھے اس کا نام بھیہ تھا۔

بھیہ شادری اور تیراکی کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ اس گھوڑے کو اس نام سے موسوم کرنے کی شاید یہ وجہ رہی ہو چونکہ جنابِ مقداد دشمنوں کے متلاطم سمندر میں بڑی مہارت سے شادری و تیراکی کرتے ہوئے فوجوں کی موجوں کا قلعہ قمع کر رہے تھے اور گھوڑا بھی بڑی چابک دستی کے ساتھ دشمنوں کی فوج



کو تتر بتر کر رہا تھا۔ اس لئے اس کا نام سحیہ رکھا گیا۔ جنگ بدر سے پہلے رسولِ اسلام اپنے ساتھیوں کے ساتھ ابوسفیان کے تجارتی قافلے کو روکنے کی غرض سے جوشام ہو کر تکتے کی طرف جا رہا تھا، میدان بدر میں پہنچے۔ لیکن خبر ملی کہ ابوسفیان چور راستے سے استفادہ کرتے ہوئے، تکتے پہنچ گیا اور پھر یہ بھی خبر ملی کہ ایک بہت بڑی فوج اسلوں سے لیس ہو کر تکتے سے مسلمانوں کو نیست نابود کرنے کے لئے چل چکی ہے، مقام بدر تک پہنچنے والی ہے۔

اس وقت اسلامی سپاہیوں کی تعداد فقط تین سو چودہ تھی، جبکہ دشمن فوج میں نو سو پچاس جنگجو تھے، سات سو اونٹ اور ایک سو گھوڑے تھے، یہ کیسا بحرانی اور خطرناک وقت تھا، اس کا اندازہ ہر انسان کر سکتا ہے۔ اس موقع پر رسولؐ نے اپنے ساتھیوں کو جمع کیا اور ان سے مشورہ کرنے لگے، لوگوں نے مختلف جواب دیئے، یہاں تین افراد کی گفتگو پیش کی جا رہی ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ مقداد کس جانباز غازی کا نام ہے۔

ابوبکرؓ نے کہا وہ فوج جو مکہ سے آ رہی ہے وہ سب کے سب قریش ہیں اور ہرگز ایمان نہیں لائیں گے، کبھی بھی ہمارے سامنے سر تسلیم خم نہیں کریں گے اور ہم بھی یہاں جنگ کے لئے نہیں آئے ہیں۔ نہ ہی اسلحہ ہے اور نہ ہی جنگجو افراد ہیں۔ (عقب نشینی کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے)

عمرؓ نے بھی ابوبکر صاحب کی گفتگو کی تائید کرتے ہوئے اپنے مطالب پر زور دیتے ہوئے بیان کیا۔

پیغمبرؐ اسلام ان جوابات سے ناراض ہوئے اور آپ اتنے غضبناک ہوئے کہ چہرہ سرخ ہو گیا۔ جب پیغمبرؐ اسلام کے جانباز سپاہی مقدادؓ جمع سے اٹھے اور بڑے جراتمندانہ انداز میں اس طرح عرض کی، اے رسول اللہؐ یہ قریش جو اپنی



سپاہ پر مغرور ہو کر ہماری طرف آرہے ہیں۔ ہم آپ پر ایمان لاتے ہیں اور آپ کی تصدیق کرتے ہیں اور اس کی گواہی بھی دیتے ہیں کہ آپ جو کچھ خدا کی طرف سے لائے ہیں سب حق ہے خدا کی قسم اگر آپ آگ میں کودنے یا کانٹوں پر پا برہنہ چلنے کا حکم دیں تو آپ کا حکم دل و جان سے قبول کریں گے۔ جو بات بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ سے کہی تھی کہ ”آپ اپنے خدا کے ساتھ جاییں اور جنگ کیجئے ہم یہیں بیٹھتے ہیں۔“ (یہ سورہ مائدہ کی آیت نمبر ۴۲ ہے جو بنی اسرائیل اور جناب موسیٰ کے سلسلے میں ہے۔) کبھی نہیں کہیں گے ہم یہ کہتے ہیں کہ آپ اپنے پروردگار کی طرف سے جنگ کریں اور ہم بھی آپ کے ہم رکاب جنگ کریں گے۔

بخاری میں آیا ہے کہ جب مقدادؓ نے والہانہ انداز میں اپنی جانبازی کا یقین دلایا تو رسولؐ اسلام بہت خوش ہوئے اور چہرے کی بدلی ہوئی رنگت پر بشارت کی لہریں دوڑ گئیں۔ اس وقت رسولؐ اسلام نے مقدادؓ کے حق میں دعا کی۔ خدا تم کو جزائے خیر عنایت کرے۔

جنگ اُحد اسلام کی تاریخ میں ایسی جنگ ہے جس نے اچھے اچھوں کی بہادری کا پول کھول دیا، لیکن جنگ میں مقدادؓ کی فداکاری جلی حروف سے تاریخ میں مرقوم ہے۔

جب سپاہ اسلام سپاہ کفر سے رو برو ہوئی اور رسولؐ اسلام نے اپنی صفوں کو منظم کر کے جنگ کا اعلان کر دیا تو اس لشکر میں مقدادؓ کو سوجوانوں کا سربراہ قرار دیا تاکہ دشمنوں سے بایاں پر اکاملاً محفوظ رہ سکے۔ بعض تاریخوں میں یہ بھی ملتا ہے کہ مقدادؓ اس بحرانی کیفیت میں بھی تیر اندازی کے فرائض انجام دے رہے تھے اور جب جنگ اُحد میں وہ منحوس موقع آیا جس میں مسلمان مال کی لالچ میں



اپنا اپنا مقام چھوڑ کر مال کے لئے دوڑ پڑے۔ دشمن نے خوب خوب فائدہ اٹھایا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دشمن کا حملہ دیکھ کر مسلمانوں کے بڑے بڑے رہنماؤں نے فرار کو قرار پر ترجیح دیتے ہوئے رسالت مآب کو یکہ و تنہا چھوڑ دیا اور بڑکوبی (پہاڑی بکرے کی طرح) کی طرح پہاڑ پر قلائچیں مارنے لگے۔ رسولؐ کے شفیق چچا حمزہؓ شہید ہو گئے۔ خود حضرت کا دندان مبارک شہید ہو گیا، لیکن مسلمانوں کو اس کی کیا فکر، انہوں نے کاہنوں کے قول پر اعتماد کرتے ہوئے اسلام قبول کیا تھا۔ رسولؐ کی محبت کہاں سے آتی۔

لیکن اس پُر حول ماحول میں بھی مقدا اپنے ساتھیوں کے ساتھ سیدہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح جھے رہے۔ مرحوم شیخ طوسیؒ کے قول کے مطابق بزرگان تاریخ نقل کرتے ہیں کہ کوئی پیغمبر اسلامؐ کے ساتھ بجز علیؓ، طلحہؓ زبیرؓ اور ابو دجانہؓ موجود نہ تھا۔ پھر ابن عباسؓ نقل کرتے ہیں کہ پانچویں شخص جو اس بحرانی کیفیت میں رسولؐ کے ساتھ تھے وہ عبد اللہ ابن مسعودؓ تھے اور چھٹے جس نے استقامت کا ثبوت دیا اور راہ فرار اختیار نہ کی وہ مقداؓ تھے۔ کریمہ مقداؓ فرماتی ہیں کہ رسولؐ اسلامؐ نے خیبر کے بعد ہمارے بابا کو پندرہ اونٹ جن پر جو بار تھا عنایت فرمایا جسے ہم نے ایک ہزار درہم میں معاویہ کے ہاتھوں بیچ دیا۔ اس کے علاوہ دوسرے غزوات و سریات میں مقداؓ کی ذات تاریخ میں مدافعِ حرمِ اسلام کے عنوان سے زریں حروف میں جلوہ فگن ہیں۔ ہاں مقداؓ نے اپنی تمام زندگی کامل خلوص کے ساتھ اسلام کی فداکاری میں بسر کی اور اس راہ میں اپنی جان کی قربانی سے کبھی دریغ نہیں فرمایا۔ مقداؓ ایسے عاشقِ دلدادہ آلِ محمدؐ کا نام ہے جس نے عشقِ آلِ محمدؐ میں اپنی ساری زندگی وقف کر دی، ہاں حضرت علیؓ کی شاگردی میں اس عاشقِ دلدادہ نے اپنی زندگی انہیں کے نقشِ قدم پر گزاری جس کا استاد علیؓ



جیسی ذات ہو اس کے شاگردوں سے ایسی ہی اُمید ہوتی ہے۔

چھٹی ہجری میں جنگِ ذی قردوس کو غزوہِ غابہ بھی کہتے ہیں واقع ہوئی، قردوس مدینہ کے نزدیک پانی کا ایک چشمہ ہے اس کے اطراف میں ابوذرؓ غفاری رسولِ اسلامؐ کی بیس دودھ دینے والی اُونٹنیوں کے نگہبان تھے جو وہیں چرا کرتی تھیں، عیینہ ابن حصن نے چالیس سواروں کے ساتھ ان لوگوں کو برباد کر دیا۔ نیز ابوذرؓ کے بیٹے اور ان کے خاندان کے ایک اور دوسرے شخص کو بھی قتل کر دیا۔ علاوہ ازیں حضرت ابوذرؓ کی بیوی کو اسیر بنا لیا لیکن انہوں نے چالاکی کے ساتھ ان لوگوں کو غافل کر کے رسولِ اسلامؐ کے اُونٹوں میں سے ایک اُونٹ پر سوار ہو کر رات میں مدینہ فرار ہو گئیں، اور رسولِ اسلامؐ کے پاس پہنچ کر عرض کی میں نے منت مانی تھی کہ جب دشمن کے شر سے نجات پالوں گی تو اس اُونٹ کی قربانی کروں گی۔ پیغمبرِ اسلامؐ نے فرمایا جب تم اس پر سوار ہو کر یہاں تک آئی ہو اور اس نے تم کو نجات دی ہے تو اس کو نحر کرنا اچھا نہیں ہے۔ گناہ کی چیزوں میں فقط نذر کرنا یا انسان جس چیز کا مالک نہ ہو اس کی نذر کا کوئی مورد نہیں ہوتا ہے۔ اس کے بعد رسولِ اسلامؐ نے جنگ کی دعوت دی اور پانچ سو افراد بقولے سات سو، ۷۰۰ افراد جنگ کے لئے آمادہ ہو گئے، حضرت نے علم فوج مقداد کے ہاتھوں میں دیا اور ان کو دشمن کی فوج کی طرف روانہ کر دیا، مقدادؓ نے دشمن کی طرف حرکت کی اور جنگ شروع کر دی۔ اپنے دشمن ابو قتادہ مسعود کو ہلاک کر ڈالا دوسری طرف سلمہ ابن اکوع بھی پیدل دشمنوں سے لڑ رہے تھے، آخر کار دشمن ایک درّے کی طرف فرار ہو گیا، جس میں چشمہ ذی قردوس واقع تھا۔ وہ سپاہیانِ اسلام سے مقداد کی علمداری میں اس قدر بدحواس ہو گئے کہ اس چشمے سے پانی پینا چاہا تو وہ بھی نہ پی سکے اور آخر کار کفر نے اپنا آخری حربہ الفرار، الفرار اختیار کیا۔ نتیجہ یہ

ہوا کہ مسلمانوں نے مقداد کی سربراہی میں دشمنوں کو پیچھے ڈھکیل دیا اور فتح و ظفر کا تاج سر پر رکھے مدینے کی طرف لوٹ گئے۔ یوں تو تاریخ اسلام میں مال لوٹ کر پیٹ بھرنے والوں کی فہرست بہت طویل ہے۔ کسی نے بصرہ میں محل تعمیر کرایا۔ تو کسی کی وفات کے وقت ہزار گھوڑے، ہزار اونٹ اور سوغلام موجود تھے۔ حتیٰ کہ بعض لوگوں کے اموال مرنے کے بعد اس مقدار میں موجود تھے کہ سونے چاندی کی کلباڑی سے توڑ کر تقسیم کرنا پڑا لیکن اس لوٹ کھسوٹ کے ماحول میں مدینے میں ایک ایسا بھی تھا جو دنیا کے زرق برق سے مبرا اور منزا تھا اور اس دنیائے فانی کے فریب میں نہ آیا حتیٰ کہ نان شبینہ کی بھی محتاجی تھی۔ لیکن سائل کو کبھی بھی اپنے در سے خالی ہاتھ نہ لوٹایا۔ ہاں امام کو ایسا ہی ہونا چاہئے جیسا کہ ذات، صفات والا حضرت علیؑ کی تھی، ایک شب وہ بھی آئی کہ گھر میں ایک ٹکڑا روٹی بھی نہ تھا تا کہ اسی کے ذریعہ بچوں کی پرورش کی جائے وہ شب آلِ محمدؑ پر کیسی گزری خدا بہتر جانتا ہے۔ صبح ہوئی تو حضرت نے سوال فرمایا اے دخترِ پیبر گھر میں کھانے کے لئے کچھ موجود ہے۔ وفا شعار بیوی نے آواز دی اُس وحدہ لا شریک کی قسم جس نے میرے بابا کو نبوت اور یا علیؑ آپ کو وصایت و جانشینی کے لئے منتخب فرمایا ہے گھر میں کچھ بھی نہیں ہے دو روز ہو گئے کہ گھر میں کچھ بھی نہیں ہے اس دو روز میں سینے پر پتھر رکھ کر ہم نے حسنینؑ کے ساتھ صبر کیا۔ حضرت علیؑ نے فرمایا میں کھانے کا انتظام کرنے جا رہا ہوں۔ حضرت فاطمہؑ زہراؑ نے فرمایا اے ابوالحسنؑ آپ خود کو زحمت دے رہے ہیں اس کے لئے میں خدا کے سامنے شرمندہ ہوں۔

حضرت علیؑ اس اُمید کے ساتھ گھر سے باہر تشریف لائے کہ خدا لطف کرے گا اور کوئی مل جائے تا کہ اس سے ایک دینار قرض لے لیا جائے۔ اسی فکر میں تھے



کہ ایک شخص پہنچا، آپ نے اس سے بطور قرض ایک دینار کا تقاضا کیا اس شخص نے بلا تامل ایک دینار دے دیا، حضرت بہت خوش ہوئے اور گھر کا رخ کیا، اسی فکر میں تھے کہ اہل خانہ کے لئے کیا خریدا جائے کہ دریں اثناء حضرت علیؑ کی نگاہ اسلام کے خودار و فاشعار صحابی پر پڑی جس نے تمام حوادث میں علیؑ ابن ابی طالبؑ کے نقش قدم پر چلنا اپنا فرض منصبی شمار کیا، یعنی مولانا نے راستے میں مقدار کو دیکھا (وفادار صحابی مشکل میں ہے) حضرت علیؑ نے ملکوئی خدو خال پر غائرانہ نگاہ دوڑائی اور وہیں رک کر اس وفاشعار صحابی سے احوال پرسی کرنے لگے۔ حضرت نے مشاہدہ کیا کہ گرمی کی شدت اور دھوپ کی تپش نے مقدار کو پسینے سے شرابور کر دیا ہے۔ گرمی نے انہیں اس قدر بدحواس کر دیا تھا کہ قریب تھا کہ وہ گر پڑیں۔ اس موقع پر حضرت علیؑ اور مقدار میں اس طرح باتیں ہوئیں۔

حضرت علیؑ..... اے مقدار! اس وقت کس لئے گھر سے باہر نکلے ہو؟

مقدار..... میرے مولانا مجھے میرے حال پر چھوڑ دیجئے میں جدھر جا رہا ہوں ادھر جانے دیجئے، حضرت علیؑ..... میرے بھائی میرے لئے شاق ہے کہ تم میرے پاس سے گزر جاؤ اور میں تمہارے حال سے آگاہ نہ ہوں۔ مقدار..... اے ابوالحسن میں تہہ دل سے یہی چاہتا ہوں کہ مجھے میرے حال پر چھوڑ دیجئے، حضرت علیؑ..... اے بھائی اپنا حال کیوں چھپاتے ہو؟ ختم مجھے تمہارے حال سے باخبر ہونا چاہئے۔ مقدار..... اچھا جب آپ اتنے مُصر ہیں کہ آپ میرے احوال سے باخبر ہوں تو سنئے اس خدا کی قسم جس نے رسول اللہ کو نبوت اور آپ کو تاج ولایت سے آراستہ فرمایا ہے میرے گھر میں کئی دن سے فاقے پڑ رہے ہیں بھوک اور فاقے کی شدت سے بچے بلک رہے ہیں جب ان کے بلکنے کی آواز سنی تو میری طاقت جواب دے گئی، غم و غصے کے عالم میں بے مقصد گھر سے باہر نکل

پڑاتا کہ خدا کوئی راہ پیدا کرے۔ اب میں اس کوشش میں ہوں کہ کوئی غذا مہیا کروں، ابھی مقداد کی گفتگو پوری نہیں ہو پائی تھی کہ حضرت کی آنکھوں سے آنسوؤں کے قطرات نمایاں ہو گئے، اور سیل اشک جاری ہو گئے، یہاں تک کہ محاسن تر ہو گئی، فرمایا اسی کی قسم جس کو تم نے یاد کیا، جس قصد سے نکلے ہو میں بھی اسی مقصد کے تحت گھر سے باہر نکلا ہوں۔ میں نے ایک شخص سے ایک دینار قرض لیا ہے لو اسے لے جاؤ اور میری فکر چھوڑ دو، مقداد نے بڑی شرمندگی سے اس دینار کو لیا اور پلٹ کر غذا مہیا کی اور گھر والوں کے لئے اس دن اسی دینار سے غذا کا انتظام کیا، (رسالت مہمانِ ولایت) علیؑ تہی دست ہو گئے، لیکن بہت خوش ہیں کہ مسلمان کی مدد کی اور اپنے ہاتھ سے اس کی مشکل کشائی فرمائی، مقداد سے جدا ہو کر سیدھے مسجد کا رخ کیا نماز ظہر و عصر مسجد میں ادا کی لیکن بعد از نماز گھر تشریف نہیں لے گئے، یہاں تک کہ نماز مغرب کا وقت آ گیا، آپؐ نے رسالت مآب کی اقتدا میں نماز جماعت ادا کی۔ حضرت علیؑ صفِ اول میں تھے۔ نماز کے بعد رسولِ اسلامؐ نے حضرت علیؑ کی طرف اشارہ کیا۔ حضرت علیؑ رسولِ خداؐ کے پیچھے ہو گئے اور مسجد کے دروازے کے پاس ساتھ گئے، سلام کیا، رسولِ خداؐ نے جواب دیا۔

رسولِ خداؐ آپؐ کیا چاہتے ہیں کہ آج کی رات آپؐ کا مہمان ہو جاؤں اور آپؐ کے یہاں شب کا کھانا کھاؤں، حضرت علیؑ کو معلوم تھا کہ گھر میں کچھ بھی کھانے کو نہیں ہے اور کوشش کے باوجود سچی کامیاب نہ ہوئی۔ پیغمبرِ اسلامؐ کے اس سوال کے جواب میں سر جھکا دیا اور ساتھ میں چلنے لگے۔ پیغمبرِ اسلامؐ نے فرمایا یا علیؑ میرے سوال کا جواب کیوں نہیں دیتے؟ یا انکار کر دیجئے تاکہ پلٹ جاؤں، یا ہاں کر دو تاکہ چلا آؤ، خاموش کیوں ہو؟ اس درمیان پیغمبرِ اسلامؐ کو وحی



کے ذریعہ معلوم ہو چکا تھا کہ حضرت علیؑ نے آج کس اثیار کی معراج کا ثبوت دیا ہے اور خدا کی طرف سے معمور تھے کہ اس رات کا کھانا علیؑ کے ساتھ نوش فرمائیں اور حضرت کے مہمان ہوں۔

حضرت علیؑ نے فرمایا اے رسولِ گرامی جواب نہ دینے کی وجہ یہ ہے کہ شرمندگی نے میرا حصار کر لیا ہے اور آپ کے بلند و بالا مقام نے میرے منہ پر تالا لگا دیا ہے وگرنہ باکمال افتخار حاضر ہوں کہ آپ میرے گھر تشریف لائیں اور آپ کا پائے مبارک مشکانِ چشم پر ہو۔ اسی وقت رسولِ خدا حضرت علیؑ کے ہاتھ کو اپنے ہاتھوں میں لے کر باہم بیت الشرف کا رخ کیا اور داخل خانہ ہو گئے فاطمہ الزہراءؑ نے اپنی نماز تمام کی اور ابھی سجادے پر تشریف فرما تھیں کہ احساس ہوا کہ بابا وارِ خانہ ہوئے ہیں تو کھڑی ہو گئیں اور استقبال کے لئے آئیں، سلام کیا، جواب سلام سنا، فاطمہؑ پیغمبر کو بہت عزیز تھیں حضرت نے اپنی بیٹی سے محبت کا اظہار کیا اور دستِ شفقت پھیرتے ہوئے حال و احوال دریافت کیا۔

تعب خیز نگاہ کے ساتھ پیغمبرؐ نے فرمایا بیٹی خدا تمہیں اپنی عنایتوں سے نوازے، کل رات کیسی گزری؟

فاطمہؑ نے فرمایا..... بخیر و خوبی، نبیؐ نے فرمایا..... کھانا کیا بنایا ہے۔

فاطمہؑ زہراؑ یہ سن کر اٹھیں اور ایک بڑا پیالہ لا کر رکھ دیا، جو غذا سے پڑ تھا۔ جب نماز پڑھ رہی تھیں اس کو اپنے پیچھے رکھا تھا۔ رسول اللہ علیؑ اور فاطمہؑ دسترخوان پر تشریف فرما تھے۔ حضرت علیؑ نے فرمایا کہ دسترخوان پر ایسی غذا ہے کہ مزہ اور خوشبو کے اعتبار سے کبھی بھی ایسی غذا نہ کھائی تھی۔ حضرت علیؑ اس فکر میں تھے کہ فاطمہؑ نے کہا تھا دو روز سے گھر میں فاقہ ہے۔ پھر یہ غذا کہاں سے آئی۔ اسی فکر میں ایک تعب خیز نظر سے بی بی کی طرف دیکھا۔ حضرت فاطمہؑ حضرت علیؑ کے



چہرے کی رنگت اور نگاہ سے سمجھ گئیں۔ سوال کیا۔

حضرت فاطمہؑ نے فرمایا..... سبحان اللہ یا علیؑ ایسے کیوں دیکھ رہے ہیں؟  
 حضرت علیؑ نے فرمایا..... یہ میری نگاہ اس لئے ہے کہ صبح آپؑ نے کہا تھا کہ گھر میں  
 کچھ کھانے کو نہیں ہے اور اس کی تاکید سے قسم بھی کھائی تھی تو یہ غذا کہاں سے آئی؟  
 اس وقت حضرت فاطمہؑ نے آسمان کی طرف نگاہ کی اور فرمایا! میرا خدا اپنے  
 آسمان وزمین میں جانتا ہے کہ غیر سخن حق کبھی کلام نہیں کیا..... حضرت علیؑ نے پھر  
 پوچھا پس ایسی غذا کہاں سے آئی؟ کہ آج سے قبل اس لذیذ اور خوش مزاج غذا میں  
 نے نہیں کھائی تھی۔ اس سوال و جواب کے درمیان رسولؐ نے فرمایا اپنا دست  
 مبارک حضرت علیؑ کے بازوئے اطہر پر رکھا اور حرکت دیتے ہوئے فرمایا! علیؑ یہ  
 غذا اس دینار کے انفاق کا صلہ ہے جو خدا نے اپنی طرف سے عنایت فرمایا ہے  
 خداوند جسے چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے۔

اس وقت رسولؐ کی آنکھوں میں آنسو بہنے لگے، فرمایا حمد و ستائش خدا کی جس  
 نے تم کو (یا علیؑ) مانند حضرت زکریاؑ اور فاطمہؑ کو مانند مریمؑ قرار دیا۔ اس جہت سے  
 قرآن فرماتا ہے ”جب کسی وقت زکریاؑ ان کے پاس (ان کے) عبادت کے  
 حجرے میں جاتے تو مریمؑ کے پاس کچھ نا کچھ موجود پاتے پوچھتے اے مریم یہ  
 (کھانا) تمہارے پاس کہاں سے آیا، تو مریمؑ یہ کہہ دیتیں تھیں کہ خدا کے یہاں  
 سے آیا ہے، بے شک خدا جس کو چاہتا ہے بے حساب روزی دیتا ہے۔“

مقدادؑ کو بھی حضرت علیؑ کی طرح دنیا سے کوئی دلچسپی نہیں تھی نہ یہ کہ جہاں سے  
 چاہو حاصل کرو اور اپنی زندگی گزار لو، یہ اسیران دنیا ہیں جو لوٹ کھسوٹ کر اپنی  
 زندگی طمع طراق سے گزارتے ہیں بلکہ مقدادؑ اس ذات کا نام ہے جس نے بڑی  
 سادگی سے اپنے زندگی گزاری، حتیٰ کہ بھوکے رہ کر بھی لیکن دنیا کے سامنے گھٹنے



نہیں ٹیکے، اس بُرے وقت میں بھی جب حضرت علیؑ سے ملاقات کی تو یہ نہیں چاہتے تھے کہ کوئی مرے حال سے واقف ہو حتیٰ کہ مولا کے سامنے بھی اپنی متانت اور سنجیدگی کو بطور کامل محفوظ رکھا۔ یہ ایک عملی درس ہے کہ اپنی مشکلات کو جلد کسی کے سامنے بیان مت کرو۔ جناب مقداد نے علیؑ جسے رؤوف امام کے سامنے بھی تین مرتبہ کے اصرار کے بعد بھی اپنا حال بیان کیا۔

حضرت علیؑ نے جب مقداد کو حواس باختہ دیکھا کہ پسینے میں شرابور ہیں تو اپنی ساری تکلیف و پریشانی بھول کر مقدادؓ کے بارے میں فکر کرنے لگے اور جب مقداد کی درد بھری داستان سنی تو آنکھوں سے مسلسل اشک جاری ہو گئے۔ رہبران قوم کے لئے یہ ایک عملی درس ہے کہ قائد و امام کو رعیت و اُمت کے افراد کے لئے ایسا مہربان ہونا چاہئے۔

حضرت علیؑ نے اس بحرانی کیفیت میں جبکہ کتنی مشکل سے ایک دینار ملا تھا لیکن مقداد کی کیفیت دیکھ کر اس کی پروا نہیں کی اپنے بچوں کی فکر چھوڑ کر وہ دینار مقدادؓ کے حوالے کر دیا۔

رعایت آداب..... حضرت علیؑ نے تمام گفتگو میں جناب مقداد کو بھائی کہا اور جناب مقداد نے خلیفہ و وصی سے خطاب کیا۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ رسولؐ اسلام کی زندگی ہی میں جناب مقدادؓ حضرت علیؑ کی وصایت و خلافت پر بھرپور یقین رکھتے تھے۔ اس میں شہ برابر بھی شک نہیں تھا۔

جناب مقدادؓ کے ساتھ نیکی اس خدا کو اتنی بھائی کہ فوراً اپنے رحمت لقب حبیب کو جی کر دی اور مقداد علیؑ کے حوالے سے آگاہ کر دیا۔

حضرت علیؑ نے فاطمہؑ جیسی اپنی شریک حیات کو تعجب خیز نگاہوں سے دیکھا۔ اس سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ ہر مسلمان کو گھر میں آئے ہوئے غذا سے باخبر رہنا



چاہئے۔ علیؑ کے گھر میں حرام کا امکان نہ تھا لیکن یہ ہمارے لئے درس ہے کہ ہم گھر میں دریافت کرتے رہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ مشکلات کے وقت میں کوئی مشکل سے فائدہ اٹھانے لے۔

**مقداد کے فضائل :-**

چند حدیثوں کا ذکر کریں گے، امام صادقؑ فرماتے ہیں مقدادؑ کا درجہ مسلمانوں میں وہی ہے جو قرآن میں الف کا مقام ہے کہ وہ کسی سے ملحق نہیں ہے۔ یعنی جس طرح الف کوئی حرکت قبول نہیں کرتا اور تمام حالتوں میں ایک جیسا ہوتا ہے اسی طرح مقدادؑ بھی تمام حالتوں میں ایک جیسے تھے۔ حالات ان پر اثر انداز نہیں ہوتے تھے۔ علامہ مجلسیؒ اس حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں شاید ان کا مقصد یہ ہوا کہ بعض صفات میں مقدادؑ نے نظیر تھے۔ بنا بریں سلمانؑ کی مقدادؑ سے ایمانی برتری جو حدیثوں میں موجود ہیں اس حدیث سے منافات نہیں رکھتی ہیں۔

بریدہ کہتے ہیں کہ میرے باپ نے مجھ سے کہا کہ رسولؐ اسلام نے فرمایا خداوند عالم نے مجھے چار لوگوں سے دوستی کا حکم دیا ہے آپؐ نے پوچھا وہ افراد کون ہیں، آپؐ نے فرمایا تین بار فرمایا علیؑ، اُن میں سے ایک ہیں اور دوسرے تین افراد ابوذرؓ، سلمانؑ اور مقدادؑ ہیں۔

امام صادقؑ نے فرمایا وہ لوگ جو پیغمبرؐ اسلامؐ کے بعد راہِ خدا سے منحرف نہ ہوئے، ان سے دوستی واجب ہے۔ اس کے بعد آپؐ نے چند افراد کے اسمائے گرامی کا ذکر فرمایا ان میں سے سلمانؑ، ابوذرؓ، اور مقدادؑ بھی تھے۔

حضرت علیؑ نے فرمایا خداوند عالم نے سات افراد کی خاطر دنیا خلق کی جن کا رہبر امام میں ہوں۔ لوگ انہیں کے طفیل میں رزق پاتے ہیں۔ ان کی کمک و نصرت ہوتی ہے۔ کھیتیاں سیراب ہوتی ہیں۔ یہ افراد ابوذرؓ، مقدادؑ، عمارؓ، حذیفہؓ





اور عبد اللہ ابن مسعود ہیں۔ انہیں لوگوں نے جناب فاطمہ الزہرا کے جنازہ پر نماز پڑھی تھی۔

انس ابن مالک سے روایت کی گئی ہے کہ انہوں نے کہا کہ ایک دن رسول اسلام نے فرمایا جنت میری اُمت کے چار افراد کی مشتاق ہے، آپ کی بیعت و شکوہ نے منہ پر تالے لگا دیئے اور ان میں ان افراد کا نام نہیں پوچھ سکا، ابو بکر کے پاس آیا اور کہا کہ آپ رسول اسلام سے پوچھئے کہ وہ چار افراد کون ہیں، ابو بکر نے کہا میں ڈرتا ہوں کہ کہیں اس میں میرا نام نہ ہو، اور بنو تمیم والے میری برائی کرنے لگیں۔ عمر کے پاس گیا اور کہا تم رسول اللہ سے سوال کرو، انہوں نے جواب دیا مجھے ڈر ہے کہ میں اس میں نہ ہوں اور قبیلہ بنی عدی میری ملامت کریں۔ عثمان کے پاس گیا اور کہا کہ تم اس بارے میں رسول خدا سے سوال کرو، کہنے لگے میں ڈرتا ہوں کہ میرا نام اس میں نہ ہو اور بنی امیہ میری سرزنش کریں۔ امیر المومنین حضرت علیؑ کے پاس گیا آپ اپنے باغ میں کنویں سے پانی کھینچ رہے تھے، میں نے عرض کی رسول خدا نے فرمایا ہے کہ بہشت میری اُمت کے چار افراد کی مشتاق ہے، آپ سے گزارش ہے کہ آپ پوچھیں کہ وہ چار افراد کون ہیں۔ حضرت علیؑ نے فرمایا خدا کی قسم میں ضرور پوچھوں گا، اگر میں ان چار افراد میں سے ہوں تو خدا کی ستائش کروں گا اور اگر نہ ہوں تو بارگاہ ایزدی میں دعا کروں گا کہ مجھے بھی ان میں سے قرار دے۔ وہاں سے میں حضرت علیؑ کے ساتھ رسول اسلام کی خدمت میں حاضر ہوا دیکھا کہ آپ کا سردیہ کلبی کی آغوش میں ہے اور آپ بخواب ہیں، جیسے ہی دھیہ کلبی نے حضرت علیؑ کو دیکھا سلام کیا، عرض کی اپنے چچا زاد بھائی کے سر کو آغوش میں لیجئے کہ آپ مجھ سے زیادہ حقدار ہیں۔ جب رسول اسلام بیدار ہوئے اور خود کو علیؑ کی آغوش میں پایا تو فرمایا اے ابوالحسن



آپ ضرور کسی حاجت کے تحت آئے ہیں۔ حضرت علیؑ نے عرض کیا اے رسول خدا میرے ماں اور باپ آپ پر قربان ہوں، جیسے ہی آپ کے پاس آیا دیکھا کہ دھیہ کلبی آپ کا سراپنی آغوش میں لئے ہیں اور آپ سو رہے ہیں، جیسے ہی مجھے دیکھا کہنے لگے اپنے چچا زاد بھائی کے سر کو اپنی آغوش میں لیجئے اس لئے کہ اے امیر المومنین آپ مجھ سے زیادہ حقدار ہیں۔ پیغمبرؐ نے فرمایا اے علیؑ تم نے اسے پہچانا وہ جبریل تھے۔ جنہوں نے آپ کو امیر المومنین کے نام سے یاد فرمایا۔ پھر حضرت علیؑ نے پوچھا انس مجھ سے کہہ رہے ہیں کہ آپ نے فرمایا ہے کہ جنت چار افراد کی مشتاق ہے، برائے مہربانی آپ بتا دیجئے کہ وہ چار افراد کون ہیں؟ رسول اسلامؐ نے اپنے دست مبارک سے حضرت علیؑ کی طرف اشارہ کیا اور تین مرتبہ فرمایا خدا کی قسم ان میں اولین ذات تمہاری ہے۔ حضرت علیؑ نے عرض کی اور وہ دوسرے تین افراد کون ہیں؟ رسول خداؐ نے فرمایا مقدادؓ، سلمانؓ اور ابوذرؓ۔

امام صادقؑ فرماتے ہیں کہ رسول اسلامؐ نے سلمانؓ سے فرمایا کہ اگر تمہارا علم مقدادؓ کو بتا دیا جائے تو وہ کافر ہو جائیں گے اور مقدادؓ سے فرمایا اگر تمہارا صبر سلمانؓ کو معلوم ہو جائے تو وہ کافر ہو جائیں گے، مقصد یہ ہے کہ مقدادؓ وسعت علم سلمانؓ کا ادراک کرنے کی قدرت نہیں رکھتے اور سلمانؓ وسعت صبر مقدادؓ کے ادراک پر قادر نہیں ہے، دوسری روایتوں میں ملتا ہے کہ پیغمبر اسلامؐ نے مقدادؓ کے بارے میں فرمایا کہ اگر وہ اپنا علم سلمانؓ پر ظاہر کر دیں تو وہ کافر ہو جائیں گے۔

حضرت سلمانؓ سے منقول ہے وہ فرماتے ہیں رسول اسلامؐ کی وفات کے بعد جب ایک روز میں گھر سے باہر نکلا تو حضرت علیؑ سے ملاقات ہوئی آپ نے فرمایا! سلمانؓ فاطمہؑ کے پاس جاؤ ان کے پاس کچھ بہشتی تحفہ آیا ہے۔ جو تم کو دینا

چاہتی ہیں۔ میں تیزی سے فاطمہؑ کے بیت الشرف کی طرف بڑھا اور آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، بی بی نے مجھ سے فرمایا، تین حسین و جمیل لڑکیاں میرے پاس آئیں جن کے جیسی حسین و جمیل لڑکیاں میں نے کبھی نہیں دیکھی تھیں، میں نے ان سے سوال کیا آپ لوگ مکے کی رہنے والی ہیں یا مدینے کی، انہوں نے عرض کیا دخترِ رسولؐ ہم زمین کی مخلوق نہیں ہیں۔ خداوند عالم نے ہمیں بہشت سے آپ کے پاس بھیجا ہے۔ آپ کی زیارت کے بے حد مشتاق ہیں۔ ان میں سے سب سے زیادہ جو بڑی تھی میں نے اس سے پوچھا آپ کا نام کیا ہے، عرض کی! مجھے مقدرہ کہتے ہیں، میں نے پوچھا آپ کے نام کی مناسبت کیا ہے، جواب دیا میں مقداد کے لئے پیدا کی گئی ہوں۔ دوسری سے سوال کیا اور تمہارا کیا نام ہے؟ جواب دیا زورہ، نام کی مناسبت پوچھی تو جواب دیا کہ میں ابوذرؓ کے لئے خلق کی گئی ہوں، اور تیسری سے جب پوچھا کہ تمہارا نام کیا ہے تو عرض کی میرا نام سلمہ ہے میں نے پوچھا کہ اس نام کا کیا سبب ہے، جواب دیا میں سلمانؓ کے لئے پیدا کی گئی ہوں۔ اس کے بعد مجھے چند کھجوریں اور خرے دیئے۔ جو برق سے زیادہ سفید اور مشک سے زیادہ خوشبودار تھے۔ سلمانؓ کہتے ہیں کہ فاطمہؑ زہراؑ نے ان کھجوروں میں سے ایک کھجور مجھے دی، اور فرمایا آج رات اس کھجور سے افطار کرنا اور کل اس کی بیج لیتے آنا۔ میں نے کھجور لیا اور بیت الشرف سے باہر نکل گیا، جس کے پاس سے گزرتا تھا یہی کہتا تھا سلمانؓ ایسے معلوم ہوتا ہے کہ تمہارے پاس مشک ہے میں یہی کہتا تھا ہاں یہاں تک کہ شب ہو گئی اور میں نے اسی کھجور سے افطار کیا لیکن اس میں بیج نہ تھی۔

انس کہتے ہیں کہ مقدادؓ کی قرأت قرآن کی مدح رسولؐ اسلام نے فرمائی تھی وہ مقدادؓ ہیں۔ امام صادق سے نقل ہے کہ ایمان کے دس درجے ہیں، مقدادؓ آٹھویں



مسلمان نوس اور ابو ذر دوسو ڊرجه ٻرفا نر هين۔

امام جعفر صادقؑ نه فرمايا يه وه برجته افرا هين۔ مانند سلمانؑ، مقدادؑ، ابو ذرؑ، عمارؑ۔ جنهون نه ولايت قبول كي اور محبت عليؑ كه دلداده هوكئ۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ۔

(سوره انفال: ۲)

”سچي ايمان دار تو بس وهي لوگ هين كه جب ان كه سامنه خدا كا ذكر كيا جاتا هه تو ان كه دل ڊهل جاتن هين اور جب ان كه سامنه اس كي آيتين ٻڙهي جاتي هين تو ان كه ايمان كو اور بهي زياده كر ڊيتي هين اور وه لوگ بس اپنے ٻرور ڊگار ٻر بهر و سر ركهتن هين۔“

امام جعفر صادقؑ نه فرمايا يه آيت حضرت عمارؑ، مقدادؑ، سلمانؑ، عمارؑ، ابو ذرؑ كي شان مي نازل هوي هه۔

امام صادقؑ فرماتن هين كه رسول خداؐ نه فرمايا لوگون كه درميان حذيفه يمانِي حلال و حرام كه مسئله مي بينا ترين فرد هين، عمار كا شمار سابعين اسلام مي هوتا هه، مقداد كا شمار ان لوگون مي هوتا هه جو اپنے كام كو بهت كوشش اور لگن كه ساته انجام ڊيتن هين۔ هر چيز كا ايك هير و اور قهرمان هوتا هه قرمان قرآن عبدالله بن عباس هين۔ رسول اسلامؐ نه عبدالله بن رواحه كه ساته مقداد كا پيغام اخوت باند هاتها۔ سلمانؑ، ابو ذرؑ، مقدادؑ، عمار حذيفه ابى هشيمؑ، ابى سعيد خداوند عالم ان سه خوش هواور ان ٻر اپني رحمتين نازل فرمائن اسي طرح ايمان كه شرائط مي سه ايك شرط يه بهي هه كه ان سه بهي دوستي كي جائن جو ان كه ٻيرو هين اور اسي راڻه هدايت ٻر چل رهن هين۔ جن ٻر وه گامزن تهن۔ خداوند عالم ان



لوگوں سے خوش ہو۔ ان سے دوستی اور ان کے پیروان سے دوستی بزبان امام ہشتم شرط ایمان قرار پائی۔

**وہ روایتیں جو مقداد سے نقل ہیں :-**

احمد بن حنبل مقداؤ سے نقل کرتے ہیں کہ مقداؤ نے فرمایا کہ جب ہم مدینے میں آئے تو پیغمبرؐ نے ہم کو دس آدمیوں کے گروہ میں تقسیم کر دیا میں ان دس افراد میں تھا۔ جن میں خود پیغمبر اسلامؐ تھے اس وقت شیر گوسفند (بھیڑ کے دودھ) کے علاوہ ہمارے پاس کچھ بھی نہ تھا۔

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا کہ کوفہ کے پیچھے (نجف) سے ستائیس (۲۷) افراد حضرت قاسم آل محمدؑ کے ساتھ ظہور کریں گے۔ ان میں سے پندرہ افراد اصحاب موئیؑ میں ہوں گے۔ جو ہدایت یافتہ ہوں گے اور سات افراد اصحاب کہفؑ میں سے ہوں گے اور بقیہ یوشع بن نونؑ، سلمانؑ، ابودجانہؑ، مقداؤؑ، مالکؑ، اشترؑ یہ افراد حضرت ولی عصرؑ کی خدمت میں بہ عنوان انصار اور کمانڈر ہوں گے۔ امام جعفر صادقؑ سے نقل ہے کہ تمام لوگ بعد از رحلت پیغمبرؐ از نظر عقائد ہلاک ہو گئے، بجز سلمانؑ، ابوذرؑ، مقداؤؑ، اس کے بعد ابوساسانؑ، عمارؑ، مشیرہؑ، ابو عمرہؑ بھی ان لوگوں سے جا ملے، اسی طرح حق کے طرفدار سات افراد شمار کئے جاتے ہیں۔

امام محمد باقرؑ فرماتے ہیں کہ اُس شخص کو دیکھنا ہو کہ جس کے دل میں کبھی کوئی شک اور خلل واقع نہ ہو تو مقداؤ کو دیکھو، جبکہ سلمانؑ کے دل میں ایک روز یہ خیال پیدا ہوا کہ حضرت علیؑ کے پاس تو اسم اعظم موجود ہے پھر بھی اس اسم اعظم کے وسیلے سے خدا سے دعا کیوں نہیں کرتے تاکہ زمین منافقوں کو اپنے دامن میں سمیٹ لے اور حضرت خود کو اس مظلومیت سے نجات دیں۔ ابھی یہ خیال پیدا



ہی ہوا تھا (جرا) اور (کیوں) نے ذہن میں جگہ بنائی تھی کہ دشمن پہنچ گئے اور گلے میں رسی ڈال کر کشاں، کشاں مسجد کی طرف لے گئے، اسی کا نشان سلمان کی گردن پر ظاہر تھا، جب حضرت علیؑ نے سلمان کو اس حال میں دیکھا تو فرمایا اے سلمان یہ اسی خیال کا نتیجہ ہے جو تمہارے دل میں پیدا ہوا تھا جاؤ ظاہر بیعت کر لو۔ سلمانؑ نے اطاعت کی اور ظاہری طور پر ابوبکرؓ کی بیعت کر لی ادھر ابوذرؓ کو حضرت علیؑ نے تلقین صبر فرمائی تھی۔ لیکن ان کے صبر کا بندھ ٹوٹ گیا اور آشکارہ حق بیانی شروع کر دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ عثمان کے ظلم کا نشانہ بنے اور عثمان نے بے دریغ اس صحابیؓ رسولؐ پر ظلم کے پہاڑ توڑے، بالآخر مدینہ اور حواری قبر رسولؐ خدا سے سر زمین، ربذہ شہر بدر کر دیا گیا۔

رسولؐ خدا کی وفات کے بعد کوئی انسان ایسا نہ تھا جس کے دل میں خلافت کے مسئلہ پر کچھ خطور پیدا نہ ہوا ہو، بجز مقدادؓ، ان کا دل فولاد کی طرح محکم تھا۔ مقدادؓ ہمیشہ اپنی تلوار اپنے لباس کے اوپر باندھتے تھے اور حضرت علیؑ کے گھر دروازہ پر آتے اور عرض کرتے! اے علیؑ اگر کوئی بھی آپؐ کی مدد نہ کرے پھر بھی میں آپؐ کی مدد میں کوئی کوتاہی نہیں کروں گا اور ہمیشہ آپؐ کے حکم کی اطاعت کے لئے حاضر ہوں۔ مقدادؓ نے وفات رسولؐ کے بعد ایک لحظہ بھی حق سے انحراف نہ کیا اور ایک جانباز سپاہی کی طرح ہمیشہ شمشیر بکف آمادہ رہے۔ ہر وقت اسی کے منتظر تھے کہ علیؑ کا کوئی حکم ہو اور اس پر فوراً عمل کریں۔

حواری اس شخص کو کہتے ہیں جو دوسرے کا گرویدہ ہو، اور ہمیشہ اس سے نزدیک ہو اور ہمیشہ آمادہ رہے تاکہ جب بھی حکم ہو اس پر عمل کرے مثلاً حواریان حضرت عیسیٰؑ قرآن میں مذکور ہے جو عدد میں بارہ تھے، ہمیشہ حضرت عیسیٰؑ کے ساتھ رہے، عبد صالحؑ امام موسیٰؑ کاظمؑ نے فرمایا! قیامت کے دن منادی ندا دے گا



کہ وہ اصحاب جو پیغمبرؐ سے نزدیک تھے کہاں ہیں تو سلمانؓ، مقدادؓ اور ابوذرؓ انھیں گے اور اپنی پہچان کرائیں گے، پھر منادی ندا دے گا کہ حواریانِ وصی رسولؐ خدا کہاں ہیں۔ عمر ابنِ حق خزائی، محمد بن ابی بکر، میثم، اویس قرنی، انھیں گے اور خود کو پہچنائیں گے۔ پھر منادی ندا دے گا حواریانِ امام حسنؑ کہاں ہیں۔ تو سفیان ابن ابی لیثیٰ اور حذیفہ ابن اُسیدہ اپنے کو پہچنائیں گے اس کے بعد منادی ندا دے گا کہ حواریانِ امام حسینؑ کہاں ہیں تو شہداء کربلا اپنی پہچان کرائیں گے۔ سلمان، ابوذر، مقداد، عمار، جابر ابن عبد اللہ انصاری یہ پانچ ہیں۔ حضرت علیؑ نے بھی ان لوگوں کو جنت کی ضمانت دی تھی، یہی وہ سب سے سے پہلا گروہ ہے جس نے ہر جنگ میں حریمِ ولایت علیؑ ابن ابی طالبؑ سے دفاع کیا ہے۔ ان کا لقب ”شرطۃ النخیس“ (جو نصرت پر پانچ آمادہ رہے) نخیس جو نخس سے ہے۔ پانچ کے معنی میں ہے، یہ کلمہ اس لئے استعمال کیا ہے کہ فوج کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ (۱) گروہ پیش جنگ (۲) گروہ ذخیرہ (۳) مامورِ قلب لشکر (۴) گروہ میمنہ (دائیں طرف کا لشکر) (۵) گروہ میسرہ (بائیں طرف کا لشکر)۔ یا تو اس کلمہ نخیس کے استعمال کی یہ وجہ ہے کہ جب دشمن پر یہ لوگ غلبہ حاصل کرتے تھے تو جو مال غنیمت حاصل ہوتا تھا اس میں سے خمس دے دیا کرتے تھے، بہر حال سمجھنے اور سمجھانے کے لئے اس جملہ کا بہترین ترجمہ کامل فدائی جاننا ہوگا۔ بعض نے ان افراد کی تعداد چھ ہزار، بعضوں نے پانچ ہزار مرقوم فرمائی ہے۔ لیکن ان میں چند ہی لوگوں کا نام نمایاں ہے، سلمانؓ، ابوذرؓ، مقدادؓ، عمارؓ، ابوسنان حساریؓ، عمر رضاریؓ، سہلؓ، عثمان بن حنیفؓ، جابر ابن عبد اللہ انصاریؓ، اس روایت سے بھی ہمیں مقداد کے مقام کا اندازہ بخوبی ہو سکتا ہے کہ مقداد اس ذات کا نام ہے جو جنگجو، جانناز فدائی اور مدافعِ حریم امیر المومنین



حضرت علیؑ کے ملقب ہیں۔

## مقداد، علیؑ کے شیعہ تھے:-

سنیوں کے بزرگ عالم حافظ ابو حاتم رازی اپنی کتاب ”الزینہ“ میں لکھتے ہیں لفظ شیعہ رسول اسلام ہی کے زمانہ میں معرض وجود میں آ گیا تھا اور صحابہ رسولؐ میں سے چار افراد اس لقب سے ملقب تھے، سلمانؓ، ابوذرؓ، مقدادؓ، عمار یاسرؓ، اس کے علاوہ بہت سی روایتیں ہیں جس میں کلمہ شیعہ موجود ہے۔

ابوالفداء اپنی تاریخ میں یوں بیان فرماتے ہیں کہ سلمانؓ، ابوذرؓ، مقدادؓ، عمار یاسرؓ وہ اصحاب پیغمبرؐ ہیں جنہوں نے سقیفہ بنی ساعدہ کے دن حضرت علیؑ کی ہمراہی میں ابوبکرؓ کی بیعت نہیں کی۔ مسلمانوں سے ایک سوال ہے وہ یہ کہ آپ کی بیان کردہ حدیث اصحاب النجوم کی حیثیت سے صحابی رسولؐ کا یہ عمل جو ابوبکرؓ کی بیعت کے سلسلے میں انجام پایا حجت ہونا چاہئے، اب اگر ان صحابی کی پیروی کرتے ہوئے ہم بھی ابوبکرؓ کی خلافت کو باطل مانتے ہیں تو آپ کو تکلیف کیوں ہوتی ہے۔ آپ نے ان کی اقتداء کی انشاء اللہ آپ انہیں کے ساتھ محشور ہوں گے، ہم نے ان کی اقتداء کی خدا کرے ہم انہیں کے ساتھ محشور ہوں۔ پھر کفر و شرک کا فتویٰ چہ معنی دارد۔ علاوہ ازیں خود علماء اہل اُمت نے ان چار افراد کی مدح و ستائش کی ہے۔ ابن اثیر اپنی کتاب اسد الغابہ میں لکھتے ہیں کہ رسول خداؐ نے فرمایا خداوند عالم نے مجھے چار افراد کی دوستی کا حکم دیا ہے کسی نے پوچھا وہ چار افراد کون ہیں تو آپ نے فرمایا علیؑ، سلمانؓ، ابوذرؓ، مقدادؓ۔

حافظ ابو نعیم اصفہانی اپنی کتاب حلیۃ الاولیاء میں رقم طراز ہیں کہ رسول اسلامؐ نے فرمایا خداوند عالم نے مجھے علیؑ، سلمانؓ ابوذرؓ اور مقدادؓ کی دوستی کا حکم دیا ہے، بناء بریں اہل اُمت حضرات کے لئے مناسب یہی ہے کہ مقدادؓ، ابوذرؓ، کی روش





اور شیوہ کو حجت مانیں اور سردارِ شیعہ ایمان حیدر کرار یہی حضرات ہیں۔ اس سے انکار نہ کریں اور جھوٹا الزام لگانے سے پرہیز کریں، اس لئے کہ افتر اور بہتان بزبانِ قرآن ظلم ہے اور خدا ظالموں کو دوست نہیں رکھتا۔

### اجر رسالت اور مقدار:-

امام صادقؑ نے فرمایا خدا کی قسم سات افراد کے علاوہ کسی نے بھی اس آیت سے وفاداری کا ثبوت پیش نہیں کیا قُلْ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَى (سورہ شوریٰ آیت: ۲۳) اور وہ سلمانؓ، ابوذرؓ، مقدادؓ، عمارؓ، جابر ابن عبد اللہ انصاریؓ، پیغمبر اسلامؐ کا ایک غلام اور زید ابن ارقم ہیں۔

انہیں سات افراد نے اجر رسالت بہ خوبی ادا کیا ان سات افراد میں مقدار اہل بیتؑ کے سب سے زیادہ وفادار تھے اور حضرت علیؑ کے مقابلے میں بالکل تسلیم محض تھے۔

### سقیفہ اور مقدار:-

ابن عیاش کہتے ہیں میں ابن عباسؓ کی خدمت میں حاضر ہوا، ان کے ارد گرد کچھ شیعہ حضرات بھی موجود تھے۔ وہاں مختلف موضوعات پر گفتگو ہو رہی تھی یہاں تک کہ بعد از وفاتِ رسولؐ بحرانِ خلافت پر بات آ کر رُکئی، جب یہ موضوع شروع ہوا تو لوگوں نے ابن عباسؓ سے درخواست کی کہ آپ اس بارے میں توضیح دیں۔ ابن عباسؓ نے ہماری درخواست قبول فرمائی اور اپنی گفتگو شروع کر دی۔ فرمایا! میرے بھائیو! جب رسولِ اسلامؐ دنیا سے گزر گئے اور ابھی سپردِ لحد بھی نہیں ہوئے تھے لوگوں نے دوسری راہ اختیار کر لی۔ لیکن علیؑ غسل و کفن و دفن جسمِ اطہر رسولِ اکرمؐ میں مشغول تھے۔ جب ان امور سے فارغ ہوئے اور تمام واقعات



سے مطلع ہوئے تو لوگوں سے کنارہ کشی اختیار کر لی اور جمع قرآن کی خاطر بیت الشرف تشریف لے گئے اور عزلت گزینی اختیار کر لی تمام مسلمانوں نے بجز بنی ہاشم، سلمان، مقداد، ابوذر حضرت علیؑ کو چھوڑ دیا اور خلافت کے دامن سے متمسک ہو گئے۔ کچھ حاشیہ نشین افراد ابوبکر و عمر کے پاس بیٹھے تھے، مختلف موضوع پر گفتگو ہو رہی تھی، اسی اثناء میں عمر نے ابوبکر کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تمام افراد نے تمہاری بیعت کر لی لیکن علیؑ اور ان کے خاندان والے اور ان چند لوگوں، سلمان، مقداد، ابوذر، زبیر نے روشِ عمومی کی مخالفت کی ہے اور ابھی تک بیعت نہیں کی ہے۔ کسی کو علیؑ کے پاس بھیجتا کہ ان کا کردار واضح ہو جائے۔ ابوبکر نے عمر کے چچا زاد بھائی قنفذ کو طلب کیا اور اس سے کہا علیؑ کے پاس جاؤ اور کہو کہ جانشینِ سولؐ کی دعوت قبول کرو۔ قنفذ علیؑ کے پاس آیا اور ابوبکر کا پیغام حضرت کو پہنچا دیا۔ اس پیغام کو سنتے ہی حضرت کا چہرہ متغیر ہو گیا۔ اس سے بڑی مصیبت کیا ہوگی کہ اہل بیتؑ سے بیعت طلب کر رہے ہیں۔ فرمایا کتنا جلدی تم لوگوں نے رسولِ خداؐ کو جھٹلادیا اور ان کی وصیت کو فراموش کر دیا۔ خدا کی قسم رسولِ خداؐ نے میرے سوا کسی کو خلیفہ نہیں بنایا۔ اے قنفذ! تم پیامِ رسا ہو۔ جاؤ جو کچھ جس طرح سے میں نے کہا ابوبکر سے کہہ دو، اور یہ بھی کہہ دینا کہ یہ بات تم بھی بخوبی جانتے ہو قنفذ جلدی سے ابوبکر کے پاس آیا اور حضرت علیؑ کی تمام باتیں نقل کر دیں۔ ابوبکر نے کہا ہاں! علیؑ سچ کہتے ہیں رسولِ خداؐ نے مجھے خلیفہ نہیں بنایا ہے۔ عمر، ابوبکر کی اس گفتگو سے غضبناک ہو گئے۔ فوراً کچھ کرنے کے لئے اُٹھے، ابوبکر نے جب عمر کی چال و حال دیکھی تو فوراً بدل گئے اور دوبارہ قنفذ کو حکم دیا کہ جاؤ، علیؑ سے کہو کہ امیر المومنینؑ کی دعوت قبول کریں قنفذ جلدی سے حضرت علیؑ کے پاس آیا اور اپنا پیغام سنا دیا۔ حضرت علیؑ نے فرمایا خدا کی قسم وہ جھوٹ بولتا ہے وہ خلیفہ رسول نہیں



ہے جاؤ اس سے کہہ دو کہ یہ اسم جسے تم نے اپنے اوپر لگایا ہے وہ تمہارے لئے نہیں ہے تم خود جانتے ہو کہ امیر المومنین تمہارے علاوہ کوئی اور ہے۔ قنفذ ابو بکر کے پاس آیا اور حضرت علیؑ کی باتیں نقل کر دیں۔ آخر کار ابن خطاب، ابن ابوقحافہ کی بیعت کے لئے خانہ حضرت میں گھس گیا، حضرت علیؑ کے باوقاسپاہی مقداد، سلمان، ابوذر، عمار، بریدہ بھی اسی وقت مدد و نصرت کے لئے بیت الشرف میں داخل ہو گئے۔ قریب تھا کہ فتنہ و فساد برپا ہو جائے حضرت علیؑ اپنی مصلحتوں کے پیش نظر بیت الشرف سے باہر تشریف لائے، لوگ حضرت کے پیچھے تھے، سلمان، مقداد، ابوذر، عمار، بریدہ بھی دفاع کے لئے کاملاً آمادہ تھے اور یہی وفادار سپاہی تھے جو کہہ رہے تھے کتنا جلدی تم لوگوں نے رسول خدا کی باتوں کو فراموش کر دیا۔ تمہارا کینہ و حسد تمہارے سینے سے محمد و آل محمدؐ کے خلاف ظاہر ہو چکا ہے۔ بریدہ نے عمر سے کہا اے عمر برادر و وصی رسول خدا اور ان کی اکلوتی بیٹی کی تم نے اہانت کی ہے۔ خالد بن ولید نے اپنی تلوار سے بریدہ پر حملہ کرنا چاہا لیکن عمر نے روک دیا حضرت علیؑ بری حالت میں ابو بکر کے پاس مسجد کی طرف لے جائے گئے۔ ابو بکر نے جیسے ہی علیؑ کو دیکھا کہا علیؑ کو آزاد کر دو۔ حضرت علیؑ نے فرمایا اے ابو بکر اہل بیت و خاندان پیغمبر پر کتنا جلدی لوگوں نے حملہ کر دیا۔ کس بنیاد پر زبردستی لوگوں نے تم سے بیعت طلب کی۔ کل تم نے حکم پیغمبر میری بیعت نہیں کی تھی؟ عمر نے بات کے درمیان ٹانگ اڑائی اور کہا اے علیؑ ان باتوں کو چھوڑو، اگر بیعت نہیں کی تو میں تم کو قتل کر دوں گا، حضرت نے جواب دیا اگر تم نے ایسا کیا تو ایک خدا کے بندے اور برادر رسول کو قتل کیا۔ عمر نے کہا! آپ نے جو کہا کہ بندہ خدا ہیں تو اس کو قبول کرتا ہوں لیکن آپ برادر رسول خدا نہیں ہیں۔ حضرت علیؑ نے فرمایا کہ خدا کی قسم میرے رسول خدا کا امر و پیمان نہیں ہوتا تو آج معلوم ہو



جاتا کہ ہم میں سے کون قوی ہے اور کون ضعیف۔ اتنی ساری بحث ہو گئی لیکن ابوبکر دم سادھے رہے بریدہ اُٹھے اور فرمایا اے عمروہ تم نہیں تھے جس کو رسول اسلام نے حکم دیا تھا کہ علیؑ کے پاس جاؤ اور کہو! السلام علیک یا امیر المسلمین اے مسلمانوں کے امیر آپ پر سلام ہو، اب ابوبکر کی زبان کا تالا کھل گیا (عمر کی طرف داری کرتے ہوئے بولے) ایسا ہی ہے جیسا تم کہہ رہے ہو لیکن وہ زمانہ گزر گیا، اب تو کوئی اور مسند نشین خلافت ہے بریدہ نے کہا خدا کی قسم، اب اس جگہ نہیں رہوں گا جہاں تمہاری حکومت ہوگی۔ جب قلعی کھل گئی تو عمر بے تاب ہو گئے اور حکم دیا کہ انہیں مار کر بھگا دو۔ حاشیہ نشینوں نے بریدہ کو مسجد سے مار کر باہر نکال دیا۔ سلمانؓ نے کہا ابوبکر خدا سے ڈرو، جہاں بیٹھے ہو وہاں سے اُٹھ جاؤ، اس مقام کو اس کے حقدار کے حوالے کر دو اور مسلمانوں میں آپس میں لڑائی کی داغ بیل نہ ڈالو۔ ابوبکر نے سلمانؓ کا کوئی جواب نہ دیا۔ سلمانؓ نے اپنی بات دہرائی تو عمر خشکمیں ہو گئے اور کہا کہ تم کو ان سب چیزوں سے کیا مطلب (یعنی تم تو عجی ہو اور یہ عرب کا مسئلہ ہے) سلمانؓ نے فرمایا خاموش! پھر ابوبکر کی طرف رخ کیا اور فرمایا خدا کی قسم اپنے اس کام سے ایک دن تم دودھ کے بجائے خون دوھو گے۔ تم کو خوشخبری دیتا ہوں مصیبت کا انتظار کرو۔ خدا کی قسم اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ حق کی دفاع اور باطل کی سرکوبی و تابودی میرے ذریعہ ہونے والی ہے تو کبھی بھی اپنی اس شمشیر سے دریغ نہیں کروں گا۔ اسی وقت ابوذرؓ، مقدادؓ، عمارؓ، کھڑے ہوئے اور آواز دی یا علیؑ آپ کے حکم کے منتظر ہیں۔ آپ جو بھی حکم فرمائیں ہم اسے بہ سروچشم قبول کریں گے۔ اس تلوار سے آپ کی حفاظت کریں گے چاہے قتل ہو جائیں۔ یہ وہ موقع تھا جہاں مقدادؓ نے فرمایا یا علیؑ کیا کہتے ہیں، اگر حکم دیں تو گردن اتار لیں اگر حکم دیں تو زک جاویں۔ حضرت علیؑ نے فرمایا خدا



تم پر اپنی رحمت نازل کرے۔ تم لوگ رُک جاؤ، وصیت و پیمان، رسولِ خدا کو یاد کرو اور جنگ سے پرہیز کرو۔ ابوبکر منبر پر موجود تھے پھر عمر کی زد پر آئے اور تند لہجے میں کہا کس لئے منبر پر بیٹھے ہو یہ علیؑ ہیں کہ معترض بنے بیٹے ہیں اور بیعت کے لئے اُٹھتے ہی نہیں، حکم دو ان کی گردن اُتار لوں، امام حسنؑ اور امام حسینؑ نے جیسے ہی یہ جملہ سنا رو قطار روئے لگے، آواز دی یا جداء یا رسول اللہ! حضرت علیؑ نے دیکھا تو سینے سے لگالیا، فرمایا مت روؤ خدا کی قسم یہ لوگ مجھے قتل کرنے کی قدرت نہیں رکھتے۔

پیغمبر اسلامؐ کی رحلت کے بعد جب یہ بحرانِ خلافت سامنے آیا اور اچھے اچھوں کی قلعی کھل گئی تو چالیس افراد حضرت علیؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے خدا کی قسم آپ کے علاوہ کسی کی اطاعت نہیں کریں گے اور کسی کو آپ کی اطاعت پر مقدم نہیں کریں گے، آپ نے ان لوگوں سے فرمایا کیوں کیا وجہ ہے؟ ان لوگوں نے جواب دیا چونکہ غدیر کے دن ہم نے رسولِ اسلامؐ سے آپ کی جانشینی اور آپ کے مقام کے بارے میں سنا ہے۔ حضرت علیؑ نے پوچھا تم لوگ حتمًا اپنے قول پر باقی رہو گے؟ چالیسوں افراد نے بیک زبان ہو کر کہا، ہاں ضرور! حضرت علیؑ نے آزمائش اور ان کے قول کی حقیقت پر کھنے کے لئے فرمایا کل اپنا سر منڈوا کے اسی حال میں میرے پاس آ جانا (واضح ہو کہ سر منڈوانا عرب میں غلامی کی علامت ہے) وہ لوگ حضرت علیؑ کے پاس سے چلے گئے، لیکن دوسرے روز فقط سلمانؓ، ابوذرؓ، اور مقدادؓ سر منڈوا کر آئے اور کوئی نہ آیا، دوپہر کے بعد عمارؓ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے حضرت نے عمارؓ کے سینے پر ہاتھ رکھا اور فرمایا خوابِ غفلت سے کیسے بیدار ہو گے، چلے جاؤ مجھے تمہاری کوئی ضرورت نہیں ہے تم سر منڈوانے میں میری اطاعت نہیں کر سکتے تو کس طرح



آہنی پتھروں سے میری اطاعت کرو گے، چلے جاؤ میں تمہارا نیاز مند نہیں ہوں۔  
جب تم اپنے بال کی بازی نہیں لگا سکتے تو سر کی بازی کیسے لگاؤ گے۔

تقریباً دو سال چار ماہ بعد ابو بکر راہی ملکِ جاوداں ہوئے، ابو بکر کی موت کے بعد عمر نے جو ابو بکر کی طرف سے کسی مشورہ کے بغیر خلیفہ منتخب ہو گئے تھے۔ تقریباً دس سال چھ ماہ حکومت کی۔ اس پوری مدت میں جنابِ مقدادؓ اپنے دوسرے ساتھیوں، سلمانؓ و ابوذرؓ و عمارؓ کے ساتھ ہمیشہ علیؓ کے ہمراہ رہے اور کبھی ان سے جدا نہ ہوئے، بلکہ ان کے نقشِ قدم پر گامزن رہے اور جب مغیرہ ابن شعبہ کے غلام فیروز المعروف بہ ابولولونے عمر پر حملہ کر دیا اور ان کو بری طرح زخمی کر دیا تو وہ اپنی زندگی کے آخری لمحے گننے لگے، جب ان کو یقین ہو گیا کہ اب موت کے چنگل سے فرار محال ہے تو وہ جو کہتے ہیں (چور چوری سے جاتا ہے ہیرا پھیری سے نہیں جاتا) اس کے مصداقِ کامل انہوں نے چند اصحابِ پیغمبرؐ کو اپنے پاس بلایا اور سب کی لیاقت اور نالائقی ان کے گوشِ گزاری کی۔ حضرت علیؓ اگر آپ ریاستِ امت کی باگ ڈور سنبھالتے ہیں تو لوگوں کو صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت کریں گے۔ مگر آپ میں کمی یہ ہے کہ آپ مزاح بہت کرتے ہیں (حضرت علیؓ نے نبیؐ البلاغہ میں بعض مقام پر فرمایا کہ عمر نے صاف صاف دروغ گوئی سے کام لیا ہے) الغرض یہ کہ چھ افراد علیؓ، زبیر، عثمان، طلحہ، سعد بن وقاص، عبدالرحمن بن عوف کو معین کیا کہ یہ لوگ عمر کے مرنے کے بعد ایک جگہ جمع ہوں اور مشاورت کر کے کسی ایک کو چن لیں۔ ابو طلحہ انصاری کو حکم دیا کہ میرے مرنے کے بعد ان لوگوں پر دھیان دیتے ہوئے ایک جگہ جمع کرو اور پچاس افراد کے ساتھ تین دن تک ان پر نظر رکھو تا کہ تین دن کے اندر خلیفہ معین کر لیں اور جب اس رائے میں پانچ آدمی ایک طرف اور ایک شخص مخالف ہو تو اس مخالف کی گردن اتار لینا۔ اسی



طرح اگر چار افراد ہم رائے ہوں اور دو مخالف ہوں تو ان دونوں کو قتل کر دینا اور اگر تین آدمی ایک طرف اور دوسرے تین افراد دوسری طرف ہوں تو خلیفہ وہ ہوگا جس کی طرف عبدالرحمن بن ابن عوف ہوں گے۔ یعنی عثمان کے بہنوئی جدھر ہوں گے، اگر کسی نے کوئی رائے نہ دی تو ان تمام افراد کو موت کی نیند سلا دینا، تاکہ مسلمان خود خلیفہ کا انتخاب کر لیں۔ عمر کی موت کے بعد چھ افراد جمع ہوئے اور گفتگو شروع ہوئی طلحہ نے عثمان کو انتخاب کیا، زبیر نے علیؓ کو اور سعد وقاص نے عبدالرحمن بن عوفؓ کو، پھر عبدالرحمن ابن عوف نے حضرت علیؓ کی طرف رخ کیا، اور کہا آپ کی بیعت بعنوان خلیفہ اس شرط پر کریں گے کہ آپ کتاب و سنت اور سیرت ابوبکر و عمر کی پیروی کریں گے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا میں کتاب خدا، سنت رسولؐ اور اپنے اجتہاد پر عمل کروں گا۔ پھر عبدالرحمن نے یہی بات عثمان سے کہی، عثمان نے فوراً قبول کر لیا، یہ بات تین مرتبہ تکرار ہوتی رہی اور حضرت علیؓ نے وہی جواب دیا جو پہلے دیا تھا، لیکن عثمان نے تینوں بار قبول کر لیا۔ اس طرح عثمان خلیفہ ہو گئے۔

جب وہ چھ افراد جن کا تعین عمر نے کیا تھا ان کے بعد ایک جگہ جمع ہوئے تو مقدادؓ نے بھی درخواست کی کہ انہیں اس جلسے میں شرکت کا موقع دیا جائے اور فرمایا کہ میں خیر خواہی کے لئے آیا ہوں اور چاہتا ہوں کہ اپنا وظیفہ انجام دیں جو خدا نے نصیحت و خیر خواہی میرے ذمہ کی ہے لیکن اصرار کے باوجود کسی نے مقداد کو اجازت نہ دی، مقداد نے بھی عقب نشینی نہیں کی اور اپنا وظیفہ انجام دے دیا، با آواز بلند اعلان کر دیا اس مرد کی بیعت نہ کرنا جس نے جنگ بدر میں شرکت نہ کی، بیعت رضوان رسولؐ خدا کے ساتھ نہ کی اور جنگ احد میں بھاگ گیا۔ مقصود مقداد عثمان تھے اس لئے کہ جنگ احد میں سب سے پہلے عثمان نے رائے فرار اختیار کی تھی۔



جنابِ مقداد کی آتش بیانی سے عثمان کے تن بدن میں آگ لگ گئی اور تڑپ کر بول پڑے۔ خدا کی قسم اگر وہ مسندِ خلافت پر بیٹھ گیا تو تم کو تمہارے پہلے آقا کے پاس بھیج دوں گا۔ یعنی جس طرح پہلے غلام تھے اسی طرح پھر غلامی کی زندگی گزارو گے اور شکنجے اور تکلیف میں زندگی بسر کرو گے۔

عثمان نے تقریباً بارہ سال حکومت کی، مقداد کے آخری دس سال ان کی دور حکومت میں بسر ہوئے اور ہمیشہ کی طرح جنابِ مقداد مثل سایہ حضرت علیؑ کے ساتھ ساتھ رہے اور کبھی بھی دشمنانِ علیؑ کی طرف رخ نہ کیا۔ اس زمانے میں مقداد نے یہی کوشش کی کہ عثمان کی تشکیلات سے کافی دور رہیں، لہذا قریہ (جرف) جو مدینہ کے ایک فرسخ کے فاصلہ پر ہے زندگی بسر کرنے لگے۔ وہاں آپ نے بہت اچھا مکان بنایا تھا جو شان و شوکت کے اعتبار سے اپنی نظیر آپ تھا اور وہیں زندگی کے آخری لمحات گزارے، یہاں تک کہ پیغامِ موت آ گیا اور آپ جنت کی طرف سدھار گئے۔ اس مدت میں ہمیشہ عثمان سے مباحثہ کرتے رہے اور کبھی بھی ان کے پیچھے نماز نہیں پڑھی اور کبھی امیر المومنین نہیں کہا۔

### حضرت علیؑ کے قتل کی سازش اور مقداد:-

جب حضرت علیؑ نے مہاجرین و انصار کے مجمع میں استدلال کے ساتھ اپنی حقانیت آشکار کر دی اور گھر کی طرف چلے گئے تو ابو بکر بھی اپنا سامنہ لے کر گھر کی طرف ہوئے، لیکن پریشانی و حیرانی ان کے وجود کا احاطہ کئے ہوئے تھی۔ ایسی صورت میں اپنے منوں و مددگار عمر کو طلب کیا اور اس بات کو ان کے سامنے رکھا۔ عمر نے جواب دیا علیؑ کو قتل کرنے کے علاوہ کوئی راستہ نہیں ہے، ابو بکر نے کہا یہ کام مجھ سے نہیں ہو سکتا۔ علیؑ کو کس طرح قتل کیا جاسکتا ہے۔ عمر نے کہا خالد بن ولید اس کام میں بہتر ہوگا۔ ابو بکر نے عمر کی تصدیق کی اور اسی وقت خالد کو بلوایا، خالد





حاضر ہوا اور خوشی خوشی اس رائے کو قبول کر لیا۔ ابوبکر نے کہا اے خالد جب لوگ مسجد میں آجائیں اور نماز جماعت شروع ہو جائے تو علیؑ کے پاس کھڑے ہو جانا اور جیسے ہی میں سلام تمام کروں علیؑ پر حملہ کر دینا اور ان کا سرتن سے جدا کر دینا۔ خالد نے اس عظیم فعل کے لئے خود کو آمادہ کر لیا اسماء انصاریہ (کنیز حضرت علیؑ) جو کہ ابوبکر کے حوالہ عقد میں تھیں انہوں نے ابوبکر اور خالد کی پوری باتوں کو سن لیا۔ فوراً اپنی ایک کنیز کو حضرت علیؑ کی خدمت میں روانہ کیا اور اس سے کہا کہ جاؤ اور حضرت کے پاس فقط یہ آیت پڑھ دو۔ **إِنَّ الْمَلَائِكَةَ يَأْتُمِرُونَ بِكَ لِيَقُتْلُوكَ فَأَخْرِجْنِي لَكَ مِنَ النَّصِيعِينَ** کنیز حضرت کے پاس آئی اور یہی آیت سنائی۔ حضرت علیؑ نے کنیز سے فرمایا کہ اسماء سے کہہ دو **إِنَّ اللَّهَ يَحُولُ بَيْنَهُم بَيْنَ مَا يَرِيدُ نَقْلٌ دِغِيرٌ** میں ہے فرمایا فمن يقنل الناكثين والقاسطين والبارقين۔

ابوبکر جو اپنی تقسیم پر اٹل تھے۔ خوف و ہراس کی وجہ سے ان کی نیند اڑ گئی تھی اور پوری رات جاگ کر کاٹ دی۔ صبح نماز کے وقت سب لوگ مسجد میں وارد ہوئے خالد اپنی شمشیر حائل کئے حضرت کے نزدیک کھڑا ہو گیا۔ حضرت علیؑ بھی خالد کی ہر رفتار کو بغور ملاحظہ کر رہے تھے، ابوبکر نے نماز شروع کر دی اور نماز کے درمیان فکر کے سمندر میں غوطہ زن ہو گئے کہ یہ کام بڑا عظیم ہے۔ بہت خوں ریزی ہوگی اور بلوہ بچے گا، اسی فکر میں ابوبکر نے نماز تمام نہ کی اور ادھر ادھر کرنے لگے۔ لوگوں نے یہ سمجھا کہ ابوبکر پر سہو و نسیان طاری ہو گیا ہے۔ آخری کتاب جب سورج طلوع ہونے لگا تو ابوبکر نے نماز کے آخر میں کہا۔ یا خالدا لا تفعل فان فعلت قتلتك... السلام عليك ورحمة الله وبركاته اور یہ کہہ کر نماز تمام کر دی۔ علیؑ نے خالد کی طرف رخ کیا اور فرمایا



ابوبکر نے تم کو کس چیز کا حکم دیا ہے۔ خالد نے کہا مجھے تمہارے قتل کا حکم دیا ہے۔ حضرت نے پوچھا کہ تمہارا یہی ارادہ ہے کہ مجھے قتل کرو گے، اس نے کہا اگر مجھے منع نہ کیا ہوتا تو میں آپ کو مار ڈالتا۔ یہ سنتے ہی حضرت نے خالد کا گریبان پکڑا اور زوردار جھٹکا دیا اور اُپر اٹھا کر اوندھے منہ زمین پر گرادیا۔ وہ اس طرح گرا کہ تلوار اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ اس قوت سے حضرت اس کے سینے پر سوار ہو گئے اور چاہا کہ خالد کو دیارِ عدم کی سیر کرا دیں۔ اس وقت خالد ایسا حواس باختہ ہوا کہ ڈر کے مارے مسجدِ نجس کر دی۔ لوگوں حضرت علیؑ کے ارد گرد جمع ہو گئے تاکہ خالد کو موت کے منہ سے نکالیں۔ لیکن کسی کو ہمت نہ ہوئی کہ ایسا کرتا، آخر کار عمرؓ نے کہا علیؑ کو قبرِ رسولؐ کی قسم دے دو۔ وہ خالد کو چھوڑ دیں گے، لوگوں نے علیؑ کو قبرِ رسولؐ کی قسم دے دی کہ خالد کو چھوڑ دیں، حضرت نے خالد کو چھوڑ دیا، اسی وقت حضرت علیؑ عمرؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور اس کا گریبان پکڑ کر کہا، اے فرزندِ صہبا! خدا کی قسم اگر رسولؐ اسلام کی وصیت نہ ہوتی اور قضا و قدر الہی پیشِ نظر نہ ہوتی تو تم کو معلوم ہو جاتا کہ کون قوی ہے اور کون ضعیف اور کس کے پاس زیادہ افراد ہیں۔ حضرت علیؑ نے اس کے بعد بیت الشرف کا رخ کیا، اسی وقت مقداد، عباس ابن عبدالمطلب، اور زبیر، ابوذر اور دیگر بنی ہاشم کے ساتھ دفاع کے لئے آمادہ ہو گئے اور اپنی تلواروں کو نیام سے نکال کر غیظ و غضب کے ساتھ ابوبکر و عمر کے خلاف آواز بلند کی۔ اور کہا خدا کی قسم جب تک عمر کو نیست و نابود نہ کر ڈالیں باز نہ آئیں گے۔ اس وقت اس باوفا صحابیوں نے فرمایا اے دشمنانِ علیؑ تم لوگ خدا کے دشمن ہو۔ کتنا جلدی تم لوگوں نے اپنی عداوت محمد و آلِ محمدؐ کے خلاف ظاہر کر دی۔ کل تم لوگوں نے



دختر رسولؐ پر اتنا ظلم کیا اور آج برادر دوصی پیغمبرؐ کے قتل کا ارادہ رکھتے ہو، تم لوگوں نے بہت سارے موقعوں پر قصد کیا کہ رسولؐ اسلام کو بھی قتل کر دو، لیکن ایسا نہ کر سکے۔

## مقداد، رسول اللہ کی نظر میں :-

رسول اللہ نے مقدادؓ کی فضیلت میں ایسا جملہ ارشاد فرمایا کہ اگر تاریخ میں اس جملہ کے علاوہ مقدادؓ کی دوسری فضیلتیں جلوہ فگن نہ ہوں تو یہی فضیلت دوسروں کی بڑی بڑی فضیلت پر بھاری ہوتی۔ ایک روز جابر ابن عبد اللہ انصاری نے سلمان، ابوذرؓ، عمارؓ اور مقدادؓ کے بارے میں رسول اسلامؐ سے سوال کیا۔ حضرت نے سب کے بارے میں کچھ نہ کچھ فرمایا اور جب مقدادؓ تک بات پہنچی تو فرمایا، مقدادؓ تو ہم میں سے ہیں۔ خدا اس کو دشمن رکھے جو مقدادؓ کا دشمن ہے اور خدا اس کو دوست رکھے جو مقدادؓ کا دوست ہے۔

## مقدادؓ کی زندگی کے آخری لمحے :-

مقدادؓ نے اپنی ساری زندگی سعادت و افتخار کے ساتھ بسر کی، آخری عمر میں وہ (جرف) میں مقیم تھے۔ ۳۳ھ میں ستر سال کی عمر میں انتقال فرمایا، جب انتقال کا وقت قریب آیا تو فرمایا عثمان کو خبر دے دو کہ میں اپنے رب ازل و آخر کے پاس چلا گیا۔ وہ مسلمانوں کے درمیان ایک نمایاں اور بے مثال محترم شخصیت کے حامل تھے۔ اس عہد کے اہم لوگوں اور مسلمانوں نے ان کے جنازے کو کاندھا دیا اور ان کی لاش مدینے لائے اور جنت البقیع میں سپرد خاک کیا۔ آپ کی نماز جنازہ کس نے پڑھائی اس میں اختلاف ہے، بعض روایتوں میں ہے کہ زبیر نے نماز جنازہ پڑھائی۔



## قصیدہ بیاد حضرت مقداد

علامہ مائی جاسی

بشر کے فتنے ہیں دونوں، ہے فرق نام نہاد جواب دوزخِ نمرود، جنتِ شداد  
مگر عیاں ہے نتیجہ کہ طاقتِ حق نے ہمیشہ فتنہ باطل کو کر دیا برباد  
حدودِ طاقتِ حق سے قدم نہ رکھ باہر وگرنہ ہوتے ہیں پیدایزید و ابنِ زیاد  
رہیں نظر میں نمونے وہ شانِ باری کے عمل نے جن کے ہلا دی ہے کفر کی بنیاد  
وہ خالص گانِ خدا جن کے فیضِ باطن سے رو ہدایتِ عالم ہے تا ابد آباد  
انہی کے دامنِ عصمت سے اعتصام رہے شرف ہیں آیہِ تطہیر کے جو پاک نہاد  
یہ جس مقام سے گزرے وہ خلد بن کے رہا قدم سے ان کے سرفراز ہو گئے ہیں بلاد  
بڑھی کسی کی ولادت سے شانِ کعبہ کی کسی شہید سے ہے کربلا بہشتِ سواد  
کسی کے ساتھ زہیر و حبیب و مسلم ہیں کسی کے ساتھ ہیں سلمان و بوذر مقداد  
فقط اطاعتِ مولا سے کام تھا ان کو نہ ان کو خواہش دنیا نہ جنت ان کی مراد  
اب آگیا ہے جو ذکرِ صحابی حیدر تو ایک مطلعِ نو بھی ہے تذکرے کا مفاد  
نبی کے بعد بھی جب تک ہے تم اے مقداد رہے علیؑ ولی ہی کے تابع و منفاد  
جہاں خلافِ علیؑ ہو گیا، نہ بدلے تم جو آبِ زر سے لکھی جائے وہ ہے یہ روداد  
رہے اندھیرے اُجالے میں تم رفیقِ علیؑ انہی کے ساتھ، بہر حال تم رہے دل شاد  
تمہیں تھا رشتہٴ پیغمبرؐ و وحی معلوم علیؑ کے حکم کو سمجھے رسولؐ کا ارشاد  
علیؑ کے نقشِ کفِ پا تھے ہادیِ مقصود غبارِ راہِ علیؑ ہی تھا منزلوں کا سواد  
تمہیں بہ فیضِ غلامی حیدرِ صفدر نعیمِ خلدِ مبارک ہو حضرتِ مقداد



مجھے بھی ہے شرفِ بندگی شاہِ زمن مجھے بھی شوقِ حضوری ہے انتہا سے زیاد  
حضورِ خسر و کون و مکاں میں عرض کرو کہ بندِ غم سے کریں اس غلام کو آزاد  
بہت دہلتا ہے دل نزع کے شداوند سے کسے خبر ہے کہ کیا پیش آئے گی روداد  
خیالِ مرقد و برزخ بھی اک قیامت ہے یہ سخت مرحلے آسان ہوں جو ہو امداد

بروزِ حشر شفاعت ہو اس وسیلے سے

کہ ہے حضور کا مداح مائی ناشاد

jabir.abbas@yahoo.com

## جناب عدی بن حاتم

صاحب استیعاب نے تحریر فرمایا ہے کہ آپ اکابر مہاجرین میں سے تھے اور ان کے اسلام لانے کے دن جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بہت خوشی فرمائی تھی اور اپنی رداۓ مبارک ان کے لیے بچھا دی تھی اور زبان معجز بیان سے فرمایا تھا کہ جب تمہارے پاس کوئی کریم آئے تو اس کا اکرام کرو۔ عدی ممدوح جنگِ جمل و صفین و نہروان میں ملازم رکاب ولایت مآب حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام رہے اور جنگِ جمل میں ان کی ایک آنکھ جاتی رہی۔ زنجشیری نے کتاب ربيع الابرار میں تحریر کیا ہے کہ معاویہ نے ایک خط عدی بن حاتم کو لکھا اور اپنی بیعت کی خواہش کی تھی۔ عدی نے دو شعروں میں جواب دیا جس کا مفہوم یہ ہے۔

”یعنی جدال کرتا ہے۔ مجھے اور جھگڑتا ہے معاویہ بن صفحر

باغی یعنی معاویہ کی طرف جانے کی کوئی راہ نہیں ہے۔ وہ مجھے

ابو الحسن علیؑ کے بارے میں نصیحت کرتا ہے در آنحالیکہ میرا حصہ

ابو الحسن کے بارے میں یعنی ان کی محبت میں بہت بڑا ہے۔“

مروی ہے کہ جب عدی بن حاتم کو بعد شہادتِ حضرت علیؑ مجلسِ معاویہ

میں جانا پڑا اور اس مجلس میں عبداللہ بن زبیر، جو جنگِ جمل میں قتل ہونے سے بچ

گئے تھے حاضر تھے، عبداللہ نے معاویہ سے کہا کہ اگر تم اجازت دو تو میں ایک



گروہ قریش کے شمول میں عدی بن حاتم سے باتیں کروں اس لیے کہ شیعوں کا گمان ہے کہ خوش بیانی اور سخوری میں کوئی ان کا مثل نہیں ہے، معاویہ نے کہا کہ عدی حقیقت میں ایسے ہی حاضر جواب اور زبان آور ہیں جیسا شیعہ انھیں کہتے ہیں۔ میں ڈرتا ہوں کہ کہیں ان سے مناظرہ کر کے تم اپنے کو ضائع نہ کرو اور مجھ کو تکلیف ہو۔

عبداللہ بن زبیر اور تمام حاضرین قریش نے اصرار کیا پس عبداللہ نے ابتدا کی کہ اے ابا طریف کس روز تمہاری آنکھ لوگوں نے ضائع کی؟

عدی نے جواب دیا کہ جس روز تمہارے باپ میدان جنگ سے بھاگ گئے اور بری طرح سے مارے گئے تھے اور اشر نے تمہارے سر پر نیزہ مارا تھا جس سے تم بھاگے تھے تب معاویہ نے کہا کہ آخر میں کہتا نہ تھا کہ تم اُن سے مقابلہ نہ کرو۔

کتاب غرور الفوائد والاعلام میں جو مولفات سید محمد مرتضیٰ علم الہدیٰ علیہ الرحمہ میں لکھا ہے کہ جب عدی بن حاتم بعد شہادت حضرت علی علیہ السلام معاویہ کے پاس آئے تو اس نے بطور شامت ان سے پوچھا کہ تمہارے تینوں بیٹے طریف و طراف و طرفہ کیا ہوئے۔

عدی نے جواب دیا کہ ”حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ شہید ہوئے“ معاویہ نے کہا کہ ”ابن ابی طالب نے تمہارے ساتھ انصاف نہیں کیا کہ اپنے بیٹوں کو صحیح و سالم رکھا اور تمہارے بیٹوں کو قتل ہونے دیا“۔ عدی نے جواب دیا کہ ”میں نے ان کے ساتھ انصاف نہیں کیا اس لیے وہ شہید ہو گئے اور میں زندہ ہوں۔ علامہ حلی نے خلاصۃ الاقوال میں تحریر فرمایا ہے کہ عدی بن حاتم طائی منجملہ ان اصحاب کے ہیں جنہوں نے حضرت امیر علیہ السلام کی طرف رجوع کیا اور مستبصر ہو گئے۔

## سعید بن قیس ہمدانی

بزرگان قبیلہ ہمدان اور فدائیان امیر المومنینؑ سے کتاب فتوح عاظم کوئی نے لکھا ہے کہ سعید بن قیس جنگِ جمل میں سوارانِ میسرہ لشکرِ حضرت امیر المومنینؑ کے سردار تھے اور جنگِ صفین میں عدیل بن بدیل بن ورقاء الخزاعی کے ہمراہ سوارانِ جناح کے سردار تھے اور جناب امیر المومنینؑ نے اپنے دیوانِ حقائق بیان میں فضائلِ قبیلہ ہمدان اور جنگِ صفین میں ان کی جانفشانی کا ذکر فرمایا ہے۔ جنگِ جمل میں آپ برابر حملے پر حملہ کر رہے تھے اور دیگر جاں نثاری کے کارنامے پیش کر رہے تھے۔ ابنِ عاظم کوئی نے لکھا ہے کہ عمر بن حصین سکونی جنگِ صفین میں علی مرتضیٰ علیہ السلام کے پس پشت آیا اور حملہ نیزے کا کرنا چاہتا تھا کہ زخمی کر دے چنانچہ سعید بن قیس نے بڑھ کر اس کو قتل کر دیا اور وہ اشعار کہے جن کا حاصل یہ ہے کہ ”معاویہ بن حمر کو یہ خبر پہنچا دی جائے کہ ہم ہمیشہ تیرے دشمن رہیں گے۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ ہمارے والد ابو الحسن علی ہیں اور ہم ان کے فرزند ہیں اور ہم سوائے ان کے کسی کو نہیں چاہتے اور یہی عینِ ہدایت ہے اور یہی ہماری بڑی خوش قسمتی ہے۔“ معاویہ نے جب یہ سنا تو اُس نے تمام قبائلِ منحصب و کندہ و نغم و خرام کو ذوالکلاح حمیری کے ہمراہ بھیجا۔ حضرت امیر نے خاص کر قبیلہ ہمدان کو پکارا سب لبیک لبیک کہتے ہوئے آگے بڑھے حضرت نے فرمایا:-





اس لشکر سے مقابلہ کرو جو معاویہ نے خاص تمہارے لیے بھیجا ہے۔ سعید بن قیس نے معاویہ اپنے قبیلے کے اس لشکر پر حملہ کر دیا اور صفوں کو درہم و برہم اور منتشر کر دیا حتیٰ کہ ان کو بھگاتے ہوئے سراپردہ معاویہ تک جا پہنچے اور کئی سردارانِ نامی کو ان میں سے قتل کیا۔ جب مغرب کا وقت ہوا تو ایک دوسرے سے علیحدہ ہو گئے۔ حضرت امیر نے اس جنگ کو پسند کیا اور سعید بن قیس کو معاویہ کی قوم کے اپنے سامنے بلایا اور ان کی مدح فرمائی اور فرمایا کہ اے آلِ ہمدان تم بجائے میرے جوشن و بیرون و تیر و کمان کے ہو۔ میں ہمیشہ تم سے مدد حاصل کرتا رہا ہوں، اے سعید تو میری چشمِ پنا اور بجائے میرے ہاتھ کے ہے، میں ہر وقت اور ہر کام میں تیری شجاعت و مردانگی اور خردمندی پر اعتماد کرتا رہوں گا۔ قسم خدا کی اگر تقسیم بہشت میرے ہاتھ ہوئی تو اے قبیلہ ہمدان تم کو بہشت کے بہترین مقام میں اُتاروں گا۔

سعید بن قیس نے عرض کی کہ یا امیر المومنین یہ کام ہم محض خداوندِ عالم کے لیے کرتے ہیں آپ پر کوئی احسان نہیں ہے۔ خداوندِ عالم اس کی جزا اور اس کا ثواب پورے طور پر ہمیں عنایت کرے گا۔ جو خدمت سخت سے سخت ہو وہ آپ ہم سے متعلق کر دیجئے اور جہاں جی چاہے بھیج دیجئے ہم دل و جان سے آپ کو دوست رکھتے ہیں اور آپ کے مطیع ہیں۔ حضرت امیر المومنین نے ان کی تعریفیں فرمائیں اور وہ لوگ اپنی کارگزاری پر مسرور و خوش ہوئے۔ جناب سعد کی بجائے سعید بن قیس معلوم ہوتے ہیں جو کتاب کی وجہ ہے۔ قیس ہمدانی کے علیحدہ حالات نظر انداز کیے جاتے ہیں۔ بس قیس بن سعد بن عبادۃ الانصاری کے متعلق یہ ذکر ملتا ہے کہ آپ صحابہ سید ابراہیم سے تھے اور طریقِ جنگ آزمائی میں ہر جوان و پیر سے سبقت حاصل کی۔ صاحبِ استیعاب نے مالک بن انس



سے نقل کی ہے کہ وہ رسالت مآبؐ کے ایسے مقرب تھے جیسے بادشاہوں کے داروغہ مقرب ہوتے ہیں اور روزِ فتح مکہ کبھی علم پیغمبران کے پدِ بزرگوار سعد بن عبادہ کے ہاتھ میں رہتا تھا اور کبھی ان کے ہاتھ میں ہوتا تھا۔ جنگِ جمل اور صفین میں یہ حضرت امیر علیؑ کے ساتھ رہے اور کبھی آپ سے جدائی نہیں اختیار فرمائی۔ تفصیل کے ساتھ حالاتِ قیس اور ان کے خاندان کی بزرگی کے استیعاب میں ملیں گے جن کو نظر انداز کیا جاتا ہے۔ (ترجمہ فتوح)

jabir.abbas@yahoo.com

## جناب بدیل خزاعی

کتاب خلاصہ ابن داؤد میں اتنا پتہ چلتا ہے کہ عبداللہ بن بدیل بن ورقاء خزاعی اور ان کے دونوں بھائیوں محمد و عبدالرحمن کو جناب رسالت مآبؐ نے ان کے باپ بدیل کے پاس یمن بھیج دیا تھا اور آنحضرتؐ کی وفات کے بعد حضرت امیر المومنینؑ کے پاس رہے یہاں تک کہ جنگ صفین میں درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔ صاحب استیعاب نے لکھا ہے کہ عبداللہ مع اپنے باپ کے قبل فتح مکہ مسلمان ہوئے تھے اور یہ قبیلہ خزاعہ کے رؤسا میں سے تھے اور خزاعہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رازدار تھے۔

شعبی نے روایت کی ہے کہ عبداللہ جو بدیل کے فرزند تھے جنگ صفین میں دوزرہ پہنے تھے اور دو تلواریں لیے تھے اور اہل شام کو قتل کرتے جاتے تھے..... اور برابر تلواریں مارتے اور مقابل کو گراتے جاتے تھے یہاں تک کہ معاویہ کے پاس پہنچ گئے اور اس کو اس کی جگہ سے ہٹا دیا، اصحاب جو اس کی حوالی میں تھے ان کو متفرق کر دیا آخر کار اس کے ساتھیوں نے متفق ہو کر پتھر برسنا شروع کیے اور تلواریں اور تیر بھی مارتے تھے یہاں تک کہ بدیل کے فرزند عبداللہ شہید ہو گئے اور باپ بیٹے نصرت حق میں سرفراز ہوئے۔

## جنابِ اوئیس قرنی

سہیل ملک یمن اور آفتاب قبیلہ قرن سے متعلق تھے اور تابعین کے آٹھ زاہدوں میں ان کا بھی شمار ہے جنہوں نے زہد کی انتہا کر دی۔ جنابِ خاتم المرسلین نے اوئیس کی شان میں نفس الرحمن اور خیر التائبین فرمایا ہے۔

اوئیس عہدِ پیغمبر میں موجود تھے اور غائبانہ آپ پر ایمان لائے تھے لیکن اپنی ضعیف والدہ کی خدمت میں مشغول و مصروف رہتے تھے حتیٰ کہ حضرت سرور کائنات کی زیارت سے مشرف نہیں ہو سکے تھے۔ دن کو شتر بانی کرتے تھے اور اس کی مزدوری سے اپنا اور اپنی ماں کا خرچ چلاتے تھے۔

سید محمد نور بخش نور اللہ مرقدہ نے کتاب ”شجرۂ اولیاء“ میں لکھا ہے کہ اوئیس قرنی مجذوب و مقدس ہیں جن کو رسول اکرمؐ نے ولی فرمایا ہے کہ یمن کی طرف سے نفس الرحمن کا احساس کرتا ہوں اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ وہ سیدِ تابعین ہیں پس جس کی تعریف خود رسول خداؐ نے فرمائی ہو اُس کو اُمت میں کسی کی تعریف کی کچھ حاجت نہیں۔ جنابِ حیدر بن علیؑ نے اوائل کتاب ”منع الاسرار“ میں لکھا ہے کہ اوئیس قرنی کی جلالتِ قدر اور رازِ دایرِ اسرارِ الہی ہونے کی وجہ سے جناب رسالت مآب جب یمن کی طرف سے ان کے انفاں شریفہ کی خوشبو سونگھتے تھے تو فرماتے تھے کہ ”میں یمن کی طرف سے روحِ رحمن سونگھ رہا ہوں“۔ حضرت سلمان نے حضور ختمیؐ مرتبت سے سوال کیا کہ ”وہ کون شخص ہے؟“



حضرت نے فرمایا کہ ”یمن میں ایک شخص ہے جسے اویس قرنی کہتے ہیں۔ وہ روزِ قیامت تنہا ایک امت کے مثل مشور ہوگا اور اس کی شفاعت میں مثل قبیلہ ربیعہ و مضر کے داخل ہوں گے۔ آگاہ ہو کہ جو شخص تم میں سے انھیں دیکھے وہ میرا سلام پہنچا دے اور ان کو حکم دے کہ وہ مجھے (بلائیں یا) میرے لیے دعا کریں۔“

کتاب ”تذکرۃ الاولیاء“ میں ہے کہ جب جناب امیرؑ اور عمرؓ نے حسب وصیت جناب رسالت مآبؐ کے آنحضرت کا سلام اویس کو پہنچایا اور عمرؓ نے ان کو دیکھا کہ وہ ایک ستری گلیم اوڑھے برہنہ سر و برہنہ پا ہیں اور دونوں عالم تو نگری کو اپنی گلیم میں چھپائے ہوئے ہیں تو اپنی خلافت انہیں حقیر معلوم ہوئی اور کہا ”کون شخص ایسا ہے جو خلافت مجھ سے ایک روٹی کے عوض میں مول لے لے“۔ اویس نے کہا کہ ”اے عمر کون ایسا بے عقل ہے جو روٹی دے کر خرید کرے گا یہ تو کیا بیچ رہا ہے پھینک دے جس کا جی چاہے گا اٹھا لے گا۔“

منقول ہے کہ وہ سہیل یمن بعض راتوں میں کہتے تھے کہ یہ رکوع کی رات ہے اور پوری رات سجدے میں بسر کر دیتے تھے۔ لوگ کہتے تھے کہ یہ سجود کی رات ہے۔ کسی نے ان سے کہا کہ ”اے اویس تم کو عبادت کی اتنی طاقت کیسے حاصل ہوئی کہ ایسی طولانی راتیں ایک حالت میں کاٹ دیتے ہو؟“۔ جواب دیا کہ ”رات طولانی کہاں ہوتی ہے؟ کاش کہ ازل سے لے کر اب تک ایک رات ہوتی اور میں پوری رات ایک سجدہ میں کاٹ دیتا اور اچھی طرح گریہ و زاری کرتا۔“

”حبیب السیر“ میں مذکور ہے کہ ایک دن اویس قرنیؓ آبِ دریائے فرات کے کنارے وضو کر رہے تھے کہ ایک طبل کی آواز کان میں آئی۔ لوگوں سے پوچھا کہ یہ کیسی آواز ہے لوگوں نے جواب دیا کہ حضرت امیر المومنینؓ کی فوج جنگ معاویہ کے لیے جا رہی ہے اویس نے کہا کہ کوئی عبادت میرے نزدیک متابعت



علی مرتضیٰ سے افضل نہیں ہے۔

چنانچہ یہ کہہ کر اسی طرف دوڑے اور ملازم رکاب فیض انتساب ہوئے یہاں تک کہ درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔

کتاب ”تحفۃ الاحیاء“ میں عبداللہ بن عباس سے نقل ہے کہ جب ہم لوگ حضرت امیرؓ کے ساتھ مقام ذیقار میں پہنچے تو کوفے اور اس کے توابع ولواحق کا لشکر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرت نے فرمایا کہ آج ۲۱ فوجیں ہمارے پاس آئیں گی اور ہر فوج میں ہزار آدمی ہوں گے۔ ابن عباس کہتے ہیں کہ میرے قیاس میں یہ امر بعید معلوم ہوا مگر ولایت مآب میرے دل کا حال سمجھ گئے۔ حکم دیا کہ اس صحرا میں دو نیزے نصب کر دیے جائیں تاکہ جو لشکر آئے وہ ان دو نیزوں کے درمیان سے میں ہو کر گزرے۔ لوگوں کو یہ بھی حکم دیا کہ بہت تحقیق کے ساتھ ہر فوج کے افراد کو شمار کیا جائے۔ جب غروب کا وقت قریب ہوا تو حضرت نے فرمایا کہ ایک آدمی کم ہے وہ بھی آنے والا ہے۔ دیکھا کہ ناگاہ ایک مرد پیادہ پا اپنا سامان باندھے ہوئے پشت پر آ رہا ہے۔ نہایت ضعیف و نحیف و لاغر چہرہ زرد غبار آلود ہے۔ جب حضرت کی خدمت میں آیا تو سلام کیا حضرت نے جواب سلام دینے کے بعد نام و قبیلہ دریافت کیا۔ عرض کی میں اویس قرنی ہوں یا امیر المومنین ہاتھ بڑھائیے کہ میں بیعت تو کر لوں۔ فرمایا تم کس چیز پر بیعت کرو گے، عرض کی اس وعدے پر کہ آپ کی نصرت و مددگاری میں اپنے کو چھوڑ دوں اور اپنا سر آپ پر نثار کر دوں۔

ایک دن اپنی ماں سے اجازت مانگی۔ ماں نے کہا کہ جاؤ لیکن رسول خدا مکان میں نہ ہوں تو ٹھہرنا نہیں اور فوراً واپس آنا۔ مدینے جب پہنچے مکان پر حضرت موجود نہ تھے فوراً یمن کی طرف واپس ہو گئے۔ آں حضرت جب مکان

میں تشریف لائے تو آپ نے گھر میں ایک نور دیکھا جو کبھی نہ دیکھا تھا۔ دریافت فرمایا کہ دروازہ مکان سے کوئی آیا تھا؟ جواب ملا کہ ہاں یمن سے ایک شتر بان اویس نامی آیا تھا اور سلام کہہ کر واپس گیا حضرت نے فرمایا کہ ہاں۔ یہ اویس کا نور ہے جو خود چلے گئے اور نور بطور ہدیہ ہمارے گھر میں چھوڑ گئے۔

## اویس قرنی (نجم آفندی)

حُسن کے واقفِ اسرار اویس قرنی اے محبت کے فداکار اویس قرنی  
تیرے جذبے کا تقدس ترے احساس کا ثور عشقِ برحق کا ہے آئینِ وفا کا دستور  
کس بلندی پہ ستارے ہیں درخشاں تیرے قیمتی ہو گئے کتنے دُرِ دندان تیرے  
اُسوہ اس شان کا تاریخ کو مطلوب بھی تھا ماں کی خدمت بھی غمِ فرقتِ محبوب بھی تھا  
جس کی خوشبو سے ہے فطرت کی چمن آرائی اُس کی محفل میں قرن سے تری خوشبو آئی  
جس پہ نازاں ہے طریقت وہ شرفِ تجھ کو ملا تجھ سے مضبوط ہوا سلسلہ اہلِ دلا  
جستجو تجھ کو نبی کی تھی علیٰ کو پایا جس کا شیدا تھا بہرِ شکل اُسی کو پایا  
جلوہ افروز امامت میں رسالت دیکھی تو نے آئینہ میں محبوب کی صورت دیکھی  
تو اک اربابِ تصوف میں سپاہی نکلا پھر نہ ایسا کوئی میدان کا راہی نکلا  
حق کے اظہار کو صفین کا عنوان ملا اُحد و بدر سے ملتا ہوا میدان ملا  
موت اے مردِ مجاہد تری انگڑائی ہے سایہ پرچمِ کراڑ میں نیند آئی ہے  
تشنہ کاموں میں تر افیض ہے ساقی اب تک  
بزمِ عرفاں میں تری یاد ہے ساقی اب تک



## جناب جابر ابن عبد اللہ انصاری

جناب جابر ابن عبد اللہ انصاری اصحاب رسول خدا سے تھے اور جنگ بدر اور دیگر اٹھارہ لڑائیوں میں رسول کے ساتھ رہے۔

حضرت امام جعفر صادق سے روایت ہے کہ وہ اصحاب رسول سے سب سے آخر میں باقی رہنے والے شخص ہیں اور ان کی بازگشت ہم اہل بیت کی طرف تھی۔ کتاب ”خلاصہ“ میں فصل بن شاذان سے روایت ہے کہ وہ ان سابقین صحابہ میں ہیں جنہوں نے بعد رسول حضرت علی مرتضیٰ کی طرف رجوع کیا تھا اور ابن عقدہ نے جو اکابر محدثین میں سے ہیں ان کی محبت اہل بیت اور متابعت اہل بیت کی تصریح کی ہے کہ وہ آخر ان صحابہ کے ہیں جنہوں نے مدینے میں وفات پائی۔ جنگ صفین میں آپ حضرت علیؑ کے ہمراہ تھے استیلاب میں اس کا ذکر ہے۔ ابو عمر کشی نے لکھا ہے کہ جابر سیاہ عمامہ باندھتے تھے اور مسجد نبوی میں بیٹھ کر مسائل دینی بیان کیا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ بولے اور کہنے لگے ”یا باقر العلم“ اہل مدینہ نے جب یہ کلمے سنے تو کہنے لگے جابر بن عبد اللہ بڑھے ہو گئے ہیں، ہذیان بکتے ہیں، جب یہ بات جابر نے سنی تو انہوں نے کہا کہ خدا کی قسم میں ہذیان نہیں بکتا بلکہ پیغمبر خدا نے فرمایا ہے کہ تم عنقریب میرے اہل بیت میں سے ایسے مرد کو دیکھو گے جس کا نام میرا ہوگا اور جس کے شمال میں میرے شمال ہوں گے، وہ علم کو اس طرح شگافتہ





کرے گا جو شگافتہ کرنے کا حق ہے میں نے یہ کلام معجز بیان پیغمبر اکرام سے سنا ہے مجھ کو ان کے دیکھنے کی بہت آرزو ہے جو مجھے بے اختیار کر رہی ہے۔

ایک دن جابر مدینہ کی گلیوں سے گزر رہے تھے کہ امام زین العابدینؑ کے دروازے سے ایک لڑکے کو دیکھا کہ جس سے رسول خداؐ کے شائل ظاہر تھے اپنے پاس بلایا، حضرت سامنے آئے جابر نے کہا ذرا پلٹ جائیے پلٹ گئے۔ جابر نے اپنے جی میں کہا کہ یہ شائل تو پیغمبر کے شائل ہیں، ان کو قسم دی کہ آپ کا کیا نام ہے انھوں نے فرمایا محمد بن علی بن الحسین بن علی ابن ابی طالب یہ سن کر جابر آگے بڑھے اور انھوں نے سر مبارک پر بوسہ دیا اور کہا کہ میرے ماں باپ آپ پر خدا ہوں آپ کے جذبہ امجد نے آپ کو سلام کہا ہے۔ حضرت یہ خبر سن کر متاثر ہوئے اور اپنے پدر بزرگوار کی خدمت میں حاضر ہو کر ذکر کیا۔ جناب زین العابدینؑ نے اس خبر کے افشا ہونے سے اندیشہ فرمایا آخر جابر نے سلام و پیام کو ظاہر کیا انھوں نے عرض کی کہ ہاں! امام نے فرمایا کہ اے فرزند اب تم گھر میں بیٹھو اور باہر نہ جاؤ اس لیے کہ لوگ تمہاری طرف رجوع کرنے لگیں گے اور دشمنوں کے مظالم ہم پر بڑھ جائیں گے۔ بعد ازاں جابر ہر صبح و شام امام محمد باقرؑ کی خدمت میں تنہا حاضر ہوتے تھے اور علم کی باتیں سیکھتے تھے۔ اہل مدینہ اس امر سے تعجب کرتے تھے۔ یہ ذکر ”روضۃ الشہداء“ میں اس طرح ہے:-

آخر عمر میں جابر کی آنکھیں جاتی رہی تھیں۔ ایک دن امام محمد باقرؑ اپنے غفوان شباب میں ان کے پاس تشریف لائے اور ان پر سلام کیا جابر نے جواب سلام دے کر پوچھا کہ آپ کون ہیں؟ فرمایا محمد بن علی بن حسین ہوں۔ جابر نے عرض کی کہ اے سردار میرے پاس آئیے اور اپنا ہاتھ مجھے دے دیجئے۔ امام نے اپنا ہاتھ جابر کے ہاتھ میں دے دیا، جابر نے ہاتھ پر بوسہ دیا اور چاہا کہ پاؤں پر بھی



بوسہ دیں لیکن امام نے پاؤں نہ دیئے۔ جابر نے عرض کی کہ اے فرزند رسولؐ حضرت رسولؐ خدا نے آپؐ کو سلام کہا ہے امام نے فرمایا ”علیؑ رسول اللہ السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ پھر جابر سے فرمایا کہ ”اے جابر اس کا حال بیان کرو۔“ جابر نے عرض کی کہ ”ایک روز میں رسولؐ خدا کے ساتھ تھا۔ آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا کہ اے جابر شاید تم اس وقت رہو کہ میرے ایک فرزند سے ملاقات کرو جن کا نام محمد بن علی بن حسین ہو۔ خداوندِ عالم اس کو اپنا نور اور حکمت دے گا، اسے میری طرف سے سلام پہنچا دینا“ نیز کتاب کشی میں مذکور ہے کہ جابر عصا ہاتھ میں لیے ہوئے کوچہ ہائے مدینہ اور وہاں کی مجالس میں جاتے تھے اور کہتے تھے ”علی خیر البشر میں ابی فقد کفر“ یعنی علی خیر البشر ہیں جو شخص اس سے انکار کرے یقیناً کافر ہے“ اور اے گروہ انصار اپنی اولاد کو محبت علی ابن ابی طالبؑ کے ساتھ ادب سکھاؤ جو شخص انکار کرے اس کی ماں کی حالت پر غور کرو۔ اس مفہوم کا شعر ملاحظہ ہو۔

محبت شے مرداں مجوزِ بے پدرے  
کہ دستِ غیر گرفتہ است پائے مادرِ او

یہ جابر وہی مقدس بزرگ ہیں جو اول زائرِ قبر سید الشہداء علیہ السلام ہوئے اور اسی روز اہل بیت کا قافلہ قید سے چھوٹ کر قبر سید الشہدا پر پہنچا تھا اور جناب زینبؑ خاتونِ ثانی زہرا بھائی کی قبر پر فریاد و نالہ و زاری فرما رہی تھیں۔

جابر کے متعلق معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ مقامِ صبر تک پہنچے ہوئے تھے۔ جابر آخر عمر میں بتلائے ضعیف پیری ہو گئے تھے۔ امام محمد باقر علیہ السلام آپؐ کی حالت معلوم کرنے کے لیے تشریف لے گئے تھے۔ (اوصاف الاشراف)

## حضرت ابوالیوب انصاری

حضرت ابوالیوب انصاری زید کے فرزند تھے۔ نام ان کا خالد تھا لیکن کنیت نام پر غالب آگئی تھی انھوں نے جنگ بدر اور دیگر جنگوں میں مثلاً جنگ جمل و صفین و نہروان میں حضرت امیر المومنینؑ کی ہمراہی میں جہاد کیا۔ ”فتوح ابن عاثم کوئی میں“ مذکور ہے کہ ابوالیوب نے زمانہ جنگ صفین میں ایک روز لشکر حضرت علیؑ سے نکل کر لشکر شام سے مبارز طلبی کی، بہت پکارا مگر کوئی مقابلے کے لیے نہ آیا حتیٰ کہ آپ معاویہ کے خیمے تک پہنچ گئے۔ معاویہ خیمے کے در پر کھڑا تھا ابوالیوب کو دیکھ کر بھاگا اور دوسرے دروازے سے نکل گیا۔ بہت نامی آدمیوں کو زخمی کر کے بھاگ دیا۔

معاویہ کی طرف ایک شخص نے جس کا نام مترفع بن منصور تھا کہا کہ ”اے معاویہ اس کی فکر نہ کرو میں اسی طرح علیؑ کے خیمہ کی طرف جاتا ہوں اگر علیؑ کو پالیا تو ان کو زخمی کر کے آؤں گا“ یہ کہہ کر گھوڑا بڑھایا اور حضرت امیر کے خیمہ کی جانب بڑھنا لگا ابوالیوب انصاری کی نظر پڑ گئی بالآخر ایسا وار کیا کہ وہ قتل ہو گیا اور لوگ نہ سمجھ سکے کہ وہ قتل ہو گیا۔ ابوالیوب کی تیز دستی پر سب متعجب ہوئے۔

ابوالیوب معاویہ کے زمانے میں جنگ روم گئے تھے اثنائے راہ میں بیمار ہو گئے اور وصیت فرمائی کہ جہاں پر لشکر کفار سے ملاقات ہو اسی جگہ مجھے دفن کر دینا۔ چنانچہ اس وجہ سے شہر استنبول کے باہر شہر پناہ کے قریب دفن ہوئے۔ روئے پر آپ کے مسلمان و نصاریٰ دونوں طلب باران کے لیے دعا مانگتے آتے



ہیں۔ صاحبِ استیعاب نے لکھا ہے کہ جب اہل روم لڑائی سے فارغ ہوئے تو انھوں نے ارادہ کیا کہ ابوالیوب کی قبر کھود لیں۔ ناگاہ اس روز بہت زور کی بارش ہوئی یہ طوفانی کیفیت دیکھ کر لوگ خائف ہوئے اور باز رہے۔

آپ جلیل القدر صحابی امیر المومنینؑ کے تھے۔ آپ صاحبِ نخلستان تھے۔ مکان آپ کا دو منزلہ تھا۔ آپ کے یہاں پارچہ بانی ہوتی تھی اور کپڑا بنا جاتا تھا۔ جب بعد ہجرت رسول کریمؐ مدینے پہنچے تو شہر کے باہر ٹھہرے۔ انصار زیارت کو آتے تھے اور ہر شخص کی آرزو تھی کہ آپ ہمارے گھر میں قیام فرمائیں۔ اونٹنی تمام جگہ پھری بالآخر حضرت ابوالیوب کے دروازے پر بیٹھ گئی اور آپ وہیں اتر پڑے۔ سات ماہ ان کے مکان میں قیام پذیر ہوئے۔ آپ عبادت گزار، پابندِ شریعت حافظِ قرآن، بہادر جری تھے۔ جب رسول اکرمؐ نے وفات پائی تو معلوم ایسا ہوتا ہے کہ جناب ابوالیوب اس موقع پر موجود تھے۔ جناب ابوالیوب کی ذات تمام مسلمانوں میں غیر اختلافی ہے۔ آپ جنگِ جمل اور صفین و نہروان تینوں لڑائیوں میں شریک رہے اور علی کی معیت میں رہے۔ جنگِ جمل بصرہ کے قریب ہوئی تھی، پھر جنگِ صفین ہوئی اور اسی کے ساتھ ہی نہروان کی لڑائی ہوئی، آپ کو میزبانی رسول کا شرف حاصل تھا۔ سالِ وفات ۵۱ ہجری ہے اور مزار ابوبی استنبول قسطنطنیہ میں ہے، بڑی شاندار عمار ہے جس میں مسجد و خانقاہ، مدرسہ اور مہمان خانہ ہے اور یہ مزار مرکزِ زیارت بنا ہوا ہے۔

قومِ نور باف (یعنی جولا ہے) کا خیال ہے کہ ہم لوگ ابوالیوب انصاری کی شاخ اور سلسلے سے ہیں اور یہ کپڑا سازی جو ہمارے جد کے یہاں ہوتی تھی اسی میں ہم کو ترقی کرنا چاہیے اور ہینڈ لوم صنعت میں اضافہ ہمارا فرض ہونا چاہیے۔ جولا ہے فی زمانہ تقریباً سب اپنے کو انصاری کہتے ہیں لہذا ہمیں بھی ان سے



اختلاف کی کوئی وجہ نہیں کہ حقیقت کا کیا رخ ہے۔ ہمیں تو یہ کہنا ہے کہ اگر وہ اپنے کو حضرت ابوالیوب انصاری کی نسل سے سمجھتے ہیں تو جو ان کے کردار اور خیالات ہیں یعنی جنگِ جمل و صفین و نہروان کی شرکت تو پھر ان کو سیرتِ معاویہ اور یزید سے دوری اختیار کرنا فرض ہے ورنہ وہ خلفِ صادق نہیں ہو سکتے۔ یہ ہمیں تسلیم ہے کہ ایامِ عزائم میں جو انصاریان تعزیر داری میں اپنا جوشِ نصرت پیش کرتے ہیں وہ تو اسی خون کا اثر معلوم ہوتا ہے لیکن برخلاف اس کے عقائد میں اختلافی صورتیں پیدا ہو جائیں یہ ان کی نسل کا اثر نہیں ہو سکتا بلکہ عقائد کی طرف متوجہ ہونا بھی ضروری ہے۔

jabir.abbas@yahoo.com

# سُلیم بن قیس الہلالی

تابعی کبیر الشیخ ابو صادق سُلیم بن قیس الہلالی العادی الکوفی خواص امیر المومنین امام علی ابن ابی طالب، امام حسینؑ، امام زین العابدینؑ اور امام محمد باقر علیہم السلام میں سے ہیں۔ آپ معصومین علیہ السلام کے درمیان ثقہ تھے آپ کی کتاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد اپنے موضوع کی پہلی کتاب ہے۔ سُلیم کا نام نامی اسلامی تاریخ کے صفحات میں سونے کے حروف سے لکھے جانے کا مستحق ہے۔ سُلیم کی اصل بنی ہلال بن عامر ہے یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے حجاز کو اپنا وطن بنالیا تھا اور جناب اسماعیل بن ابراہیمؑ کی اولاد میں سے تھے۔ سُلیم کی پیدائش ہجرت سے دو سال قبل ہوئی تھی اور آپ کی عمر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتقال کے وقت تقریباً بارہ ۱۲ سال تھی۔

سُلیم بن قیس رسول اسلام کی وفات کے بعد دو خلافتِ ثانیہ میں عازم مدینہ ہوئے اور اسی عہد میں آپ نے اپنے علمی جہاد کا آغاز کیا اس وقت سُلیم کی عمر تقریباً سولہ ۱۶ سال تھی۔

سُلیم نے مدینہ میں اصحاب رسول اعظمؐ سے فرداً فرداً ملاقاتیں کیں۔ ان سے احادیث رسولؐ سنیں، سُلیم امیر المومنینؑ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور آپ کے اصحاب کرام سلمان، ابوذر اور مقداد وغیرہ سے ملاقات کرتے تھے،



ان سے استفادہ کیا سیرت مرسل اعظم اور احادیث کی معلومات حاصل کیں۔  
 واقعہ سقیفہ کی تفصیلات تسلیم نے تین اصحاب رسولؐ سے حاصل کیں۔ سلمان،  
 عبد اللہ ابن عباس اور براء ابن عازب۔ یہ سب کے سب قضیہ سقیفہ میں حاضر  
 تھے اور اس کے شاہد تھے۔ اس طرح تسلیم نے اپنے زمانے میں تمام واقعات کو  
 پنچشم خود دیکھا۔ عہد امیر المومنین واقعہ جمل، ۴۰ ہجری میں واقع نہروان اور  
 شہادت امیر المومنین۔ تسلیم کا تعارف امام حسن علیہ السلام اور امام حسین علیہ السلام سے عہد  
 امیر المومنین میں ہی ہو چکا تھا بعض روایات بھی ان دونوں اماموں سے نقل کی ہیں۔  
 تسلیم کوفہ بھی پہنچے وہاں کے حالات کا مشاہدہ کیا معاہدہ صلح امام حسنؑ اس کے  
 بعد امام حسن علیہ السلام کا وہ خطبہ بھی سنا جو آپ نے مصالحت کے بعد ارشاد فرمایا تھا۔  
 شہادت امام حسن علیہ السلام کے بعد ۵۰ ہجری میں تسلیم کوفہ سے پھر مدینہ پہنچے اور  
 وہاں جو کچھ رونما ہوا دیکھا۔ امام حسن علیہ السلام کی شہادت کے بعد تسلیم کا شمار اصحاب  
 امام حسین علیہ السلام میں ہو گیا۔ ۵۱ ہجری میں حاکم شام کی موت سے دو سال پہلے  
 آپ نے امام حسین علیہ السلام کی معیت میں حج کی سعادت حاصل کی اور مجلس  
 امام علیہ السلام میں حاضر ہوئے جو کہ مقام منیٰ میں منعقد ہوئی تھی اس میں تقریباً ۷۰۰  
 کبار اصحاب اور تابعین موجود تھے اس موقع پر امام نے جو خطبہ ارشاد فرمایا تھا  
 تسلیم نے اس کو اپنی کتاب میں وارد کیا ہے۔ تاریخ کے صفحات میں تسلیم کے  
 احوال کے فقدان کی اصل وجہ ۶۱ ہجری میں واقعہ کربلا ہے جس کو تسلیم نے بڑے  
 صبر و تحمل کے ساتھ برداشت کیا کیونکہ تسلیم اس وقت عبید اللہ ابن زیاد کی قید میں  
 تھے اس طرح آپ کے لیے امام حسین علیہ السلام کی نصرت کرنا ممکن نہیں تھا۔ تسلیم  
 نے جب امام زین العابدین اور امام محمد باقر علیہ السلام سے ملاقات کی اس وقت امام  
 محمد باقر علیہ السلام کا سن شریف ۷ سال یا اس سے زیادہ تھا۔



سُلمیہ کی کتاب کے بارے میں امام زین العابدین علیہ السلام کی زریں رائے سے اس بات کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ سُلمیہ امام کے نزدیک کتنے ثقہ تھے۔

ابان بن ابی عیاش کہتے ہیں ”جس سال میں نے حج کیا اسی سال امام زین العابدین علی بن الحسین کی خدمت میں حاضر ہوا وہاں ابو طفیل عامر بن واہلہ الکلتانی صحابی رسول اللہ موجود تھے اور آپ حضرت علی علیہ السلام کے بہترین اصحاب میں سے تھے اور وہاں تھے علی بن ابی سلمہ جو کہ اُم سلمہ زوجہ نبی کے فرزند تھے ان سے بھی ملاقات کی اور میں نے (سُلمیہ کی) کتاب ابی طفیل عمر بن ابی سلمہ اور امام زین العابدین علیہ السلام کی خدمت میں پیش کی۔ امام وہاں تین دن تک شبانہ روز تشریف فرما رہے۔ عامر اور علی وہاں آتے تھے اور کتاب کو امام علیہ السلام کو پڑھ کر سناتے تھے۔ امام نے فرمایا ”حج کہا سُلمیہ نے خدا اس پر رحمت نازل فرمائے یہ ساری حدیثیں ہم نے سنی ہیں۔“

سُلمیہ کے بارے میں جبکہ کبار علماء اسلام کی توضیحات کثرت سے ہیں مگر اس سے بھی بالاتر یہ امر ہے کہ سُلمیہ کے لیے پانچ آئمہ معصومین علیہ السلام کی تصدیق ہے خصوصاً امام سجاد علیہ السلام جنہوں نے آپ کی تمام کتاب کی تصدیق کی اور دعائے رحمت فرمائی یہ گواہی امام معصوم کی کافی ہے۔ کیسی اچھی گواہی اور کیسا اچھا گواہ ہے۔ امام جعفر بن محمد الصادق علیہ السلام کتاب سُلمیہ کے لیے فرماتے ہیں ”وہ ہمارے شیعہ اور محبتیں میں سے نہیں ہو سکتا جس کے پاس کتاب سُلمیہ بن قیس الہلالی نہ ہو۔ وہ ہماری اولاد اور اسباب کے بارے میں نہیں جانتا وہ (کتاب سُلمیہ) ابجد شیعہ ہے اور وہ اسرار آل محمد علیہ السلام میں ایک مخفی راز ہے۔“

۱۔ ”ابان ابن ابی عیاش نے سُلمیہ کے لیے فرمایا ”میں نے ایسا مرد نہیں دیکھا جو اتنا بلند مرتبہ بزرگ ہو اور شدت کے ساتھ اجتہاد کرتا ہو اور اتنا طویل





حزن کرنے والا، اپنے کوشدت کے ساتھ گمنامی میں بسر کرنے والا اور ایسا شخص نہیں دیکھا جو اپنی شہرت سے اتنا بغض رکھتا ہو۔

۲۔ ابان نے کہا جس کو ابن ندیم نے اور عقیقی نے نقل کیا ہے (سُلمی) ایک بزرگ عبادت گزار تھے اور جس کی پیشانی سے نور ساطع ہوتا تھا۔

۳۔ برقی نے اپنی کتاب رجال میں اولیاء اصحاب امیر المومنین علیؑ میں ذکر کیا ہے اور اس کو علامہ نے اپنے خلاصہ میں ذکر کیا ہے۔

۴۔ ان روایات کا ذکر برابر ہے جس کو شیخ مفید علیہ الرحمۃ نے کتاب الاختصاص میں ذکر کیا ہے جو اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ سُلمی شرطۃ النخیس میں تھے شان شرطۃ النخیس کے بارے میں جو وارد ہوا ہے اس کو ملاحظہ کرنے کے بعد جلالت سُلمی معلوم ہو سکتی ہے۔

۵۔ ال کشی نے کتاب رجال میں وارد کیا ہے کہ دو روایات سُلمی کے لیے تصدیق آئمہ کے بارے میں دلالت کرتی ہیں اور وہ دونوں روایات متفق کتاب سُلمی میں موجود ہیں سُلمی کا ذکر شیخ ابوالعباس نے اپنی رجال کشی میں سُلمی کی تصنیف کو زمرہ متقدمین سلف صالح میں کیا ہے۔

۶۔ ابن قتیبہ دینوری نے اپنی معارف میں برزقہ میں مسلمین اور مشہورین کے فرق کے ذکر میں شیعہ کے عنوان سے (سُلمی کا ذکر) کیا ہے۔

شیعہ:- حضرت الاغور۔ صعصعہ بن صوحان، اصبح بن نباتہ، عطیہ العوفی، طاؤس، اعمش، ابواسحاق البیعی اور ابوصادق۔۔ (پھر کہتے ہیں) میں کہتا ہوں ابوصادق سے مراد سُلمی بن قیس ہلائی ہیں جس طرح اس کا احتمال ہے کہ اس سے مراد اباصادق بن عاصم الجہری ہیں جس کا ذکر برابر آیا ہے۔



## جناب عبداللہ بن عباس

اصحاب امیر المومنین میں ان کی شخصیت گونا گوں حیثیتوں سے بہت اہم ہے اور جناب امیر المومنین سے آپ کے اخلاص و محبت کی احادیث کو درایتی حیثیت سے بہت اہمیت حاصل ہے اس لیے کہ جتنے گہرے حجابات کے باوجود حقیقت نمایاں ہو جائے اور اس کے پر قوت ہونے کی قوی ترین دلیل ہے۔

ایک طرف بنی امیہ اور ان کے ہوا خواہوں کی یہ پالیسی کہ اہل بیت رسول کے خلاف جو بات بھی لکھنا ہو وہ ان کے کسی عزیز کی طرف نسبت دے کر کہی جائے اسی لیے جناب عباس کی زبانی اس قسم کی باتیں تصنیف کی گئیں جو امیر المومنین کی حقانیت کے خلاف بطور سند پیش کی جاسکتیں، اور اس پر جناب عبداللہ ابن عباس کی طرف اس قسم کے حکایات منسوب کئے گئے جو اس بات کا پتہ دیں کہ انھیں جناب امیر کے طرز عمل سے اتفاق نہ تھا۔

یہ کام ڈیڑھ دو سو برس تک بنی امیہ کے زیر سر پرستی ہوتا رہا اور اس کے بعد برسر اقتدار، ان ہی جناب عبداللہ ابن عباس کی طرف نسبی حیثیت سے نسبت رکھنے والے بنی عباس برسر اقتدار آئے جنھوں نے اگرچہ سلطنت آل محمد کے نام پر اور ان کے ساتھ خلق خدا کی ہمدردی کی بدولت حاصل کی تھی مگر بعد میں انھیں بھی اپنے اقتدار کیلئے تحفظ کے لیے ضرورت اس کی محسوس ہوئی کہ آل رسول کو نذر تغافل کیا جائے، اور وہ اپنے کو زیادہ حقدار و راشت رسول ثابت کریں اس



لیے ان کا نصب العین حتی الامکان یہ تھا کہ بنی عباس کی فوقیت ثابت ہو اور لوگ علیؑ و اولاد علیؑ کو بھول جائیں۔ اس عناد کی حد متوکل کے دور میں تو اس منزل تک پہنچی کہ بھرے ہوئے دربار میں حضرت علیؑ ابن ابی طالبؑ کی نقل بنائی جاتی تھی اور بادشاہ و ارکان سلطنت قہقہہ لگاتے تھے۔

اس صورت میں عباسی سلطنت کی پالیسی کا کہاں تقاضا تھا کہ جناب عبداللہ ابن عباس کے اس اخلاص و ارادت کے روایات جو انھیں حضرت امیر المومنین علیؑ ابن ابی طالبؑ سے تھا یا آپ سے ان کے کسب فیوض کے اعترافات منظر عام پر آسکیں مگر اس سب کے بعد یہ حقانیت کی طاقت سمجھنا چاہئے کہ جناب عبداللہ ابن عباس کی حضرت امیر المومنین علیؑ ابن ابی طالبؑ کے ساتھ انتہائی وابستگی اور علمی و عملی طور پر آپ کے زیر سایہ تربیت پانا، تاریخ اور رجال و سیر کی ایسی ناقابل انکار حقیقت ہے جس کے شواہد کسی زیادہ جستجو کے محتاج نہیں بلکہ معمولی سے ذوق مطالعہ رکھنے والے کو بھی کسی شاذ و نادر کتاب میں نہیں بلکہ متبادل علمی و تاریخی ماحدوں میں نمایاں نظر رہیں گے۔

## ولادت:

جناب عبداللہ ابن عباس ہجرت کے تین سال پہلے پیدا ہوئے اور اس لیے وفات پیغمبر خدا کے وقت آپ کی عمر تیرہ برس کی ہوتی ہے۔ ایک روایت میں اس سے کم یعنی دس برس اور ایک میں اس سے زیادہ یعنی پندرہ برس یہی وارد ہے مگر پہلا قول زیادہ تر صحیح ہے۔

عرب میں تیرہ برس کی عمر کا بچہ جوانی کی منزل سے قریب ہوتا تھا اس لیے جناب رسالت مآبؐ کے اقوال و افعال کے متعلق ان کے جو روایات یا تاثرات ہوں انھیں بے وقعت نہیں سمجھا جاسکتا۔ ”استیعاب“ علامہ ابن عبدالبر اور ”اصابہ“



حافظ ابن حجر وغیرہ میں یہ بھی وارد ہے کہ آپ کی ولادت کے بعد کسی ہی میں دو مرتبہ حضرت پیغمبر خدا نے ان کے لیے علم و حکمت کے عطا ہونے کی دعا فرمائی جس کے الفاظ چاہے مختلف ہوں مگر مفہوم تقریباً ایک ہے۔ مثلاً کہیں یہ ہے اللّٰهُمَّ عَلِّمَهُ الْحِكْمَةَ وَتَاوِيلَ الْقُرْآنِ (پروردگار اسے حکمت اور تاویل قرآن کا علم عطا فرما) کہیں ہے اللّٰهُمَّ فَقِّهْهُمْ فِي الدِّينِ وَعَلِّمَهُ التَّوَايِلَ (پروردگار اسے فہم دین اور علم تاویل عنایت فرما) کہیں ہے اللّٰهُمَّ زِدْهُ عَلًى وَفَقْهًا (پروردگار اس کے علم و فقہیت میں اضافہ کرنا)۔

پیغمبر اسلام کی یہ حدیثیں خود باب مدینۃ العلم اور باب دار الحکمہ سے ان کے ہمیشہ وابستہ رہنے کی ضمانت تھیں اس لیے کہ اصل علم و حکمت وہی ہے جو اصلی سر چشمہ علم و حکمت سے حاصل ہو۔

**ابتدائی تاثرات :-**

اسی کا نتیجہ یہ تھا کہ پیغمبر خدا کے بعد جب سیاست کی ہوائ نے اکثریت کو دوسرے رخ پر منتشر کر دیا تو جناب عبداللہ ابن عباس باوجود کم عمری کے بختہ کاری کے ساتھ اسی حقیقت سے وابستہ رہے جو ان کی صحیح معرفت کا تقاضا ہو سکتی تھی۔

وفات رسالت مآب کے قبل ہی سے جو ناگوار واقعات سامنے آرہے تھے ان پر جناب عبداللہ ابن عباس ایک ذہین صاحب نظر مکمل انسان کی طرح غور کر رہے تھے، اور اس سے شدید طور پر متاثر تھے چنانچہ صحاح ستہ کی سب سے اہم کتاب صحیح بخاری (مطبوعہ کرزن پریس، دہلی نصف دوم صفحہ ۸۳۸) بنی باب یقول المریض قوموا عنی میں ہے کہ حضرت ابن عباس نے کہا کہ جب رسالت مآب کے احتضار کا عالم تھا اور اس وقت گھر میں بہت سے لوگ تھے جن میں عمر بن الخطاب بھی تھے تو حضرت نے فرمایا کہ آؤ میں تم کو ایک تحریر لکھ دوں جس کے



بعد تم گمراہ نہ ہو گے، جناب عمر نے کہا کہ رسالت مآبؐ پر اس وقت مرض کا غلبہ ہے، قرآن تمہارے پاس موجود ہے اور ہمارے لیے خدا کی کتاب کافی ہے۔ گھر والوں میں اس وقت اختلاف ہوا، کچھ لوگ کہتے تھے کہ قلم و دوات دینا چاہیے تاکہ رسالت مآبؐ ایسی تحریر لکھ دیں جس کے بعد گمراہی سے محفوظ ہو جاؤ اور کچھ لوگ وہی کہتے تھے جو عمر نے کہا تھا۔ جب شور ہوا اور جھگڑا ہونے لگا تو رسالت مآبؐ نے فرمایا کہ ”میرے پاس سے اٹھ جاؤ“ اس کے بعد بخاری میں ہے ابن عباس کہتے ہیں کہ مصیبت سب سے بڑی وہی تھی کہ رسالت مآبؐ کو وہ تحریر لکھنے کا موقع نہ دیا گیا جو آپ لکھنا چاہتے تھے۔

یہ ایک معمولی بچے کی بات نہیں ہے بلکہ ایک پوری سیاست اسلام کا تجزیہ کر لینے والی نظر کا جائزہ ہے جس نے اصل سنگ بنیاد کو دریافت کر لیا جس پر بعد کی صدیوں کی سیاست کی عمارت قائم ہوئی۔

پیغمبر خدا کے بعد آپ نے اپنے علمی استقارے کا مرکز حضرت علی ابن ابی طالبؓ کو قرار دیا اور باوجود اپنی کم عمری کے وہ امتیاز حاصل کیا کہ علامہ ابن عبد اللہ کے الفاظ استیعاب میں یہ ہیں لقد کان عمر یعدہ للمقصدات یعنی عبد اللہ ابن عباس کو حضرت عمرؓ کی علمی مشکلات کے حل کرنے کے لیے ذخیرہ رکھتے تھے۔ علامہ ابن حجرؒ کی مصنف ”صواعق محرقة“ نے بھی منہج مکیہ شرح قصیدہ ہمزہ میں لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ ابن عباسؓ کو اکابر شیوخ مہاجرین و انصار پر ترجیح دیتے تھے، اس لیے کہ ان کے پاس دعائے رسولؐ کی برکت سے وہ علم پاتے تھے جو ان کے پاس نہ پاتے تھے۔ (منہج مکیہ مطبوعہ مصر ۱۳۰۷ھ صفحہ ۲۲۷ و صفحہ ۲۲۸)

تجسس علمی :-

حضرت عمر کے علاوہ دوسرے صحابہ بھی ان کی بلندی علمی کے معترف تھے۔



جناب عبد اللہ ابن مسعود کا قول ہے (کیا کہنا ترجمان القرآن ابن عباس کا اگر ہماری عمر کے ہوتے تو ہم میں سے کوئی ان سے بات نہ کر سکتا۔ طاؤس یمانی کا قول ہے کہ میں نے پانچ سو اصحاب رسولؐ ایسے دیکھے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک کو ابن عباسؓ اُس کی غلطی پر متنبہ کرتے تھے اور اسے اقرار کرنا پڑتا تھا۔

مسروق کا قول ہے کہ جب میں عبد اللہ ابن عباسؓ کو دیکھتا تھا تو کہتا تھا اجل الناس (سب سے زیادہ خوبصورت) اور جب بات کرتے تھے تو کہنا پڑتا تھا کہ فصیح لئاس اور جب حدیثیں بیان کرنے پر آتے تھے تو ماننا پڑتا تھا کہ اعلم الناس۔ سید مرتضیٰ زبیدی نے ”شرح احياء العلوم“ میں لکھا ہے کہ حافظ ابو نعیم نے ”حیلة الاولیاء“ میں ابوصالح کی روایت درج کی ہے کہ میں نے ابن عباسؓ کی علمی صحبت کا ایسا واقعہ دیکھا ہے کہ جس پر اگر تمام قریش ناز کریں تو بجا ہے۔ میں نے دیکھا کہ دروازے پر اتنے لوگ مختلف مسائل کی تحقیق کرنے والے جمع ہو گئے کہ راستہ بند ہو گیا۔ نہ ادھر کا کوئی آدمی ادھر جا سکتا اور نہ ادھر کا ادھر آ سکتا۔ میں اندر گیا اور میں نے ابن عباسؓ کو اطلاع دی کہ اتنے لوگوں کا مجمع ہے۔ انھوں نے وضو کیا اور اپنی جگہ پر آ کر بیٹھے، کہا کہ باہر جاؤ اور کہو کہ جو لوگ الفاظ قرآن اور اس کے حروف کے متعلق سوال کرنا چاہتے ہیں، وہ اندر آئیں میں گیا اور میں نے ان لوگوں کو اندر آنے کی اجازت دی۔

وہ لوگ آئے یہاں تک کہ تمام گھر بھر گیا، انھوں نے اپنے اپنے مسئلے دریافت کیے اور ابن عباسؓ نے جو کچھ انھوں نے پوچھا وہ بتایا اور کچھ اپنی طرف سے اضافہ کر دیا۔ پھر انھوں نے کہا کہ بس اب اپنے دوسرے بھائیوں کو موقع دو، وہ لوگ اٹھے اور باہر گئے۔ ابن عباسؓ نے مجھ سے کہا کہ جاؤ اور کہو کہ جو لوگ تفسیر قرآن اور تاویل کے متعلق سوال کرنا چاہتے ہیں وہ اندر آئیں۔ روایت



طولانی ہے جس میں اسی طرح مختلف علوم و فنون کے طلاب کے جمع ہونے اور اپنے سوالات سے کچھ زیادہ ہی معلومات حاصل کرنے کا تذکرہ ہے۔

## جناب ابن عباس کے اعترافات:-

باوجود اس مقبولیت اور مرجعت کے جناب عبداللہ ابن عباس اظہار حق اور اعتراف حقیقت سے کبھی خاموش نہیں ہوئے۔ جیسا کہ پہلے بیان ہوا باوجودیکہ خلیفہ دوم آپ کی بڑی قدر و منزلت کرتے تھے مگر مسئلہ خلافت پر آپ کی ان سے اکثر تلخ اور سخت گفتگوئیں ہو گئی ہیں جن کی تفصیل طول کے خیال سے ترک کی جاتی ہے۔

اس کے علاوہ آپ کا امیر المومنین سے تفسیر سورہ حمد دریافت کرنا اور امیر المومنین کا رات بھر بیان فرمانا اور آخر میں یہ ارشاد کہ: ”اگر رات اور گنجائش دیتی تو میں اور بیان کرتا“ اس موقع پر جناب ابن عباس کا قول ہے کہ ”میں اپنے کو آپ کے پہلو میں ایسا پار ہا تھا جیسے قوارہ ایک بڑے سمندر کے پہلو میں“۔

## جناب ابن عباس کے مجاہدات:

حضرت امیر المومنین کو اپنے زمانہ خلافت میں جو جمل و صفین و نہروان میں جہاد کرنا پڑے ان میں بھی جناب عبداللہ ابن عباس پیش پیش نظر آتے ہیں۔ چنانچہ ”استیعاب“ میں ہے۔ (بر حاشیہ اصابع جلد ۲ صفحہ ۳۵۷) کہ شہید عبداللہ ابن عباس مع علی الجمل و صفین و نہروان۔

حضرت امیر المومنین کی شہادت کے بعد اقتدار بنی امیہ کے زمانے میں وہ حکومتِ وقت کے خلاف جہاد باللسان میں مشغول رہے چنانچہ کمال الدین دمیری نے حیات الحمد ان (مطبوعہ مصر جلد ۱ صفحہ ۱۳۵ میں شفاء الصدور) ابن سبع



بستی کے حوالے سے جناب علی ابن عبد اللہ ابن عباس کی روایت لکھی ہے کہ ایک مرتبہ اپنے والد کے ساتھ مکہ معظمہ میں اس وقت، جب کہ ان کی آنکھوں کی بصارت زائل ہو چکی تھی، ہمارا گزر ہوا۔ ایک جماعت کی طرف، جو زمزم کے کنارے بیٹھی ہوئی علی ابن ابی طالبؑ کو برا کہہ رہی تھی، جناب عبد اللہ ابن عباس نے اپنے شاگرد سعید ابن جبیر سے، جو آپ کا ہاتھ پکڑ کر لے جاتے تھے، کہا کہ ذرا مجھے ان کی طرف واپس کرو، سعید انھیں پلٹا کر اس مجمعے کے پاس لائے۔

ابن عباس نے کہا ایکھ الساب اللہ ولہ رسولہ (تم میں سے کون شخص خدا اور رسولؐ کو گالیاں دے رہا تھا) ان لوگوں نے کہا سبحان اللہ ہم میں سے کوئی شخص نہیں جس نے خدا اور رسولؐ کو برا کہا ہو۔ ابن عباس نے کہا ”تم میں سے حضرت علیؑ کو برا کہنے والا کون ہے“ ان لوگوں نے کہا کہ ہاں یہ تو یہاں ہو رہا تھا۔ ابن عباس نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے رسالت مآبؐ کو فرماتے سنا ہے ”جو شخص علیؑ کو برا کہے اس نے مجھے برا کہا اور جس نے مجھے برا کہا اس نے خدا کو برا کہا اور جس نے خدا کو برا کہا خدا اس کو اوندھے منہ آگ میں ڈال دے گا“

## فقہی مسلک :-

مسئلہ طور پر جناب عبد اللہ ابن عباس فقہ کے اقلانی مسائل میں ہمیشہ مسلک اہل بیتؑ کے ترجمانی اور استدلالی طور پر اُسی کے حق میں جہاد کرتے رہے۔ چنانچہ مسئلہ متعہ میں جناب خلیفہ دوم کے وقت سے لے کر عبد اللہ ابن زبیر کے عہد تک ہر ایک برسرِ اقتدار فرد سے ان کا تصادم ہوتا رہا اور عبد اللہ ابن زبیر سے تو انھوں نے بھرے ہوئے مجمعے میں بڑی سخت بات کہہ دی کہ اپنی والدہ (اسماء بن حضرت ابوبکر) سے جا کر دریافت کرو کہ خود تمہاری ولادت کس قسم کے نکاح



سے ہوئی ہے۔

اسی طرح متعہ الحج اور میراث کے اختلافی مسائل غول اور تعصیب وغیرہ میں برابر وہ مسلکِ جمہور کے خلاف اعلان کرتے رہے جو خود کتبِ جمہور میں درج ہے۔ اس سب کی تفصیل ایک مستقل اور بسیط تصنیف کی طلب گار ہے۔

### بیعتِ یزید سے انحراف :-

امیرِ شام کے مسلک سے اختلاف کے وقتاً فوقتاً مظاہرے کے ساتھ ساتھ جو ابھی صرف اقوال کی صورت سے تھا ان کو عملی منزل میں بھی آنے کا پھر اُس وقت موقع ملا جب یزید کی بحیثیت ولی عہد بیعت لی جا رہی تھی۔ یہ حقیقت ہے کہ حضرت امام حسینؑ کے ساتھ ساتھ جن لوگوں نے شروع ہی میں بیعت سے انکار کیا تھا ان میں جنابِ عبداللہ ابنِ عباس بھی تھے، چنانچہ معاویہ نے اپنے وقتِ آخر جو اظہارِ حسرت کے الفاظ بطور پیغامِ یزید سے کہلوائے ہیں ان میں پانچ آدمیوں کا نام لیا تھا کہ ان کی بیعت نہ کرنے کا مجھے افسوس ہے۔ ان میں جنابِ عبداللہ ابنِ عباس کا نام بھی تھا۔ اس کے بعد جب حضرت امام حسینؑ کی شہادت ہو گئی تو سطوتِ یزید سے مرعوب ہو کر عبداللہ ابنِ عمر اگرچہ یزید کے اقتدار کے سامنے اتنے سپر انداختہ ہو گئے کہ وہ وفاداری حکومت کے بہت بڑے مبلغ بن گئے، اس وقت بھی جنابِ عبداللہ ابنِ عباس اپنے مسلک پر قائم رہے اور کبھی یزید کی بیعت نہیں کی۔

### جراتِ اظہار کا آخری کارنامہ :-

یزید کی بیعت سے انحراف کے بعد پھر ایک آسان صورت یہ تھی کہ وہ عبداللہ ابنِ زبیر کے ساتھ ہو جاتے جو اس وقت یزید سے کم، بنی ہاشم سے اختلاف



رکھے تھے اور یزید سے برسرِ پیکار بھی تھے مگر اہل بیت رسولؐ کا چونکہ مسلک یہ تھا کہ کسی اقتدارِ باطل کی بیعت نہ کی جائے اس لیے جناب عبداللہ ابن عباس نے عبداللہ ابن زبیر کی بیعت سے بھی انکار کیا۔ اسے مخبروں نے یزید تک پہنچایا تو اسے خواہ غلط فہمی ہوئی ہو یا سیاسی طور پر فائدہ اٹھانا چاہا ہو، اس نے جناب عبداللہ ابن عباس کو خط لکھا۔ اس کے جواب میں جناب عبداللہ ابن عباس نے یہ تاریخی جواب دیا جو جرأتِ انظہارِ حق کا ایک شاہکار ہے اور جناب عبداللہ ابن عباس کے قلم کی ایک مستند دستاویز ہوتے ہوئے کسی بھی عباسی کے اس مزجومات کے قلعے کو مسمار کرنے والا ہے جو یزید کی صفائی میں قائم کیا چاہیے۔

یزید کو یہ معلوم ہوا تو اس نے عبداللہ بن عباس کو لکھا کہ ”مجھے اطلاع ملی ہے کہ اُس لامذہب (ابن زبیر) نے آپ کو حرمِ الہی میں اپنی بیعت حاصل کرنے کے لیے بلایا تھا مگر آپ نے ہماری وفاداری کا ثبوت دیتے ہوئے اُس کی بیعت کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ بس اپنے ابنائے وطن کو اور ان لوگوں کو جو بیرونِ نجات کے آپ کے پاس آمد و رفت رکھتے ہیں، ابن زبیر اور میری نسبت اپنے صحیح خیالات سے برابر آپ مطلع فرماتے رہیں اس لیے کہ ابن زبیر آپ کو اپنی بیعت اور اطاعت میں لینے کے بعد آپ سے باطل کی تمنا اور اپنے گناہوں میں آپ کو شریک کرنے کی آرزو رکھتا تھا مگر آپ نے ہماری بیعت و اطاعت میں داخل رہتے ہوئے وفائے عہد کے حق کو پورا کیا ہے لہذا خدا اس صلہ رحمی کی آپ کو جزائے خیر دے اور بہر طور میں بھی آپ کے اس صلہ رحمی اور نیک سلوک کو بھولنے والا نہیں ہوں اور جس صلہ و انعام کے آپ مستحق ہیں وہ بہت جلد آپ کے پاس پہنچاؤں گا۔ مگر یہ کہ آپ آنے جانے والوں کو ابن زبیر کی بُرائیوں اور اُس کی چرب زبانی کے متعلق متنبہ کرتے رہیں کیونکہ عام طور پر لوگ اس کے متعلق آپ

کی رائے کو زیادہ وقیع اور معتبر سمجھتے ہیں۔“ عبد اللہ ابن عباس نے اس خط کا حسب ذیل جواب یزید کو روانہ کیا۔ ”تمہارا خط پہنچا۔ تم نے جو یہ لکھا ہے کہ میں نے عبد اللہ بن زبیر کی بیعت تمہاری وفاداری کے خیال سے نہیں کی۔ یہ غلط ہے۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ میں کبھی بھی تمہارا مذاح اور ہوا خواہ نہیں رہا۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ میں اس بات کو بھول جاؤں گا کہ تم نے ہی حسینؑ کو قتل کیا ہے اور کیا نبی مطلب کے ان نوجوانوں کی خاک و خون میں بھری لاشوں کا ہولناک تصوّر میرے دماغ سے محو ہو جائے گا جن کے کپڑے تک لوٹ لیے گئے تھے اور بے گور و کفن گرم ریگ پریوں ہی چھوڑ دی گئی تھیں۔ صرف ہوا کے جھونکوں نے خاک ڈال کر جن کی پردہ داری کا حق ادا کیا اور جانورانہ صحرائی نے ان کی حفاظت کے فرض کو پورا کیا یہاں تک کہ اللہ نے ایک قوم کے ذریعے سے ان کے دفن و کفن کا کام سرانجام کیا۔

ہاں ہاں اے یزید میں نہیں بھول سکتا اور کبھی نہیں یہ کہ تم نے حسینؑ کو حرم خدا اور حرم رسولؐ سے نکلنے پر مجبور کیا اور ابن مرجانہ کو قتل حسینؑ پر مامور کیا۔ میں تو خدا کی ذات سے بہر حال امید رکھتا ہوں کہ وہ منتقم حقیقی بہت جلد تمہارے اعمال کے مطابق سزا دے گا اور عذاب میں مبتلا فرمائے گا کیونکہ تم نے اُس کے نبی کی عترت کو قتل کیا ہے اور اُن کے قتل پر راضی ہوئے ہو اور یہ جو تم نے لکھا ہے کہ تم میرے ساتھ صلہ رحمی تو گے اور انعام و اکرام سے پیش آتے رہو گے تو تم اپنی اس مہربانی اور صلہ رحمی کو بس اپنے ہی لیے اٹھا رکھو۔ ہم کو اس کی مطلق ضرورت نہیں ہے اور یہ جو تم نے لکھا ہے کہ میں لوگوں کو تمہاری طرف مائل اور عبد اللہ ابن زبیر سے منحرف اور برگشتہ کروں تو اس کے متعلق میں بس یہی کہہ سکتا ہوں کہ تمہارے لیے کبھی خیر و برکت نہ ہو اس لیے کہ تم مجھ سے اپنی نصرت اور حمایت کی



امید رکھتے ہو در انحالیکہ تم نے میرے ابن عم کو قتل اور رسول اللہ کے ان اہل بیت کو ذبح کیا ہے کہ جو رشد و ہدایت کے چراغ اور تاریک راتوں میں روشن ستارے تھے۔ افسوس کہ اُن کو تمہاری فوجوں کی گھنگھور گھٹانے پوشیدہ کر دیا۔ کیوں اے یزید۔ کیا تم نے اپنے نمک خواروں کو اس لیے حرم الہی میں نہیں بھیجا تھا کہ حسینؑ کو اسی حرم مقدس میں قتل کر دیں اور کیا تم حسینؑ کو برابر ڈراتے دھمکاتے نہیں رہے یہاں تک کہ وہ سفرِ عراق اختیار کرنے پر مجبور ہو گئے۔ تم نے ہی یہ سب کچھ کیا اور اس لیے کیا کہ تمہارے دل میں مخالفت خدا اور رسول اور آل رسولؑ کی، جن کی شان میں خدا نے آیہٴ تطہیر نازل فرمائی، جاگزیں ہے۔ اس آیہٴ تطہیر کے مصداق آل رسولؑ ہی تھے نہ کہ تمہارے باپ دادا جو جفاکار، طاعنی و باغی اور دشمن خدا اور رسولؑ تھے۔ اب ان افعال و اعمال کے باوجود بھی کیا تم مجھ سے اپنی ہوا خواہی کی امید رکھ سکتے ہو؟ اے یزید، سب سے زیادہ عظیم جسارت تمہاری یہ تھی کہ تم نے رسولؑ کی نواسیوں کو سربرہنہ کیا اور قیدی بنا کر عراق سے شام تک تشہیر کرایا تاکہ لوگوں کے دلوں پر اپنے غلبے تسلط اور قہاری کا یہ سکہ بٹھاؤ کہ بظاہر کس طرح ذریت رسولؑ کو مغلوب و مقہور کرنے میں تم کامیاب ہوئے ہو اور پھر اس پر تم نازاں ہو کہ اس طرح تم نے آل رسولؑ سے اپنے ان فاسق و فاجر اور کافر بزرگوں کے خون کا بدلہ لیا ہے کہ جو جنگِ بدر میں قتل ہوئے تھے اور جس کا کیمہ تمہارے دل میں دہی ہوئی جنگاری کی طرح چھپا ہوا تھا۔

## وفات :-

یزید اور عبداللہ ابن زبیر کی مخالفت کے بعد حضرت عبداللہ ابن عباسؓ چلی کے دو پانوں کے بیچ میں آ گئے تھے، مجبوراً آپ کو حرمین شریفین سے ہجرت کرنا



پڑی اور طائف میں جا کر سکونت اختیار کرنا پڑی وہیں حضرت محمد ابن الحنفیہ بھی ابن زبیر کے تشدد سے جناب مختار کی فوجی امداد کی بدولت چھٹکارا پا کر تشریف لے گئے، وہیں ۶۸ھ میں جناب عبداللہ ابن عباس کی وفات ہوئی۔ حضرت محمد ابن الحنفیہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور کہا الیوم مات ربانی هذا لامة آج اس امت کا عالم ربانی دنیا سے اُٹھ گیا۔

jabir.abbas@yahoo.com

# جناب قیس بن سعد انصاری

جناب مولانا سید محمد باقر صاحب مدیر رسالہ اصلاح کجوا (بہار)  
قیس بن سعد بن عبادہ بہت ہی مشہور اور جلیل القدر صحابی رسول ہیں، انھیں  
کے والد سعد بن عبادہ رئیس خزرج تھے جن میں اور حضرت ابوبکر و عمر میں بروز  
شقیفہ خلافت کے لیے دھینگا مشتی ہوئی تھی۔

قیس معزز رئیس، زیرک و چالاک، سخی و جواد، فصیح اللسان مقرر اور زاہد و  
صاحب فضیلت افراد میں سے تھے اسی کے ساتھ ان کی ہستی ارکان دین میں  
سے ایک رکن اور مذہب کے ستونوں میں سے ایک ستون بھی تھی۔

## قیس کا فضل و شرف

قیس قبیلہ خزرج کے سردار تھے اور ان کے باپ دادا سینکڑوں برس پہلے سے  
سردار ہوتے چلے آ رہے تھے۔ زمانہ جاہلیت و اسلام دونوں میں عزت و توقیر  
کے حامل رہے۔

سُلیم بن قیس ہلالی مشہور تابعی اپنی کتاب میں لکھتے ہیں ”قیس بن سعد قبیلہ  
انصار کے سردار اور سردار کے بیٹے تھے“۔ کامل برو میں ہے ”قیس شجاع و جواد اور  
سید و سردار تھے (جلد ۱ ص ۳۰۹)

علامہ کشی اپنی ”رُجال“ صفحہ ۷۳ پر لکھتے ہیں ”قیس جاہلیت و اسلام دونوں



زمانوں میں سردار رہے۔ ان کے باپ دادا پر دادا ابھی سردار ہوتے آئے، شرف و بزرگی ہمیشہ ان میں رہی۔ قیس اور ان کے باپ جاہلیت و اسلام کے مشہور غریب پروروں میں سے تھے۔

”استیعاب“ جلد ۲ ص ۵۳۸ پر ہے ”قیس اپنی قوم کے رئیس تھے اور ان کا کوئی ہم سر نہ تھا، یہی حالت ان کے باپ دادا کی بھی تھی۔“  
 ”اسد الغابہ“ جلد ۴ ص ۲۱۵ میں بھی یہی عبارت ہے۔

ابن کثیر اپنی تاریخ جلد ۴ صفحہ ۹۹ میں لکھتے ہیں، قیس واجب الاطاعت سردار، کریم، ستودہ صفات اور بہادر تھے۔ ان کے والد سعد بن عبادہ ان بارہ نقیبوں میں سے تھے جنہوں نے پیغمبر خدا سے اپنی قوم کے اسلام کی ضمانت کی تھی۔

## قیس کی افسری

عہد پیغمبرؐ میں قیس بمنزلہ وزیر پولیس کے تھے (جامع ترمذی جلد ۲ ص ۲۱۷) اصحابہ جلد ۵ ص ۳۵۴ ”مصالح یعقوبی“ جلد ۲ ص ۵۱ ”استیعاب“ جلد ۲ ص ۵۳۸، ”اسد الغابہ“ جلد ۴ ص ۲۱۵ تہذیب التہذیب جلد ۶ ص ۳۹۴ تاریخ ابن عساکر جلد ۱ ص ۸۶۔

بعض غزوات پیغمبرؐ میں قبیلہ انصار کے علم کے بھی حامل رہے پیغمبرؐ نے انھیں صدقات کا عامل بھی مقرر کیا تھا (تاریخ ابن کثیر جلد ۸ ص ۹۹)

امیر المومنینؑ نے اپنے زمانے میں انھیں مصر کا گورنر مقرر کیا تھا اور وہاں بڑی پاکیزہ نفسی اور حکمت عملی سے انھوں نے حکومت کی۔ قیس امیر المومنینؑ کے فدائیوں اور خیر خواہوں میں سے تھے۔ امیر المومنینؑ نے ماہ صفر میں انھیں مصر کا گورنر مقرر کیا اور روانہ کرتے وقت بہت سی وصیتیں انھیں کیں اس کے ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ اپنے ساتھ ایک دستہ بھی فوج کا لے جاؤ مگر قیس کی محبت نے گوارا نہ کیا



کہ امیر المومنینؑ کے ہمراہیوں کی تعداد کم کریں اور جس فوج کی حضرت کو زیادہ ضرورت ہے اسے اپنے ساتھ لے جائیں صرف سات آدمیوں کے ساتھ کیم رنج الاول کو مصر پہنچے۔ منبر پر جا کر تقریر کی جس میں حمد و ثنائے الہی کے بعد کہا کہ بھائیو! ہم نے اس شخص کی بیعت کی ہے جسے بعد پیغمبر سب سے بہتر جانتے تھے۔ تم بھی اٹھو اور کتابِ خدا و سنتِ نبویؐ پر ان کی بیعت کرو۔ اگر ہم سے وعدہ خلافی ہو تو پھر یہ بیعت قائم نہ رہے گی۔ سب نے اٹھ کر بیعت کی اور مصر ان کے لیے ہموار ہو گیا۔ ہر ہر حصے پر انھوں نے اپنے حکام مقرر کر کے بھیج دیئے۔ سوا موضع ”خرتبا“ کے کہ وہاں حضرت عثمان کے ہوا خواہوں کی آبادی تھی اور وہ لوگ قتلِ عثمان پر برگشتہ خاطر تھے۔ وہاں بنی کنانہ کا ایک شخص یزید بن قیس نامی تھا اس نے قیس کو کہلا بھیجا کہ میں خود تو تمہارے پاس آؤں گا نہیں البتہ تم اپنے حامل کو یہاں بھیج دو یہ زمین تمہاری زمین ہے البتہ ہمیں ہمارے حال پر چھوڑ دو تاکہ ہم سوچ لیں اور دیکھیں واقعات کا انجام کیا ہوتا ہے۔ محمد ابنِ مسلمہ بن خالد ابنِ صامت انصاری شورش انگیزی پر مستعد ہوا اور اس نے حضرت عثمان کے قتل کا حال بتا کر لوگوں سے تحریک کی کہ انتقام کا مطالبہ کریں۔ قیس نے اس کے پاس کہلا بھیجا کہ تم میرے خلاف محاذ قائم کر رہے ہو خدا کی قسم تمہیں قتل کر کے مجھے شام و مصر دونوں کی حکومت بھی مل جائے تو مجھے پسندیدہ نہیں۔ تم اپنی جان ہلاکت میں نہ ڈالو۔ مسلمہ نے کہلا بھیجا کہ جب تک تم مصر کے گورنر ہو گے میں تم سے کوئی تعرض نہیں کروں گا۔ یہ قیس بڑے دور اندیش اور صاحبِ تدبیر تھے

(تاریخ طبری جلد ۵ ص ۲۲۷ ”تاریخ کامل“ جلد ۳ ص ۱۰۶ وغیرہ)

امیر المومنینؑ جب جنگِ جمل کے لیے بصرے کی طرف روانہ ہوئے تو قیس اس وقت مصر میں تھے۔ جب جنگِ جمل سے واپسی ہوئی تب بھی وہیں تھے یہ





۴ مہینے ۵ دن وہاں گورنر رہے۔ پہلی ربیع الاول کو مصر پہنچے تھے اور ۵ رجب کو واپس ہوئے جیسا کہ خط مقررہ میں ہے، ”استیعاب“ وغیرہ میں جو یہ مذکور ہے کہ قیس جنگِ جمل میں موجود تھے جو کہ جمادی الآخر میں پیش آئی تھی صحیح نہیں ہاں تاریخ سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ وہ جنگِ جمل کی ابتدائی کاروائیوں میں موجود تھے بعد میں امیر المومنینؑ نے انھیں آذربائیجان کا عامل مقرر کیا (تاریخ یعقوبی جلد ۲ ص ۱۷۰) عامل مقرر کرتے وقت انھیں خط میں لکھا۔

”اتابعد! مالی خراج حق و انصاف کے ساتھ وصول کرنا اور اپنی فوج کے ساتھ منصفانہ برتاؤ کرنا اور اپنے پاس کے لوگوں کو جو کچھ تمہیں آتا ہے تعلیم دینا۔ دوسری بات یہ ہے کہ عبد اللہ بن سمیل (حمس نے ہم سے درخواست کی ہے کہ اس کے متعلق تم سے بھلائی کی سفارش کروں۔ میرا خیال ہے کہ وہ بہت ہی متواضع اور منکسر المزاج شخص ہے تم اپنا دروازہ اس کے لیے کھول دو اور حق کی طرف مائل ہو۔ جو شخص حق کی موافقت کرے گا اس کا بال بیکا نہ ہوگا۔ خواہش نفسانی کی پیروی نہ کرنا کہ خدا کی راہ سے بھٹک جاؤ۔ جو لوگ خدا کی راہ سے گمراہ ہوں گے ان پر روزِ قیامت سخت عذاب ہوگا۔“

غیاث کا بیان ہے کہ جب امیر المومنینؑ معاویہ سے جنگ پر کمر بستہ ہوئے تو قیس کو خط لکھا۔

”اتابعد! عبد اللہ بن سمیل حمس کو اپنا نائب مقرر کر کے میرے پاس چلے آؤ۔ مسلمانوں کی جمعیت اکٹھا اور ان کی جماعت ہموار ہو چکی ہے جتنا جلد ہو سکے پہنچو۔ میری روانگی میں جو کچھ تاخیر ہوگی وہ تمہارے ہی لیے ہوگی۔ خداوندِ عالم ہمیں اور تمہیں تمام معاملات میں نیکی کی توفیق دے۔“

## قیس کی زیر کی ودانائی:

قیس بڑے زیرک ودانا اور عرب کے مشہور باتدبیر لوگوں میں سے تھے۔ چالاک و ہوشیاری میں بڑے بڑوں کے کان کترتے تھے۔ پانچ آدمی (عمرو عاص، معاویہ، مغیرہ بن شعبہ، قیس بن سعد، عبداللہ بن بدیل) عرب کے زبردست ڈپلومیٹ گئے جاتے ہیں اور یہ سب کے استاد تھے۔

”استیعاب“ وغیرہ میں ان کے متعلق مشہور ہے کہ یہ عرب کے مشہور سیاست داں، باتدبیر اور جنگی چال بازیوں کے ماہر لوگوں میں سے ایک تھے اسی کے ساتھ ان میں دلیری، بہادری اور سخاوت کی خوبیاں بھی تھیں۔ (استیعاب جلد ۲ ص ۵۳۸) علامہ حلی لکھتے ہیں کہ ”معاویہ اور ان کے درمیان جو داؤں پیچ ہوئے انھیں دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ عقل و خرد سے کتنا بیش از بیش حصہ انھوں نے پایا تھا۔“ علامہ ابن کثیر ”بدایہ“ جلد ۸ ص ۹۹ میں لکھتے ہیں کہ ”علی ابن ابی طالب نے انہیں مصر کا گورنر مقرر کیا تھا اور یہ اپنی ہوشیاری اور چالاکوں سے معاویہ اور عمرو عاص دونوں کی سیاست کا مقابلہ کرتے تھے۔“

امام حسنؑ (اپنے عہد خلافت میں) سپہ سالار لشکر عبید اللہ بن عباس کو جو بارہ ہزار بہادران عرب کے سپہ سالار تھے اور مصر کے قاریوں کو تاکید کیا کرتے تھے کہ قیس سے مشورہ لیتے رہیں اور اہم جنگی معاملات اور معاویہ کے مقابل فوجی تنظیم میں ان کی طرف رجوع کریں۔ معاویہ کو ان کا وجود بہت کھلتا تھا۔ جب مصر سے یہ مدینے چلے آئے تو مروان اور اسود بن ابی البختری نے انہیں بہت ڈرایا دھمکایا۔ قیس امیر المومنینؑ کے پاس کوئے چلے گئے۔ معاویہ نے مروان اور اسود کو گڑبڑ کر خط لکھا۔



”تم نے قیس، ان کی رائے اور تدبیروں سے علی کے بازو اور قوی کر دیئے خدا کی قسم اگر تم دونوں ایک لاکھ جنگی سوراؤں سے بھی علی کی مدد کرتے تو مجھے اتنا صدمہ نہ ہوتا جتنا اس سے صدمہ پہنچا کہ تم نے قیس کو مجبور کر کے علی کے پاس بھیج دیا۔“ (طبری جلد ۶ ص ۵۳)

قیس مکرو تدبیر میں اپنے کو سب سے اونچا اور ہر ایک سے بہتر سمجھتے تھے اور کہا کرتے کہ ”میں نے رسول اللہ سے یہ نہ سنا ہوتا کہ مکرو و فریب جہنم میں ہوں گے تو میں اس امت کا سب سے بڑا مکار ہوتا“

(اسد الغابہ جلد ۴ ص ۲۱۵ تاریخ ابن کثیر جلد ۸ ص ۱۰۶)

اور کہا کرتے کہ اگر اسلام نہ ہوتا تو میں ایک ایسا مکر کرتا جسے عرب والے برداشت نہ کر پاتے۔“

قیس کی اپنی دانائی و ہوشیاری میں مشہور ہونا اسی کے ساتھ دین داری، حفظ ناموس شریعت، مرضی الہی کی پابندی اور خوفِ خدا میں ان کی شہرت بتاتی ہے کہ عرب کے تمام شاطروں سے بہتر و افضل تھے اور وہ شاطر جو مشہور ہیں ان میں کوئی ان کے مقابل کا نہ تھا سوا عبداللہ بن بدیل کے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ دونوں ہی دین دار و متقی، ہوا و ہوس سے پاک اور فتنہ سامانی سے مبرا تھے۔

جب امیر المومنین کی بیعت ہوئی تو آپ کو معلوم ہوا کہ معاویہ بیعت سے گریزاں ہیں، ان کا کہنا ہے کہ اگر علی ہمیں شام اور ان مقامات کی حکومت پر باقی رکھیں جن پر عثمان نے مقرر کیا تھا تو میں بیعت کر لوں گا، اس پر مغیرہ امیر المومنین کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا امیر المومنین! معاویہ کو تو آپ جانتے ہی ہیں کہ آپ سے پہلے جو خلیفہ تھے انھوں نے اسے خلیفہ مقرر کیا لہذا آپ بھی اسے برقرار رکھیے تا وقتیکہ آپ کے معاملات استوار ہو جائیں پھر آپ کی مرضی ہوگی تو



بدل دیجئے گا۔ امیر المومنینؑ نے فرمایا تم اس کی ضمانت لیتے ہو کہ انھیں گورنر مقرر کرنے کے بعد جب تک انھیں معزول نہ کر لوں زندہ رہوں گا؟ مغیرہ نے کہا نہیں، آپ نے فرمایا تو میں انھیں رات بھر کے لیے بھی کسی ”مسلمان“ پر حاکم مقرر نہیں کر سکتا۔ میں ان کو اپنا دست و بازو ہر گز نہ بناؤں گا۔ تم اپنا کوئی آدمی وہاں بھیجو، انھیں میری بیعت کی دعوت دو اگر انھوں نے قبول کیا تو جیسے دوسرے مسلمان ہوں گے ویسے ہی وہ بھی اگر انھوں نے انکار کیا تو میں اس کا فیصلہ خدا کے حوالے کر دوں گا۔ مغیرہ یہ جواب سن کر کہتے ہوئے واپس ہوئے ”تو پھر خدا ہی کے حوالے کیجئے“۔ ”خدا ہی کے حوالے کیجئے“۔ اس پر قیس بن سعد نے کھڑے ہو کر کہا۔ امیر المومنینؑ! مغیرہ نے آپ کو ایسی بات کا مشورہ دیا جو خدا کو پسند نہیں، انھوں نے اپنا ایک پیر آگے بڑھایا اور ایک پیچھے رکھا اس مشورے سے ان کی غرض یہ تھی کہ اگر آپ معاویہ پر غالب ہوئے تو اپنی اس فصیحت کے سبب آپ کے مقرب بننے کی کوشش کریں گے اور اگر معاویہ کو کامیابی ہوئی تو اس مشورے کی وجہ سے اس کا تقرب حاصل کرنے کی کوشش کریں گے۔

امیر المومنینؑ نے انھیں کی بات کو قبول کیا اور مغیرہ وغیرہ سب کی رائیں رد کر دیں۔

## قیس کی جوانمردی:

تاریخ و سیر کے جن جن کتابوں میں قیس کے حالات لکھے گئے ہیں ان میں قیس کی بہادری و شجاعت اور جوانمردی کا تذکرہ اور مدح و ستائش ہے۔ وہ پیغمبر کے مشہور شمشیر زن اور امیر المومنینؑ کے بعد اپنے زمانے کے انتہائی بہادر تھے معاویہ کے لیے اگر کسی کی ذات بوجھ تھی تو انھیں کی ذات تھی۔ جتنا وہ ایک لاکھ سو ماؤں کے لشکر سے نہیں ڈرتے اتنا ایک اکیلے قیس سے خوف کھاتے۔ بروز صقین معاویہ کہا کرتے، اگر خدا نے نہیں روکا تو کل قیس ہمیں نیست و نابود ہی

کر کے دم لیں گے۔“ (ارشاد القلوب دہلی جلد ۶ ص ۲۰۱)

قیس کی بے نظیر شجاعت کے مظاہرے عہد پیغمبر میں بھی ہوئے اور عہد امیر المومنین میں بھی۔ عہد پیغمبر میں جنگ بدر و احد و حنین و خیبر و خندق وغیرہ سب ہی میں انھوں نے کارہائے نمایاں کئے۔ صاحب درجہ و رفیع لکھتے ہیں کہ یہ پیغمبر کے تمام غزوات میں شریک رہے۔ پیغمبر کے ساتھ انصار کے علم کے یہی علمبردار تھے۔ فتح مکہ کے دن پیغمبر نے ان کے باپ سعد سے علم لے کر انھیں کو دیا۔ خطیب بغدادی اپنی تاریخ جلد ۱ ص ۷۱ میں لکھتے ہیں کہ بعض غزوات میں حامل لوائے پیغمبر یہی قیس تھے۔ تاریخ طبری و ابن اثیر جلد ۳ ص ۱۰۶ میں ہے کہ رسول کے ساتھ انصار کے علم کے یہی علمبردار ہوتے تھے اور یہ صاحبان تدبیر و شجاعت و ہیبت میں سے تھے۔ ”استیعاب“ میں ہے کہ بروز فتح مکہ پیغمبر کے راہنہ کے یہی حامل تھے۔ پیغمبر نے علی کو بھیجا تھا کہ سعد سے علم لے کر ان کے بیٹے قیس کو دے دو علی نے ایسا ہی کیا۔

عہد امیر المومنین میں ان کی جنگی خدمات جنگ صفین سے ظاہر ہیں۔ معاویہ سے جنگ اور دشمنوں سے لڑنے کی حضرت کو برابر ترغیب دیا کرتے ان کا مقولہ تھا۔

امیر المومنین! روئے زمین پر آپ سے بڑھ کر ہمیں کوئی محبوب نہیں اس لیے کہ آپ ہمارے وہ ستارے ہیں جس سے ہم ہدایت پاتے ہیں اور وہ ٹھکانا ہیں جس کی ہم لوگ پناہ لیتے ہیں۔ اگر ہم آپ کو کھو بیٹھے تو ہمارے زمین و آسمان دونوں تاریک ہو جائیں گے۔ اگر معاویہ کو مکرو فریب کرنے کی اجازت دے دی جائے تو وہ مصر پر چڑھ دوڑے، یمن کو خراب کرے اور عراق کے متعلق بھی اس کو طمع لاحق ہو اس کے ساتھ یمن کے ایسے لوگ ہیں جنھیں قتل عثمان پر برکایا گیا ہے انھوں نے علم چھوڑ کر ظن و تخمین پر اکتفا کی ہے اور یقین کو چھوڑ کر شک کو کافی سمجھا



اور خیر سے قطع نظر کر کے ہوا وہوس کے ہو رہے۔ آپ اہل حجاز کو لے کر اس کی طرف چل کھڑے ہوں اور ایسے امر کا ارادہ کر لیں جس کی وجہ سے اس کا سانس لینا دشوار ہو جائے اور اس کا دم گھٹ کر رہ جائے۔“

امیر المومنینؑ نے فرمایا۔ ”بہت ٹھیک کہا تم نے۔“ (امالی شیخ الطائفہ ص ۸۵)

جب امیر المومنینؑ نے شام روانہ ہونے کا قصد کیا تو آپ نے اپنے ساتھ کے مہاجرین و انصار کو طلب فرما کر کہا۔

”آپ لوگ مبارک خیال، بہتر علم، صادق القول اور پسندیدہ افعال کے ہیں، ہم اپنے دشمن کی طرف چلنا چاہتے ہیں آپ لوگوں کی کیا رائے ہے؟“ قیس نے کھڑے ہو کر کہا:-

”امیر المومنینؑ ہمیں ساتھ لے کر دشمن کی طرف جلد چلیے اور تاخیر سے کام نہ لیجئے، خدا کی قسم ان شام کے دشمنوں سے جہاد کرنا ہمارے نزدیک ترک و روم کے کافروں سے جنگ کرنے سے زیادہ محبوب ہے کیونکہ یہ لوگ دین میں دغا فریب کر رہے ہیں اصحاب پیغمبر، مہاجرین و انصار اور نیکو کار تابعین کو ذلیل کر رہے ہیں۔ جب یہ لوگ کسی شخص سے ناراض ہوتے ہیں تو اسے قید کر دیتے یا زد و کوب کرتے ہیں۔ ہمارا مال حلال سمجھتے ہیں اور ہم ان کے خیال میں ان کے غلام ہیں۔“ (کتاب صفین ص ۵۰)

صعصعہ بن صوحان بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت نے جنگ صفین کے لیے علم آراستہ کئے تو آپ نے پیغمبر کا لواء باہر نکالا۔ پیغمبر کے انتقال کے بعد اب تک یہ دیکھا نہیں گیا تھا۔ اسے آراستہ کر کے آپ نے قیس بن سعد بن عبادہ کو بلایا اور ان کے حوالے کیا۔ تمام انصار اور بدر میں شرکت کا شرف رکھنے والے صحابہ سمٹ آئے۔ انھوں نے جب لوائے رسول کو دیکھا تو بے ساختہ رونے

لگے۔ قیس نے چند اشعار پڑھے جن کا مطلب یہ تھا کہ :-

”یہ وہ لواء ہے جس کا ہم پیغمبر کے ساتھ حلقہ کئے ہوتے اور جبرئیل ہمارے مددگار تھے۔ انصار جس کی پشت پناہ ہوں اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ نہ کسی دوسرے کی موجودگی کی اسے حاجت ہے۔ انصار وہ لوگ ہیں کہ جب وہ آمادہ پیکار ہوتے ہیں تو ان کے ہاتھ نیزوں کے ساتھ دراز ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ شہر فتح ہو جائیں۔“ (مناقب خوارزمی ص ۱۲۲، استیعاب جلد ۲ ص ۵۳۹، اسد الغابہ جلد ۳ ص ۲۱۶، تاریخ ابن عساکر جلد ۳ ص ۲۳۵)

جب معاویہ کی پریشانیاں بہت بڑھ گئیں تو انھوں نے عمرو بن عاص، بسیرین ارطاة، عبید اللہ بن عمر، عبدالرحمن بن خالد کو بلایا اور ان سے کہا۔

”علی ابن ابی طالب کے چند آدمیوں کی طرف سے مجھے بے حد قلق ہے قبیلہ ہمدان کے سردار سعید بن قیس، دوسرے مالک اشتر، تیسرے ہاشم مرقال، چوتھے عدی بن حاتم، پانچویں قیس بن سعد۔ اب تک یمنی قبیلے کے لوگ تمہاری سپر بنے رہے یہاں تک کہ اب مجھے شرم آنے لگی ہے کہ تم لوگ قریش کے سربر آوردہ افراد ہو۔ میں چاہتا ہوں کہ یہ یمنی لوگ سمجھ لیں کہ تم ان کے محتاج نہیں ہو۔ میں ان مذکورہ بالا ہر شخص کے مقابلے میں تم میں سے ایک شخص کو مقرر کرنا چاہتا ہوں اس کا فیصلہ تم مجھ پر چھوڑ دو۔“

لوگوں نے کہا۔ ”آپ کو اختیار ہے۔“ معاویہ نے کہا کہ میں سعید بن قیس اور اس کی قوم کا مقابلہ کروں گا اور تم اے عمرو بنی زہرہ کے ایک چشم ہاشم مرقال سے مقابلہ کرو اور تم اسے بسر قیس بن سعد سے اور تم اے عبید اللہ اشتر نخعی سے اور تم اے عبدالرحمن بن خالد قبیلے طے کے ایک چشم یعنی عدی بن حاتم سے۔“

اسی پروگرام کے تحت تیسرے دن بسر نے قیس بن سعد کا مقابلہ کیا، گھمسان



کارن پڑا، قیس یوں نکلے جیسے شتر زبیر نے نیزے سے ان پر حملہ کیا اور قیس نے تلوار سے اور اسے بھاگنے پر مجبور کر دیا۔ سب لوگ اپنی اپنی جگہ واپس آئے اور میدان اس دن قیس کے ہاتھ رہا۔ (کتاب صفین ص ۳۲۶)

نصر بن مزاحم نے اپنی کتاب صفین ص ۲۲۷ و ۲۲۸ پر روایت کی ہے کہ معاویہ نے نعمان بن بشیر بن سعد انصاری اور مسلمہ بن مخلد انصاری کو طلب کیا، معاویہ کے پاس قبیلہ انصار کے بس یہی دو آدمی تھے اور کوئی نہیں تمام انصار امیر المومنینؓ کے علم کے نیچے اور حضرت کے قدموں پر جاں نثار کرنے کی بازی لگائے ہوئے تھے۔ معاویہ نے نعمان اور مسلمہ سے کہا۔

”قبیلہ اوس و خزرج سے ہمیں بے حد صدمات پہنچ رہے ہیں۔ یہ لوگ اپنی تلواریں کا ندھوں پر رکھ کر مقابلہ کرنے کے لیے نکل پڑے ہیں یہاں تک کہ خدا کی قسم انھوں نے میرے ساتھ کے بڑے بڑے بہادروں کو بزدل بنا دیا ہے اب یہ حالت ہے کہ شام کے جس بہادر کا نام لے کر میں دریافت کرتا ہوں یہی جواب ملتا ہے کہ انصار نے اسے قتل کر ڈالا۔ خدا کی قسم اب میں پورے ساز و سامان سے ان کا مقابلہ کروں گا اور ان کے ہر بہادر کے مقابلے میں اپنا ایک بہادر کھڑا کروں گا جو ان کا گلا چھید دے اور جتنی ان کی تعداد ہے اتنی ہی تعداد میں قریش کے ایسے مردوں کو کھڑا کروں گا جن کی غذا نہ کھجور ہے نہ طفیل (ایک قسم کا شوربہ) یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم انصار ہیں، ٹھیک ہے کہ انھوں نے پیغمبر کو پناہ دی تھی اور ان کی نصرت و یاری کی تھی لیکن ان لوگوں نے باطل کی آمیزش کی وجہ سے اپنے حق کو فاسد کر دیا ہے۔“

نعمان بن بشیر یہ تقریر سن کر بگڑ گئے اور کہا۔

”معاویہ تم انصار کی ملامت اس وجہ سے نہ کرو کہ انھوں نے جنگ کی طرف



سبقت کی۔ وہ جاہلیت میں بھی ایسے ہی تھے (آج اگر وہ تم سے برسرِ پیکار ہیں تو کل تمہارے باپ دادا سے لڑ چکے ہیں) رہ گیا لڑائی کے لیے ان کا یہ چیلنج تو تم نے پیغمبر کے ساتھ انھیں دیکھا ہی ہے اور یہ جو تم نے کہا کہ ان کی تعداد کے مقابلے میں قریش کے اتنے ہی آدمی تم کھڑے کرو گے تو قریش والوں کو انصار کے ہاتھوں جتنی شکستیں اور صدمات اٹھانے پڑے ان سے بھی تم بخوبی واقف ہو اگر تم ویسا ہی چاہتے ہو تو کر کے دیکھ لو۔ رہ گیا تم اور طفیل تو تر بے شک ہماری غذا تھی مگر جب تم نے اسے چکھا تو تم بھی کھانے لگے اور طفیل یہودی کھایا کرتے تھے جب ہم نے کھایا تو ہم یہودیوں سے بڑھ گئے جیسا کہ قریش والے حنینہ کے نام سے بدنام ہیں (حنینہ ایک قسم کی غذا ہے جو گھی اور ستو سے بنائی جاتی ہے، قریش والے بہت کھاتے تھے جس کی وجہ سے ان کا نام پڑ گیا تھا ”قریش الحنینہ“ اس گفتگو کی خبر انصار کو بھی لگ گئی، قیس نے تمام انصار کو اکٹھا کیا اور تقریر کرتے ہوئے کہا۔

”معاویہ نے تم لوگوں کے متعلق جو کچھ کہا ہے تمہیں معلوم ہی ہوا ہوگا، تمہاری طرف سے تمہارے قبیلے والوں نے جواب بھی دے دیا ہے۔ اپنی جان کی قسم تم لوگوں نے اگر آج معاویہ کو غم و غصے میں مبتلا کیا ہے تو کل بھی کر چکے ہو۔ اگر اسلام میں تم نے ان کا خون بہایا ہے تو بحالتِ شرک بھی معاویہ کے نزدیک تمہارا کوئی گناہ اس سے بڑھ کر نہیں کہ تم نے اس دین کی مدد کی جس پر آج تم ہو۔ تم آج کوشش کر کے وہ مزا چکھاؤ کہ پچھلے معاملے گرد ہو جائیں اور کل اس بات کی کوشش کرو کہ وہ آج کے واقعات ہیچ سمجھنے لگیں۔ تم اس لوا کے ساتھ ہو جس کے



دائیں جبریل قتال کیا کرتے تھے اور بائیں میکائیل اور وہ لوگ (معاویہ اور ان کے ساتھی ابو جہل اور مشرکین کے ساتھ ہیں۔ معاویہ کا یہ طعنہ کہ ہم لوگ کھجور کھاتے ہیں تو کھجور ہم نے نہیں بویا تھا البتہ ہم لوگ ان لوگوں پر فتح یاب ہوئے تھے جنہوں نے اس کی کاشت کی تھی اور طفیل تو یہ ضرور ہماری غذا تھی اور ہم لوگ اس کے ساتھ مشہور بھی ہیں جیسے قریش حنینہ کے ساتھ مشہور ہیں۔“

اس کے بعد قیس نے چند اشعار پڑھے جن میں معاویہ کی مذمت کی تھی۔ جب معاویہ کو ان اشعار کی خبر ملی تو عمرو عاص سے رائے لی، کیا حرج ہے ہم لوگ بھی انصار کو گالیاں دیں۔ عمرو عاص نے کہا ہماری رائے یہ ہے کہ تم دھمکی تو ضرور دو مگر گالیاں نہ دو اور گالیاں دو گے بھی تو کیا؟ زیادہ سے زیادہ ان کے جسموں کی مذمت کرو گے مگر ان کے حسب پر کچھ حرف نہیں رکھ سکتے تھے معاویہ نے کہا کہ انصار کے خطیب قیس ضرور تقریر کر کے انصار کو ہمارے خلاف برا بیچتے کرتے ہیں۔ خدا کی قسم قیس کا تو ارادہ ہے کہ کل ہمیں ملیا میٹ ہی کر دیں تو تمہاری رائے کیا ہے۔ عمرو عاص نے کہا ”دل مضبوط رکھو اور صبر کرو“۔

پھر معاویہ نے قبیلہ انصار کے کچھ لوگ جن میں عقبہ بن عمرو ابو مسعود، براء بن عازب، عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ، خزیمہ بن ثابت، زید بن ارقم، عمرو، حجاج بن غزیہ بھی تھے کے پاس پیغام بھیجا اور اپنی ناراضی ظاہر کی۔ معاویہ نے ان لوگوں سے فرمائش کی تم لوگ قیس سے ملو۔ چنانچہ یہ سب لوگ قیس کے پاس آئے اور کہا کہ معاویہ ہم لوگوں کو گالیاں دینے سے پرہیز کر رہے ہیں تم بھی انہیں گالیاں نہ دو۔ قیس نے کہا میرے ایسا آدمی گالی نہیں بکتا البتہ میں ان سے لڑنے سے تو باز نہیں

رہ سکتا، مرتے دم تک ان سے لڑے جاؤں گا۔ دوسرے دن علی الصباح معاویہ کے لشکر نے حرکت کی۔ قیس سمجھے اس میں معاویہ بھی ہیں انھوں نے معاویہ کے خیال میں ایک آدمی پر حملہ کیا اور مار ڈالا، دیکھا تو معاویہ نہ تھے دوسرے آدمی پر اسی دھوکے میں حملہ کیا اور مار کے پلٹ آئے۔

معاویہ نے شام والوں کو تاکید کی کہ جب تمہارا قیس سے سامنا ہو تو خوب گالیاں دو۔ جب دونوں لشکروں کا سامنا ہوا تو معاویہ نے قیس کو بڑی سخت گالیاں دیں ساتھ ہی ساتھ انصار کو بھی، اس پر نعمان اور مسلمہ بن مخلد دونوں بگڑ گئے، ان دونوں نے ارادہ کر لیا کہ جا کر اپنے قبیلے والوں سے مل جائیں مگر معاویہ نے بہلا پھسلا کر راضی کر لیا۔

اس کے بعد معاویہ نے نعمان سے فرمائش کی کہ تم قیس کے پاس جاؤ انھیں سرزنش کرو اور مصالحت پر آمادہ کرو۔ نعمان گیا دونوں صفوں کے درمیان کھڑا ہو کر بولا۔

”اے قیس، کیا انصار نہیں جانتے کہ بروقتل عثمان، عثمان کی مدد سے گریز کر کے انھوں نے خطا کی تو جس طرح تم نے عثمان کی مدد نہ کی تھی علی کی بھی مدد نہ کرتے تو حساب برابر ہو جاتا۔ مگر مصیبت تو یہ ہے کہ تم نے حق کی مدد سے گریز کیا اور باطل کی مدد پر کمر بستہ ہوئے پھر یہ بھی تمہیں گوارا نہ ہوا کہ جیسے اور لوگ بے تعلق ہیں تم بھی بے تعلق رہتے یہاں تک کہ تم لڑائی میں گھس پڑے اور مقابلے کے لیے چیلنج کرتے ہو۔ علی پر جب کوئی دشواری پڑتی ہے تم لوگ اسے آسان کر دیتے ہو اور ان سے کامیابی کا وعدہ کرتے ہو۔ لڑائی نے ہمارا اور تمہارا جتنا نقصان کیا ہے وہ تم دیکھ ہی چکے اب جو بچے کچھ رہ گئے ہیں ان کے متعلق خدا سے ڈرو۔“

قیس یہ سن کر ہنسے اور کہا: ”نعمان مجھے تم سے اس جسارت بھری گفتگو کا وہم



وگمان بھی نہ تھا۔ جو شخص خود اپنے نفس کو دھوکہ دے وہ اپنے بھائی کو نصیحت نہیں کر سکتا، تم خدا کی قسم دھوکے باز، گمراہ اور گمراہ کن ہو اور تم نے عثمان کا جوڑ کر کیا تو ان کے متعلق خبریں تو تمہیں ملی ہوں گی، ایک بات مجھ سے بھی سن لو جس نے عثمان کو قتل کیا وہ بھی تم سے بہتر ہے اور جس نے عثمان کی مدد سے گریز کیا وہ بھی تم سے بہتر ہے۔ اصحابِ جمل سے ہم نے اس لیے لڑائی لڑی کہ انھوں نے بیعت کر کے بیعت توڑ دی تھی رہ گئی یہ معاویہ تو خدا کی قسم تمام عرب بھی اگر معاویہ کے ساتھ ہو جائیں تب بھی انصارِ آخر وقت تک ان سے لڑتے رہیں گے۔ تمہارا یہ کہنا کہ ہم دوسروں جیسے نہیں ہیں تو ہم اس لڑائی میں ویسے ہی تھے جیسے رسول اللہ کے ساتھ ہوا کرتے تھے جب کہ ہم اپنے چہروں سے نکوار روکتے اپنے سینوں سے نیزوں کو ٹالتے تھے یہاں تک حق غالب ہوا، خدا کا امر ظاہر ہو کر رہا اور مشرکین جلتے ہی رہے لیکن نعمان تم یہ دیکھو کہ معاویہ کے ساتھ سوائے آزاد کردہ لوگوں یا بدو عربوں کے اور بھی کون ہے یا قبیلہ یمانی کے وہ لوگ جو اپنے غرور میں ڈوبے ہوتے ہیں دیکھو تو مہاجرین وہاں کہاں؟ انصار کہاں؟ تابعین کے نیکو کار کہاں؟ پھر یہ بھی دیکھو کہ معاویہ کے ساتھ سوا تمہارے اور تمہارے ساتھی (مسلمہ بن مخلد) کے اور کون ہے اور تم دونوں نہ جنگ بدر میں شریک ہوئے نہ احد میں، نہ تمہیں اسلام میں سابقت کا شرف حاصل ہے نہ تمہارے متعلق کلامِ مجید کی کوئی آیت اتری۔ خدا کی قسم اگر آج تم نے ہماری مخالفت کی ہے تو تمہارے باپ بھی ہماری مخالفت کر چکے ہیں“ (کتاب صفین نصر بن حزام۔ شرح نبی البلاغ الامامت والسیاست جلد ۱ ص ۹۴)

امام حسنؑ کے مختصر عہدِ خلافت میں بھی قیس کی مردانگی اور جوانمردی کی یہی کیفیت رہی۔ امام حسنؑ نے تختِ خلافت پر متمکن ہونے کے بعد بارہ ہزار عرب کے بہادروں کا ایک لشکر مرتب کر کے عبید اللہ بن عباس کی زیر سرکردگی معاویہ کی



طرف روانہ کیا ساتھ میں قیس بن سعد اور سعید بن قیس ہمدانی بھی تھے۔ امام کی تاکید تھی کہ ہر مسئلے میں ان دونوں کے مشورے پر عمل کیا جائے اور اگر عبید اللہ قتل ہو جائیں تو قیس بن سعد سردار لشکر ہوں اور قیس کی شہادت کے بعد سعید بن قیس، معاویہ بھی لشکر کی آمد کی خبر سن کر مقابلے کے لیے نکل کھڑے ہوئے ایک جگہ دونوں لشکروں کا آمننا سامنا ہوا۔ جھڑپیں بھی ہوئیں، رات جب آئی تو معاویہ نے عبید اللہ بن عباس کے پاس کہلا بھیجا کہ امام حسنؑ نے مجھے صلح کا پیام بھیجا ہے، وہ یہ حکومت میرے حوالے کرنے والے ہیں اگر تم اس گھڑی خوشی سے میری اطاعت قبول کرو تو عزت بنی رہے گی ورنہ آخر کار تمہیں ذلت کے ساتھ میری اطاعت قبول کرنی پڑے گی اگر اس وقت تم میری بات مان لو تو تمہیں دس لاکھ درہم دوں گا ۵ لاکھ ابھی اور ۵ لاکھ اس وقت جب تم کوفہ پہنچ لو گے۔ عبید اللہ راتوں رات معاویہ کے لشکر میں جا پہنچے۔ معاویہ نے حسب وعدہ ۵ لاکھ درہم انھیں دے دیئے جب صبح ہوئی تو لوگ عبید اللہ کی راہ تک رہے تھے، ڈھونڈا گیا تو نندارد قیس نے لشکر کو جماعت سے نماز پڑھائی اور اس کے بعد ولولہ انگیز تقریر کی، سپاہیوں کی ہمت بڑھائی، ساتھ ہی عبید اللہ بن عباس کو برا بھلا کہا، سپاہیوں کو صبر کی تلقین اور دشمن سے مقابلہ کرنے کی ترغیب دی سب نے لبیک کہی اور کہا خدا کا نام لے کر ہمارے ساتھ دشمن پر حملہ کیجئے۔ قیس انھیں لے کر مستعد کارزار ہوئے ادھر سے بسر بن ارقاط نے چیخ کر کہا وائے ہو تم پر تمہارے سردار (عبید اللہ) تو ہمارے پاس ہیں اور تمہارے امام حسنؑ نے مصالحت کر لی ہے اب کس بات پر تم اپنی جانیں دیتے ہو۔ قیس نے اپنے لشکر والوں سے کہا اب دو ہی راستے تمہارے سامنے رہ گئے ہیں یا تو بغیر امام کے جنگ کرو یا گمراہی کی بیعت کر لو۔ فوج نے کہا نہیں بلکہ ہم بغیر امام کے لڑائی کو ترجیح دیتے ہیں، سب



اٹھ کھڑے ہوئے اور انھوں نے شام والوں کو پسا کر کے اپنی صف میں جانے پر مجبور کر دیا۔

”معاویہ نے قیس کو خط لکھا جس میں انھیں اپنے پاس آنے کی دعوت دی اور انھیں بہت کچھ داد و دہش کی امید دلائی۔ قیس نے جواب دیا خدا کی قسم ہم میں تم میں کبھی ملاقات نہیں ہو سکتی مگر یہ کہ ہمارے تمہارے درمیان نیزہ ہو۔“

(ابن ابی حدید جلد ۴ ص ۱۳)

”استیعاب“ بر حاشیہ ”اصابہ“ جلد ۳ ص ۲۲۸ میں عروہ سے منقول ہے کہ قیس امام حسنؑ کے مقدمۃ الجیش میں تھے اور ان کے ساتھ ۵ ہزار آدمی تھے جنہوں نے امیر المومنینؑ کی شہادت کے بعد اپنے سر منڈوا دیئے تھے اور مرنے مارنے پر بیعت کر لی تھی۔ جب امام حسنؑ سے معاویہ کی مصالحت ہو گئی تو قیس نے معاویہ کی بیعت کرنے سے انکار کیا اور اپنے اصحاب سے کہا تمہاری کیا خواہش ہے اگر تم کہو تو تمہارے ساتھ معاویہ سے لڑوں یہاں تک کہ ہم لوگ شہید ہو جائیں اور کہو تو تمہارے لیے امان لے لوں۔ ان لوگوں نے کہا امان لے لو۔ قیس نے ان کے لیے امان لے لی اور حقوق حاصل کئے اور اپنے کو بھی انھیں کا ایک فرد قرار دیا۔ اپنے لئے کوئی بھی خصوصی مراعات قبول نہ کیں اس کے بعد قیس اپنے اصحاب سمیت مدینے کو روانہ ہو گئے۔

**قیس بن سعد کا جو دوسخا:-**

گنجائش نہیں کہ ہم تفصیل سے قیس کے بذل و عطا پر روشنی ڈال سکیں صرف چند نمونے نذرِ ناظرین کرتے ہیں۔

قیس نے اپنا کوئی مال معاویہ کے ہاتھ ۹۰ ہزار درہم میں بیچا اس کے بعد

## اصحاب امیر المومنین

۶۷۵

مدینے میں منادی کرادی کہ جسے روپیہ قرض لینا ہو آ کر لے جائے۔ چالیس پچاس ہزار بطور قرض لوگوں کو دیئے اور باقی داد و دہش کے طور پر دے ڈالے، جن لوگوں کو قرض دیا تھا ان سے قرض کی ادائیگی کا اقرار نامہ بھی لکھوایا۔ اس کے کچھ دنوں کے بعد قیس بیمار پڑے تو بہت کم لوگ عیادت کو آئے، انھوں نے اپنی بیوی قریبہ ہشیرہ ابی بکر سے کہا قریبہ دیکھتی ہو عیادت کے لیے کتنے کم لوگ آئے، قریبہ نے کہا اس کی وجہ وہ مال ہے جو تم نے لوگوں کو بطور قرض دیا ہے۔

قیس نے جتنی تحریریں لوگوں سے لکھوائی تھیں وہ سب واپس کر دیں اور مال جو انھیں دیا تھا وہ انھیں ہبہ کر دیا۔ اس کے بعد اتنی کثرت سے لوگ ان کی عیادت کو آئے کہ مکان کا زمینہ منہدم ہو گیا اور دوسری روایت کی لفظ ہے کہ چوکھٹ ٹوٹ گئی۔ (تاریخ خطیب بغدادی جلد ۱ ص ۱۷۷ تاریخ ابن کثیر جلد ۸ ص ۹۹، تاریخ الابرار زمخشری استیعاب، ہدایہ نہایہ جلد ۸ ص ۱۰۰)

جابر بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگ ایک رسالے کے ساتھ دشمن کی طرف روانہ ہوئے اس میں قیس بھی تھے۔ قیس نے رسالے کی ضیافت میں ۹ اونٹ سواری کے ذبح کرائے، جب ہم لوگ رسول اللہ کے پاس واپس آئے تو یہ سارا واقعہ بیان کیا آپ نے فرمایا جو ہمیشہ اس گھر کی خصلت میں داخل رہا اور جب یہ قیس امام حسن کی صلح کے بعد اپنے اصحاب سمیت مدینے واپس گئے تو ہر دن ان کے لیے ایک ناقہ ذبح کرتے یہاں تک کہ سب ناقے ختم ہو گئے۔

(استیعاب جلد ۲ ص ۵۲۹، تہذیب التہذیب جلد ۸ ص ۲۹۴)

معاویہ نے مروان کو خط لکھا کہ کثیر بن صلت سے اس کا گھر خرید لو کثیر نے انکار کیا۔ معاویہ نے پھر مروان کو لکھا کہ جو مال کثیر کے ذتے واجب الادا ہے اس کے بدلے مکان لے لو اگر مال دے دے تو خیر ورنہ اس کا مکان بیچ ڈالو۔



مردان نے کثیر کے پاس معاویہ کا پیغام کہلا بھیجا، اس نے تین دن کی مہلت لی۔ ادھر ادھر سے جتنے روپے فراہم ہو سکے جمع کئے ۳۰ ہزار کی کمی رہ گئی، لوگوں نے قیس کا تذکرہ کیا اس نے آ کر قیس سے ۳۰ ہزار لئے اور پوری رقم لے جا کر مردان کو پیش کر دی۔ جب مردان نے دیکھا کہ اس نے روپیہ فراہم کر کے ادا کر دیئے تو اس نے مکان بھی لوٹا دیا اور روپے بھی کثیر نے ۳۰ ہزار درہم لاکر قیس کو واپس کرنا چاہے قیس نے واپس نہیں لیا۔

(استیعاب جلد ۲ ص ۱۵۳۹ ص ۵ جلد ۵ ص ۲۵۴)

ایک بوڑھی عورت نے قیس سے شکایت کی کہ میرے گھر میں چوہے بالکل نہیں رہے۔ قیس نے کہا کیا عمدہ سوال کیا تو نے میں تیرے گھر کو چوہوں سے بھر دوں گا۔ چنانچہ قیس نے اشیائے خورد و نوش سے اس کے گھر کو بھر دیا۔ علامہ ابن عبد البر لکھتے ہیں کہ یہ قصہ مشہور ہے اور صحیح ہے۔

قیس کے والد سعد جب مدینے سے رخصت ہونے لگے تو انھوں نے اپنا مال و متاع اپنے لڑکوں میں تقسیم کر دیا مگر ان کی بیوی کو حمل تھا جس کا علم سعد کو نہ ہو سکا۔ سعد کے مرنے کے بعد وہ بچہ پیدا ہوا۔ ابو بکر و عمر نے قیس سے کہا کہ سعد کے مال میں اس بچے کا بھی حصہ ہے لہذا تم لوگ اپنے اپنے حصے میں سے کم کر کے اس بچے کو حصہ دے دو۔ قیس نے کہا میں اپنے حصے کا سارا مال اس بچے کو دیتا ہوں مگر میرے باپ جو تقسیم کر گئے ہیں اس میں

پنہیر نے مشرکین سے لڑنے کے لیے ایک رسالہ روانہ کیا اس میں قیس بھی تھے اور حضرت عمر و ابو بکر بھی۔ قیس قرضہ لے لے کر رسالے کے مسلمانوں کی ضیافت کرتے، ابو بکر و عمر نے کہا اگر اس جوان قیس کو یونہی چھوڑ دیا گیا تو یہ اپنے باپ کو کنگال کر دے گا۔ ان حضرات نے لوگوں کو منع کر دیا کہ کوئی انھیں قرض نہ





دے جب سعد کو خبر ملی تو انھوں نے پیغمبر سے شکایت کی کہ ابو بکر و عمر میرے لڑکے کو بحالت سکھاتے ہیں۔ (اسد الغابہ جلد ۴ ص ۱۵)

## قیس کی خطابت:

قیس بہت بڑے فصیح اللسان اور جادو بیان مقرر تھے ان کی اس خوبی کا اندازہ معاویہ کے اس فقرے سے بآسانی ہو سکتا ہے۔ ”انصار کے خطیب قیس ابن سعد ہر دن تقریر کرنے لئے کھڑے ہوتے ہیں خدا کی قسم قیس کا ارادہ ہے کہ وہ ہمیں کل نیست و نابود کر کے رکھ دیں۔“

## قیس کی جلالت و عظمت:

قیس کی تحریر و تقریر، اُن کے کلمات و مقالات جو سیرۃ و تاریخ کی کتابوں میں مذکور ہیں وہ روشن ثبوت ہیں کہ قیس کتنے بامعرفت اور کتاب و سنت کے کتنے بڑے عالم تھے۔ پیغمبر کی خدمت میں دس برس رہے (ہدایہ و نہایہ جلد ۸ ص ۹۹) بلکہ مدت دراز تک رہے۔ ان کے باپ سعد بن عبادہ نے قیس کو پیغمبر کے حوالے کر دیا تھا کہ ہر وقت حضرت کی خدمت میں رہیں (اسد الغابہ جلد ۴ ص ۲۱۵) سفر و حضر ہر حال میں پیغمبر کے ساتھ رہا کئے، پیغمبر کی ہر وقت کی رفاقت اس پر فطری عقل و خرد و دور اندیشی اور اصابتِ رائے سونے پر سہاگے کا کام کر گئی۔ پیغمبر نے ان کی تعلیم و تربیت میں کمالِ شفقت سے کام لیا۔ مکارمِ اخلاق سکھائے اور ہر وہ باتیں تعلیم کیں جو انسان کو انسانِ کامل بناتی ہیں۔ پیغمبر کی خدمت میں ان کا ہر وقت رہنا نوکر چاکر کی حیثیت سے نہ تھا اس لیے کہ قبیلہ خزرج کے سردار تھے بلکہ جیسے شاگرد استاد کی خدمت میں ہر وقت رہتا ہے اور استاد کے کمالات کا اکتساب کرتا رہتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ پیغمبر کو جب بھی موقع ملتا قیس کو دین و



مذہب کے علوم تعلیم دیتے قیس بھی موقعے کے متلاشی رہتے اور پورے ذوق و شوق سے کسب کمالات کرتے اس کا پتہ علامہ ابن اثیر کی اس روایت سے ہوتا ہے کہ قیس بیان کرتے ہیں کہ ”پیغمبر خدا کا گزر میری طرف سے ہوا، میں نماز سے فارغ ہو چکا تھا“۔ پیغمبر نے فرمایا قیس تمہیں جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازے کا پتہ نہ دوں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ضرور، آپ نے فرمایا ”لا حول ولا قوۃ الا باللہ“ جنت کا ایک دروازہ ہے۔

پیغمبر کی وفات کے بعد امیر المومنینؑ سے پیغمبر کے ارشادات حاصل کئے اور آپ سے کتاب و سنت کا استفادہ کیا جیسا معاویہ سے ایک گفتگو میں اس کا تذکرہ بھی ہے۔ معاویہ اور قیس میں بحث ہوئی، قیس نے وہ تمام آیتیں پیش کیں جو امیر المومنینؑ کی شان میں نازل ہوئی ہیں، وہ تمام حدیثیں بیان کیں جو پیغمبر علیؑ کے متعلق ارشاد فرما چکے تھے۔ معاویہ نے جل کر کہا کہ سعد کے فرزند یہ سب کس سے تمہیں معلوم ہوا، کس سے تم نے سنا؟ تمہارے باپ نے یہ سب تمہیں بتایا تھا۔ قیس نے کہا یہ سب میں نے اس سے معلوم کیا جو میرے باپ سے بہتر تھا اور اس کا حق میرے باپ کے حق سے بڑا تھا۔ معاویہ نے پوچھا وہ کون؟ کہا علی ابن ابی طالب جو اس امت کے عالم اور صدیق ہیں۔

قیس کے کمال علم کے منجملہ دیگر شواہد کے یہ بھی ہے کہ وہ بچے مسلمان، سچے مومن تھے، انھیں پیغمبر خدا کے حقیقی جانشینوں کی معرفت حاصل کی تھی، وہ ان کی محبت میں غرق اور ان کے قدموں پر اپنی جان چھڑکتے تھے، دنیا والے لاکھ طعن و تشنیع کرتے مگر انھیں اس کی پروا نہ ہوتی۔ مصر کی حکومت سے جب انھیں امیر المومنینؑ نے واپس بلا لیا تو حسان بن ثابت نے جو عثمانی تھے قیس پر فقرے کہے اور کہا علی نے تم سے مصر کی حکومت چھین لی، تم عثمان کے قاتل بھی ہو، علی نے



تمہیں کوئی بدلہ بھی نہ دیا اور قتل عثمان کا گناہ بھی تمہارے سر رہا۔ قیس نے کہا اے آنکھ اور دل کے اندھے اگر یہ ڈرنہ ہوتا کہ میرے اور تمہارے قبیلے میں جنگ چھڑ جائے گی تو میں تمہاری گردن اڑا دیتا۔ پھر قیس نے دھکے دے کر پاس سے نکال دیا۔

اگر قیس دیسے ہی خزینہ دارِ علوم و معارف، سرچشمہ معارف دین اور مرکزِ فضل و شرف نہ ہوتے جیسا کہ سیاست و دور اندیشی میں طاق تھے تو امیر المومنین مصر کے دینی و دنیوی معاملات کا ناظم مقرر کر کے انہیں نہ بھیجتے اور یہ فقرہ انہیں نہ تحریر کرتے ”وَعَلِمَ مِنْ قَبْلِكَ هُمَا عَلِمَكَ اللَّهُ“ خدا نے جو تمہیں علم بخشا ہے وہ اپنے پاس کے لوگوں کو تعلیم کرو (تاریخ یعقوبی جلد ۲ ص ۱۷۸)

قیس کے حالاتِ زندگی کا مطالعہ کرنے والا یہ اعتراف کرنے پر مجبور ہے کہ قیس ابن سعد دین کے ستون میں سے ایک ستون، ہدایت کے ارکان میں سے ایک رکن، اکابر امت کی ایک نمایاں فرد اور حق کے بہت بڑے مبلغ تھے اور کتب سیر و تواریخ میں ان کے جتنے بھی مناقب و فضائل مذکور ہیں وہ کچھ ان سے بھی فزوں تر تھے۔

اگر قیس کے ایسا آدمی سعد کی نسل میں نہ ہوتا تو پیغمبر ہاتھ اٹھا کر یہ دعا نہ کرتے، اللّٰهُمَّ اجْعَلْ صَلَوَاتِكَ وَرَحْمَتِكَ عَلَى آلِ سَعْدِ بْنِ عِبَادَةَ۔ خداوند اتو اپنی رحمت و برکت نازل کر سعد بن عبادہ کی اولاد پر غزوہ ذی فود میں نہ فرماتے۔

”اللّٰهُمَّ ارْحَمْ سَعْدًا وَآلَ سَعْدٍ نَعْمَ الْبُوءَ سَعْدِ بْنِ عِبَادَةَ“ خداوند اتو سعد اور ان کی آل پر رحمت نازل کر کیا ہی اچھا آدمی ہے۔ سعد بن عبادہ سعید کے یہاں غذا نوش فرمانے کے بعد پیغمبر فرماتے تمہارے یہاں نیکو کاروں نے غذا نوش کی تمہارے لیے ملائکہ نے دعائے رحمت کی اور روزہ



داروں نے تمہارے یہاں افطار کیا۔ سعد سے پیغمبر فرماتے ”اے ابو ثابت (کنیت سعد) خوشخبری ہو تمہیں بلاشبہ تم کامیاب ہوئے۔ اولاد خدا کے ہاتھ میں ہے خدا جسے چاہتا ہے خلف صالح دیتا ہے تمہیں بھی اس نے خلف صالح عنایت کیا ہے۔“ یہ تمام حدیثیں مقریزی کی کتاب الامتاع ص ۲۶۳ و ۵۱۵، تاریخ ابن عساکر جلد ۶ ص ۸۲ و ۸۸، سیرۃ حلبیہ جلد ۳ ص ۸ پر موجود ہیں۔

### قیس بن سعد اور معاویہ جنگِ صفین سے پہلے:

سوانح عمری حضرت امیر المومنین کی چھٹی جلد حضرت امیر المومنین حصہ ثالثہ میں تفصیل سے یہ باب مذکور ہے ہم یہاں اس کا خلاصہ نقل کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

صفین کی لڑائی جب سر پر آگئی تو معاویہ ڈرے..... کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ علیؑ اپنے لشکر جرار کو لے کر عراق سے آدھمکیں اور ادھر مصر سے قیس بن سعد حملہ کر دیں اور ہم دونوں فوجوں کے درمیان پس کے رہ جائیں۔ قیس کی حکمتِ عملی ایسی تھی کہ معاویہ کافی عرصے تک پتہ نہ چلا سکے کہ قیس ہمارے موافق ہیں یہ مخالف۔ انھوں نے ایسی تدبیریں کرنے میں دیر نہ کی جن کی وجہ سے قیس کھل کر سامنے آجائیں۔ انھوں نے قیس کو ایک خط لکھا۔

”اگر تم لوگ جانب داری اور اعزہ پروری یا ضرب و تادیب یا کسی شخص کو برا بھلا کہنے یا کسی کو جلا وطن کرنے کی وجہ سے عثمان سے ناراض ہوئے یا نوجوانوں کو حکومت دینا جرم قرار دیا تو یہ سب سہی مگر تم یہ اچھی طرح جانتے ہو کہ ان امور کے سبب ان کا خون تمہارے لیے مباح نہیں تھا۔ تم نے سنگین جرم کا ارتکاب کیا۔ امرِ مکروہ و ناپسندیدہ و حرام پر عمل کیا تو اے قیس! اللہ کے دربار میں توبہ کرو تم ان لوگوں میں سے ہو جو حضرت



عثمان پر بلوہ کر کے آئے تھے۔ یاد رکھو کہ یہ خون تمہارا پیچھا نہ چھوڑے گا اور تمہاری قومی شرافت و عزت کا کچھ پاس و لحاظ نہ کرے گا اگر تم کو اپنی جان کی فکر اور اس کی حفاظت مطلوب ہے تو حضرت عثمان کے قصاص طلب کرنے والوں میں مل جاؤ۔ اس امر میں ہمارے تابع ہو کر معین و مددگار ہو۔ بروقت فتح ہم تم کو مصر و عراق دونوں کی حکومت دیں گے اور اپنی زندگی تک تمہاری قوم میں سے جس کو تم چاہو گے حجاز کی حکومت دیں گے اور جو تمہاری خواہش ہوگی جلد پوری کریں گے، اپنی رائے سے جلد اطلاع دو۔

قیس کے پاس جب یہ خط پہنچا وہ خط پڑھ کر یہ سوچنے لگا کہ ابھی معاویہ کو باتوں میں نالنا چاہیے اپنے ذاتی خیالات کا اظہار مناسب نہیں۔ فی الحال ان سے ظاہر داری کرنا اور جنگ سے بچنا مناسب ہے انھوں نے کہا۔

”بعد حمد و نعت کے جو تم نے لکھا مجھے معلوم ہوا میں خوب سمجھا۔ حضرت عثمان کے قتل کے بارے میں جو لکھتے ہو یہ محض تمہارا خیال ہے مجھ کو اس واقعے سے دراصل کوئی تعلق نہ تھا نہ میں اس میں کسی طرح شریک تھا بلکہ اس کام کے پاس تک نہ گیا نہ مجھ کو حضرت علی کی شرکت اس ہنگامے میں نظر آئی۔ میں جہاں تک غور کرتا ہوں وہ بھی بالکل اس سے بے تعلق ہیں۔ رہی تمہاری اطاعت یہ معمولی بات نہیں کہ میں اس کا جواب فوری دے دوں۔ اس معاملے میں ابھی غور و تأمل کر رہا ہوں یہ عجلت کا کام نہیں ہے حالانکہ میں ہر طرح تمہارے لیے کافی ہوں



تاہم میری طرف سے کوئی ایسا امر نہ ہوگا جو تم کو ناگوار و شاق گزرے اس کو سمجھ بوجھ کر انشاء اللہ جواب دوں گا۔

معادیہ نے یہ خط پڑھ کر پھر دوسرا خط اس مضمون کا لکھا  
 ”میں نے تمہارا خط پڑھا اس میں کوئی بات صاف نظر نہیں آتی تم میری خواہش کے قریب نہیں آتے کہ میں تم کو صلح خواہ خیال کروں اور نہ تمہارے اس خط سے دوری اور اختلاف ظاہر ہوتا ہے کہ میں تم کو اپنا دشمن سمجھ لوں۔ تم کو صلح کے لیے بلاتا ہوں تم اس سے نہ بھاگو، میں تمہیں لڑائی سے بچاتا ہوں، میرا کہنا مانو اور جعل و فریب کی باتیں مجھ سے نہ کرو، مجھ سا شخص ہرگز تمہارے دامِ تذریر میں نہیں آسکتا اور نہ تم ایسوں کے فقرے میں آکر کسی حیلے میں گرفتار ہو سکتا ہے۔“

قیس نے یہ خط دیکھ کر سمجھ لیا کہ اب معادیہ حیلہ و حوالے سے نہیں مانیں گے اور نہ ٹالنے سے ٹلیں گے جو کچھ دل میں تھا اس کو صاف الفاظ میں تحریر کر دیا اور نہایت طعن آمیز خط معادیہ کو لکھا۔

”مجھ کو سخت تعجب ہے کہ تم مجھ کو کس قدر فریب دے رہے ہو مجھ سے اطاعت کی طمع رکھتے ہو، تم نے مجھے بالکل حقیر و کمزور سمجھ لیا ہے کہ تم مجھ کو مستحقِ امارت و خلافت (علیؑ) کی اطاعت سے نکالنا چاہتے ہو، وہ شخص بہت عالی مرتبہ ہے، سب لوگوں میں امارت کے لائق، سب میں حق بات کہنے والا، راہ حق کا ہادی، آنحضرتؐ سے باعتبار تعلقات سب سے قریب ہے۔ تم مجھ سے اپنی اطاعت کے لیے کہتے ہو تو تم اپنی حقیقت بھولے



ہوئے ہو۔ تم ایسے ہو جو اس امارت میں سب لوگوں سے دور،  
سب مکاروں سے زیادہ مکار، آنحضرتؐ سے باعتبار تعلق بہت  
بعید اور گمراہ کرنے والے کی اولاد ایک شریر شیطان ابلیس کی  
جماعت سے ہو۔ اگر میں تم کو مجبور اور اپنی لڑائی میں مصروف نہ  
کر دوں کہ تم کو اپنی جان کے لالے پڑ جائیں تو سمجھنا کہ تم  
بڑے خوش نصیب ہو۔

جب معاویہ کو قیس کی طرف سے بالکل مایوسی ہو گئی تو انھوں نے لکھا:-  
اتابعد! تم یہودی ہو اور یہودی کے بیٹے ہو اگر دونوں فریق  
میں تمہارا محبوب فریق کامیاب ہوا تو تمہیں معزول اور تبدیل  
کر دے گا اور اگر وہ فریق کامیاب ہوا جو انتہائی مبغوض تمہارا  
ہے تو وہ تمہیں مار ڈالے گا اور انتہائی اذیت پہنچائے گا۔  
تمہارے باپ نے اپنی کمان چڑھائی، غلط نشانہ تاکا، خطا ہی  
خطا کی اس وجہ سے اسے زمانے نے بے یار و مددگار چھوڑ دیا  
اور اس کی موت نے اسے آدبو چا اور وہ جلا وطنی کے عالم میں  
بمقام حوراں جان بحق ہوا۔  
اس کے جواب میں قیس نے لکھا۔

اتابعد! تم بت پرست ہو، بت پرست کے بیٹے ہو، سلام  
میں جبراً و قہراً داخل ہوئے اور خوشی خاطر باہر ہو گئے۔ تمہارا  
ایمان پرانا نہیں اور تمہارا انفاق نیا نہیں۔ میرے باپ نے اپنی  
ہی کمان چڑھائی اور صحیح نشانہ تاکا، ان پر یورش ان لوگوں نے کی  
جو ان کے منہوں تک بھی نہ پہنچتے تھے۔ ہم خدا کے اس دین کے



انصار ہیں جس سے تم باہر ہو گئے ہو اور اس دین کے دشمن ہیں  
جس میں تم داخل ہو گئے ہو۔

(البیان والتبيين جلد ۲ ص ۴۸، تاریخ یعقوبی جلد ۲ ص ۱۶۸، عیون  
الانبياء ابن قتیبہ جلد ۲ ص ۲۱۳، مروج الذهب جلد ۲ ص ۶۲، سیرۃ علویہ حافظ  
محمد علی حیدر کا کوردی جلد سوم)۔

علامہ جاحظ نے اپنی کتاب التاج کے ص ۱۰۹ پر قیس کے آخری خط کو ان  
لفظوں میں ذکر کیا ہے۔

”اے بُت پرست، بُت پرست کے بیٹے، تم مجھے خط لکھ کر  
اس امر کی دعوت دے رہے ہو کہ میں علی سے جدا ہو جاؤں اور  
تمہاری اطاعت میں داخل ہوں، تم مجھے اس سے ڈراتے ہو کہ  
علی کے اصحاب ان کا ساتھ چھوڑ رہے ہیں اور تمہارے پاس  
ٹوٹ ٹوٹ کر آ رہے ہیں۔

خدائے وحدہ لا شریک کی قسم اگر علی کے پاس سے سب  
لوگ چلے جائیں اور سوائے میرے کوئی باقی نہ رہے تو جب تک  
تم ان سے برسرِ پیکار رہو گے میں کبھی تم سے مصالحت نہ کروں  
گا اور ہرگز ہرگز تمہاری اطاعت میں نہ داخل ہوں گا جب تک تم  
ان کے دشمن رہو گے۔ خدا کے دلی اور دوست کو چھوڑ کر دشمن خدا  
کو اختیار نہیں کر سکتا نہ خدا کی جماعت چھوڑ کر شیطان کی  
جماعت میں داخل ہوں گا۔“

معاویہ قیس کا یہ خط پڑھ کر قیس کی طرف سے ناامید ہو گئے اور سمجھ لیا کہ قیس  
دام میں نہ آئیں گے تب دوسرا جال پھیلایا۔ اہل شام پر ظاہر کیا کہ قیس ہمارے  
مطیع ہو گئے انھوں نے اہل شام کے سامنے تقریر کی۔





”شام والو، قیس تمہارے ساتھ ہو گئے ہیں۔ ان کے لیے خدا سے دعا کرو اور انھیں برا بھلا نہ کہو ان سے لڑنے کی تیاری نہ کرو۔“  
اب وہ ہمارے طرف دار ہو گئے ہیں.....

(سیرۃ علویہ حافظ محمد علی حیدر کا کوردی)

پھر ایک فرضی خط قیس کی طرف سے اپنے نام تصنیف کیا:-  
”امیر معاویہ ابن ابی سفیان کے نام قیس بن سعد کی طرف سے اتنا بعد جب ہم نے اپنے نفس اور اپنے دین کے متعلق غور کیا تو ہمیں مناسب نہ معلوم ہوا کہ ہم ایسے لوگوں کی پشت پناہی کریں جنہوں نے امام (عثمان) کو قتل کر دیا حالانکہ وہ مسلمان تھے ان کا خون بہانا حرام تھا، نیکو کار تھے، پرہیزگار تھے، ہم اپنے گناہوں پر خدا سے استغفار کرتے ہیں اور دست بہ دعا ہیں کہ ہمارے دین کو سلامت رکھے۔ آپ کی اطاعت قبول کر رہے ہیں اور قاتلین عثمان سے جنگ کرنے پر تیار ہیں جو ہدایت کے امام اور مظلوم تھے۔ فوج، سپاہ اور مال و متاع کی جس قدر آپ کو ضرورت ہو لکھتے میں فوراً ہی آپ کے پاس روانہ کر دوں گا۔“

(تاریخ کامل جلد ۵ ص ۲۲۹، سیرۃ علویہ حافظ محمد علی حیدر کا کوردی وغیرہ)

کذب و افرا، جعل، فریب جس کی فطرت میں داخل ہو اس سے اس قسم کی چھپھوری حرکتیں بعید بھی نہیں۔ معاویہ ہی کے زمانے میں سے اُن خود ساختہ اور خانہ ساز حدیثوں کی شروعات ہوئیں جن میں بنی امیہ کے فضائل اور بنی ہاشم خانوادہ نبوت و رسالت کے نقائص بیان ہوتے تھے۔ سوانح عمری حضرت

امیر المومنینؑ شائع کردہ دفتر اصلاح کی جلد اول اعجاز الولی میں بہت تفصیل سے بیان کیا جا چکا ہے کہ معاویہ نے جھوٹی حدیثوں کے اختراع و اشاعت میں کتنا اہتمام کیا اور ان کی خوشنودی کے لیے پیغمبر پر الزام لگانے والے کتنی کثرت سے پیدا ہو گئے اور کس قدر بے حد و حساب ایسی حدیثوں کا انبار لگ گیا۔ تو جو شخص پیغمبر کے متعلق اس حد تک افترا و بہتان کر سکتا تھا علی ابن ابی طالب اور خاندان اہل بیت کی طرف ایسی باتیں منسوب کر سکتا تھا اس کا قیس کے متعلق ایسا خط تصنیف کر لینا کیا مشکل تھا۔

مصر کے مشہور فلسفی مورخ ڈاکٹر طحسین لکھتے ہیں:-

”معاویہ سمجھ گئے کہ قیس ہمارے جال میں پھنسنے کے نہیں، نہ تو زری و چا پلوسی کی پالیسی ان پر اثر انداز ہو سکتی ہے نہ سختی و درستی اور تخوف و تہدید لہذا انھوں نے مصر میں داؤں کرنے کے بجائے عراق میں ان پر داؤں کیا۔ قیس کی طرف سے اپنے نام ایک فرضی خط لکھا جس میں ظاہر کیا کہ قیس علی سے برگشتہ ہو چکے ہیں، عثمان کے قتل پر غضبناک اور ان کے انتقام کے درپے ہیں۔ اس خط کو انھوں نے اپنے جاسوسوں کے ذریعے کوفہ والوں میں مشتہر کیا۔ علی نے تو اس خط کی تصدیق نہ کی، انھوں نے اپنے اصحاب سے صرف اتنا کہا کہ میں تم لوگوں کی بہ نسبت قیس کو زیادہ جانتا ہوں اور سمجھتا ہوں، یہ معاویہ کی چالوں میں سے ایک چال ہے لیکن آپ کے ساتھیوں نے اس خط پر یقین کر لیا اور بگڑ کھڑے ہوئے اور حضرت سے شدید اصرار کیا کہ قیس کو آپ فوراً معزول کر دیجئے۔ علیؑ نے اس شدید اصرار کے

باوجود توقف سے کام لیا اور قیس کو خط لکھا کہ مصر کے جن لوگوں نے بیعت سے کنارہ کشی کی ہے ان سے بزور بیعت لو اور سوا بیعت کے کوئی چیز قبول نہ کرو۔ قیس کو اس خط سے بڑی حیرت ہوئی، انھوں نے حضرت کو لکھا کہ جلد بازی مناسب نہیں اور نہ ان لوگوں کو ابھی چھیڑنا ٹھیک ہے جو خاموشی اور صلح و سلامتی کے ساتھ بیٹھے ہوئے ہیں۔ آپ مصر کا انتظام میرے اوپر چھوڑ دیں اور مجھے اپنی مرضی کے مطابق یہاں کے کام کرنے دیں، آپ یہاں سے دور ہیں، صحیح حالات آپ کے پیش نظر نہیں اور میں انھیں لوگوں کے درمیان موجود ہوں۔ مجھے ڈر ہے کہ اگر ان لوگوں کو چھیڑا گیا تو بنی بنائی بات بگڑ جائے گی، یہ لوگ لڑنے بھڑنے پر تئل جائیں گے اور بہت سے مددگار بھی ان کے پیدا ہو جائیں گے یہ بھی ممکن ہے کہ یہ لوگ معاویہ سے مدد کے طالب ہوں اور وہ ان کی مدد کرے۔“

قیس کے اس جواب سے کوفے والوں کو یقین ہو گیا کہ قیس کے دل میں کھوٹ ہے اور وہ در پردہ امام کے مخالف ہیں۔ وہ لوگ پیچھے پڑ گئے کہ قیس کو فوراً معزول کر دیجئے۔ اتنا اصرار ان کا بڑھا کہ آخر حضرت نے مجبور ہو کر قیس کو مصر سے معزول کر دیا اور ان کی جگہ محمد ابن ابی بکر کو مصر کا حاکم مقرر کیا۔“

(الغٹہ الکبریٰ جلد دوم ص ۱۳۰)

مؤرخین کی عبارتوں سے پتہ چلتا ہے کہ اس موقع پر بعینہ وہی صورت پیدا ہوئی تھی جو جنگ صفین میں تحکیم کے متعلق پیش آئی۔ حضرت امیر المومنین جس



طرح تحکیم پر ہرگز آمادہ نہیں تھے اسی طرح قیس کو مصر کی حکومت سے ہٹانا بھی آپ کو منظور نہ تھا مگر جب ساتھ والے ہی اڑجائیں تو ایک اکیلے امیر المومنین کیا کر سکتے تھے۔ جنگِ صفین میں فتح یقینی ہو جانے کے بعد ہمارے ہوں کی ضد نے تحکیم پر مجبور کیا اسی طرح قیس کی معزولی میں ان کی ضد کے آگے حضرت کی ایک نہ چلی۔

### قیس اور معاویہ میں صلح:-

شرطۃ النخیس (شیعیانِ امیر المومنین کی وہ جماعت جس نے معاویہ کے استیصال کے لیے اپنی جان کی بازی لگائی تھی) نے قیس بن سعد کو اپنا امیر مقرر کیا تھا اور قیس صاحبِ شرطۃ النخیس کے نام سے مشہور تھے۔ امیر المومنین کی شہادت اور امام حسن کی صلح کے بعد بھی یہ جماعت معاویہ کے لئے کافی درِ دسری کا باعث تھی آخر کار معاویہ نے ایک سادہ کاغذ پر اپنی مہر کر کے قیس کے پاس بھیجا اور خط میں لکھا کہ جو شرائط مصالحت کے تم چاہو لکھ لو ہمیں منظور ہے۔ عمرو عاص نے مخالفت کی کہ قیس کو اتنی آزادی نہ دو بلکہ ان سے جنگ کرو۔ معاویہ نے کہا قیس اور ان کی جماعت سے جنگ کرنا اتنا آسان نہیں ہم ان کا صفایا اس وقت تک نہیں کر پائیں گے جب تک اتنے ہی شام کے لوگ بھی صاف نہ ہو جائیں اور اس کے بعد پھر جینے کا مزہ ہی کیا، میں قیس سے بس اسی وقت جنگ کروں گا جب کہ جنگ کے سوا کوئی چارہ کار باقی نہ رہے۔ جب معاویہ کا وہ کاغذ قیس کے پاس پہنچا تو قیس نے اپنے اور شیعیانِ امیر المومنین کے لیے یہ شرط لکھی کہ ان کے ہاتھ سے جتنے بھی خون کئے ہیں یا جنگ میں انھوں نے جتنا مال لوٹا تھا اس کا کوئی مواخذہ ان سے نہ ہوگا۔ اس کاغذ پر قیس نے اپنے لئے کوئی خصوصی مراعات نہیں طلب کیں۔

معاویہ نے قیس کی شرط مان لی اور قیس اپنے ساتھیوں سمیت حلقہ اطاعت میں داخل ہو گئے۔ (طبری جلد ۶ ص ۹۴، کمال جلد ۳ ص ۱۶۳)

ابوالفرج کا بیان ہے کہ اس کے بعد معاویہ نے انھیں بلایا کہ آکر ہماری بیعت کرو، قیس نے کہا میں قسم کھا چکا ہوں کہ معاویہ سے جب بھی ملوں گا میرے اس کے درمیان یا نیزہ ہوگا یا تلوار۔ معاویہ نے نیزہ اور تلوار منگائی، دونوں چیزیں سامنے رکھیں گئیں تاکہ قیس کی قسم پوری ہو سکے، جب قیس آئے تو امام حسنؑ بھی تشریف فرما تھے۔ قیس نے امام حسنؑ سے عرض کیا کہ آپ اپنی بیعت بجل فرماتے ہیں، امام نے اثبات میں جواب دیا، قیس کے لیے ایک کرسی ڈال دی گئی، معاویہ اور امام حسنؑ تخت پر بیٹھے۔ معاویہ نے پوچھا ”قیس تم بیعت کرتے ہو“، قیس نے کہا ”ہاں“ اور ہاں کہہ کر انھوں نے اپنا ہاتھ اپنے زانو پر رکھ لیا اور معاویہ کی طرف نہیں بڑھایا۔ معاویہ تخت سے اترے قیس پر جھکے اور اپنا ہاتھ قیس کے ہاتھ سے مس کیا۔ قیس نے اپنا ہاتھ بھی نہ اٹھایا۔ (شرح نہج البلاغہ جلد ۴ ص ۱۱۷)

علامہ یعقوبی اپنی تاریخ جلد ۲ ص ۱۹۲ پر لکھتے ہیں کہ کوفہ میں جب معاویہ کی بیعت ہونے لگی تو کوئی کہتا ”میں تمہاری بیعت تو کر رہا ہوں مگر دل سے تمہیں ناپسند کرتا ہوں“۔ معاویہ کہتے ”بیعت کر لو، خداوندِ عالم نے ناپسندیدہ باتوں میں بہت سی بھلائیاں مضر کر رکھی ہیں“۔ کوئی آتا اور کہتا ”تم سے خدا کی پناہ“ یہاں تک کہ قیس بن سعد آئے معاویہ نے کہا ”قیس تم بھی بیعت کرو“، قیس نے کہا ”معاویہ میں ایسے ہی دن سے ڈرتا تھا“، معاویہ نے کہا ”جانے بھی دو، خدا تم پر رحم کرے“۔ قیس نے کہا ”میری انتہائی خواہش تو یہ تھی کہ ایسا دن آنے سے پہلے ہی تمہاری روح و تن میں جدائی ڈال دوں مگر خدا کو منظور نہ ہوا“۔ معاویہ نے کہا ”خدا کا حکم کون ٹال سکتا ہے“ اس کے بعد قیس نے مجمع کو مخاطب کر کے کہا۔



”لوگو! تم نے خیر کو چھوڑ کر اس کے عوض میں شر قبول کر لیا، عزت کے بدلے میں ذلت لے لی، ایمان کو چھوڑ کر کفر اختیار کر لیا۔ امیر المومنین سید المرسلین ابن عم رسول رب العالمین کی حکومت کے بعد اب طلحہ بن طلحہ کی حکومت میں تم آگئے جو تمہیں ذلیل و رسوا کرتا اور تشدد سے پیش آتا ہے۔ بھلا تمہارے نفوس اس بات کو کیوں کر بھول گئے یا خدا نے تمہارے دلوں پر پردے ڈال دیئے ہیں اور تم سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کھو بیٹھے ہو۔“

معاویہ نے قیس کا گھٹنا پکڑ لیا اور کہا، ”میں تمہیں قسم دیتا ہوں،“ پھر ان کے ہاتھ پر ہاتھ مارالوگوں نے کہا قیس نے بیعت کر لی، قیس نے کہا ”تم جھوٹے ہو، خدا کی قسم میں نے بیعت نہیں کی۔“

اس موقع پر معاویہ کی بیعت جس نے بھی کی معاویہ نے اس سے قسمیں بھی لیں اور معاویہ پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے اپنی بیعت پر لوگوں سے حلف لیا۔

حافظ عبدالرزاق بن عیینہ ناقل ہیں کہ قیس بن سعد معاویہ کے یہاں آئے، معاویہ نے کہا ”قیس تم بھی مجھ پر چڑھائی کرنے والوں میں سے تھے۔ خدا کی قسم دلی تمنا تو یہ تھی کہ یہ دن آنے سے پہلے ہی میرا قابو تم پر چل گیا ہوتا اور تمہارا قصہ ہی پاک کر چکا ہوتا۔“ قیس نے کہا ”خدا کی قسم مجھے خود بھی یہ بات انتہائی نا پسند تھی کہ یہ دن آئے اور میں یہاں کھڑے ہو کر تمہیں خلافت والا سلام کروں۔“ معاویہ نے کہا۔ ”یہ کیوں؟ کیا تم علماء یہود میں سے ہو؟“ قیس نے کہا، معاویہ اور تم خود کیا ہو، تم خود جاہلیت کے اصنام میں سے ایک صنم تھے اسلام میں بادل نا خواستہ داخل ہوئے اور خوشی خاطر نکل گئے،“ معاویہ نے کہا ”خدا معاف

کرے، اچھا ہاتھ بڑھاؤ۔ قیس نے کہا اگر چاہو تو کچھ اور مزید سناؤں؟  
(تاریخ ابن کثیر جلد ۸ ص ۹۹)

## قیس اور معاویہ صلح کے بعد:

مصالحات کے بعد قیس انصار کی ایک جماعت کے ساتھ معاویہ کے پاس آئے، معاویہ نے کہا، ”اے انصار تم کیوں ہم سے مال و زر کے خواہش مند ہو؟“ حالانکہ اس سے پہلے تمہارے گنتی کے لوگ میرے ساتھ تھے اور تمہاری بہت بڑی اکثریت علی کے ساتھ تھی۔ بروزِ صفین تم نے ہماری باڑھ کند کر کے رکھ دی تھی کہ تمہارے نیزوں کی انیوں میں مجھے موت شعلہ بد اماں نظر آنے لگی اور تم نے میرے آباؤ اجداد کی جتنی شدید بھوک وہ نیزوں کے وار سے بھی زیادہ کاری تھی یہاں تک کہ خداوندِ عالم نے اس معاملے کو استوار کر دیا جسے تم بگاڑنے پر ہی تلے ہوئے تھے تو اب تم لوگ کہتے ہو کہ رسول اللہ نے ہم لوگوں کے متعلق جو وصیت کی تھی اس کا پاس و لحاظ کیجئے۔“

قیس نے کہا، ”ہم تم سے اسی کے طالب ہیں جو خداوندِ عالم نے اسلام کے سبب ہمیں دیا ہے، تمہارے گھر سے کچھ نہیں مانگتے رہ گیا یہ کہ ہم تم سے عداوت رکھتے ہیں اس کا سبب بھی خود تم ہی ہو تم سے اگر ایسی حرکتیں نہ ہوتیں تو ہم بھی عداوت نہ رکھتے۔ تمہارے آباؤ اجداد کی بھوک، باطل کی بیخ کنی اور حق کی حمایت و اشاعت تھی، تمہارے معاملے کی استواری بادلِ ناخواستہ ہوئی، ہم اس پر ہرگز راضی نہ تھے ہم نے تمہاری باڑھ بروزِ صفین جو کند کر دی تو اس کی وجہ یہ تھی کہ ہم ایک ایسے شخص کی معیت میں تھے جس کی اطاعت کو ہم خدا کی عبادت سمجھتے تھے۔ رہ گئی رسول کی وصیت ہمارے متعلق تو جسے پیغمبر پر ایمان تھا اس نے بعد پیغمبر وصیت رسول کی رعایت بھی کی..... الخ

(عقودِ فید جلد ۲ ص ۱۲۱، مروج الذهب جلد ۲ ص ۶۳ المتاع والموانہ جلد ۳ ص ۱۷۰)



## قیس اور معاویہ مدینے میں :

تابعی کبیر سلیم بن قیس ہلالی اپنی کتاب میں لکھتے ہیں :-

”امام حسنؑ کی وفات کے بعد معاویہ نے حج کیا اسی سلسلے میں مدینے بھی آئے مدینے کے باشندوں نے ان کا استقبال کیا، معاویہ نے جب استقبال کرنے والوں پر نظر کی تو وہ سب قریش کے معمولی آدمی تھے، معاویہ نے قیس سے پوچھا ”انصار کو کیا ہوا وہ کیوں نہیں ہمارے استقبال کو آئے“۔ کسی نے جواب دیا ”انصار محتاج ہو رہے ہیں، اُن کے پاس سواریاں نہیں رہیں“، معاویہ نے پوچھا ”ان کے اونٹ کیا ہوئے“، قیس نے کہا ”انھیں تو انصار نے جنگ بدر و احد اور دیگر غزواتِ رسولؐ میں فنا کر دیا جب کہ وہ تم سے اور تمہارے باپ ابوسفیان سے اسلام کے لئے نبرد آزما تھے یہاں تک کہ خدا کا حکم غالب ہو کر رہا اور تم جلتے ہی رہ گئے“۔ معاویہ نے کہا ”خدا معاف کرے“۔

قیس :- رسول خداؐ نے فرمایا تھا کہ تم عنقریب میرے بعد جانب داری اور ترجیح بلا مرجح دیکھو گے۔

معاویہ :- تو ایسے وقت میں رسول اللہؐ نے تمہیں کیا حکم دیا تھا۔

قیس :- یہی کہ ہم صبر کریں۔

معاویہ :- تو پھر صبر ہی کرو۔

پھر قیس نے کہا :- معاویہ تم ہمیں ہمارے اونٹوں کا طعنہ دیتے ہو۔ خدا کی قسم ہم نے انھیں پر بیٹھ کر جنگ بدر کے دن تم سے ملاقات کی تھی، اس وقت تم خدا کے نور کو بجھانے اور شیطان کے کلمے کو سر بلند کرنے کے لیے کوشاں تھے پھر تم اور تمہارے باپ چار دنا چار اسلام میں داخل ہوئے جس کے لئے ہم نے تمہیں تلوار کا مزہ چکھایا تھا۔





معاویہ! تو گویا تم ہم پر احسان جتا رہے ہو کہ تمہارے ہی دم سے اسلام کو فروغ ہوا حالانکہ احسان جو کچھ ہے وہ خدا کا اور قریش کا ہے پیغمبر خدا ہمارے ابنِ عم تھے اور ہم سے تھے لہذا احسان ہوا بھی تو ہمارا ہی کہ خداوندِ عالم نے تمہیں ہمارے انصار اور پیرو بنایا اور ہمارے ذریعہ سے تمہاری ہدایت کی۔

قیس نے کہا۔ خداوندِ عالم نے حضرت محمد مصطفیٰ کو تمام خلایق پر نبی بنا کر مبعوث کیا، جن و انس، کالے اور گورے، سرخ و سپید سب پر انھیں اپنی رسالت کے لیے مخصوص کیا چنانچہ سب سے پہلے جو شخص ان پر ایمان لایا اور ان کی تصدیق کی وہ آنحضرتؐ کے ابنِ عم علی ابن ابی طالب تھے اور ابوطالب پیغمبر کی حفاظت کرتے، دشمنوں کو ان سے دفع کرتے اور پیغمبر اور قریش کی ایذا رسانیوں کے درمیان حائل ہو جاتے اور انھیں تاکید کرتے کہ رسالت کے فرائض انجام دیتے رہیں چنانچہ پیغمبر ہر ظلم و اذیت سے محفوظ رہے یہاں تک کہ ان کے چچا ابوطالب نے انتقال کیا اور وہ اپنے بیٹے کو تاکید کر گئے کہ پیغمبر کا بوجھ بنائیں۔ چنانچہ انھوں نے پیغمبر کی ہر ممکن نصرت و یاوری کی اور ہر سختی و تنگی و خوف میں اپنے کو سپر بنالیا پیغمبر کا۔ خداوندِ عالم نے تمام قریش میں خصوصیت کے ساتھ علیؑ ہی کو اس شرف سے ممتاز کیا اور تمام عرب و عجم میں انھیں کو فوقیت بخشی، رسول اللہؐ نے تمام فرزندانِ عبدالمطلب کو جمع کیا۔ اس میں ابوطالب بھی تھے، ابولہب بھی غرض کہ چالیس آدمی تھے رسول اللہؐ نے اور ان کے خدمت گزار علی ابن ابی طالب نے انھیں ابوطالب کے مکان میں مدعو کیا۔ رسالت مآبؐ نے فرمایا تم میں کون ہے ایسا جو میرا بھائی اور میرے بعد ہر مومن کا ولی ہو، سب لوگ خاموش رہے یہاں تک کہ پیغمبر نے دوبارہ اور سہ بارہ کہا۔ اس پر علیؑ نے کہا میں حاضر ہوں یا رسول اللہؐ، رسول اللہؐ نے علیؑ کا سراپے کیلجے سے لگالیا اور اپنا لعابِ دہن ان کے



منہ میں دیا۔ اور دعا کی خداوند اعلیٰ کے باطن کو علم و فہم اور حکمت سے لبریز کر دے پھر آنحضرتؐ نے ابوطالب سے کہا چچا جان اپنے فرزند کی بات سنئے اور اس کا کہا مایہ خداوند عالم نے اسے اپنے نبی کے لیے ویسا ہی قرار دیا ہے جیسا موسیٰ کے لیے ہاروں تھے اور آنحضرتؐ نے اپنے اور علی کے درمیان بھائی چارہ قائم کیا۔

اسی سلسلے میں قیس نے امیر المومنین کے جتنے مناقب تھے ایک ایک کر کے گنا دیئے پھر کہا انھیں علیؑ و رسولؐ کے گھرانے سے جعفرؓ ہیں جو جنت میں دو پروں سے محو پرواز ہیں، خداوند عالم نے انھیں خصوصی شرف عنایت کیا ہے۔ انھیں میں سے حمزہ سید الشہداء ہیں، فاطمہ سیدہ نساء اہل جنت ہیں تو اے معاویہ اگر قریش سے تم رسول اللہ اور ان اہل بیت اور عترت طاہرین کو نکال لو تو قسم بخدا ہم قریش والوں سے کہیں زیادہ بہتر اور خدا و رسولؐ اور اہل بیت رسولؐ کے کہیں زیادہ محبوب ہیں۔ جب رسول اللہ کا انتقال ہوا تو تمام انصار میرے باپ کے پاس جمع ہوئے اور کہا کہ ہم سعد کی بیعت کریں گے، یہ خبر سن کر قریش والے دوڑ پڑے اور علما اور اہل بیتؑ کے نام پر ہم سے جھگڑا کرنے لگے اور یہ کہنے لگے کہ وہ رسول اللہ کی قرابت کی وجہ سے زیادہ حق دار ہیں مگر آخر کار انھیں قریش نے انصار کا حق بھی غصب کر لیا اور آل محمدؐ کا بھی اور اپنی جان کی قسم علیؑ اور ان کی اولاد کے مقابلے میں خلافت کا کوئی حق نہ انصار کو ہے نہ قریش کو نہ عرب و عجم کے کسی شخص کو۔

اس تقریر سے معاویہ غضب ناک ہو گئے اور کہا ”فرزند سعد یہ سب باتیں تم نے کس سے سنیں؟ کس سے روایت کی کس سے معلوم کیا؟ کیا تمہارے باپ نے یہ سب باتیں تمہیں بتائی ہیں“۔ قیس نے کہا ”میں نے یہ سب باتیں اس شخص سے سنی ہیں جو میرے باپ سے بھی بہتر تھا اور جس کا حق مجھ پر میرے باپ سے بھی زیادہ ہے“۔ معاویہ نے پوچھا ”وہ کون؟“ کہا ”علی ابن ابی طالب جو اس



امت کے عالم اور صدیق ہیں جن کے متعلق خداوند عالم نے یہ آیت نازل کی اسی سلسلے میں قیس نے وہ تمام آیتیں تلاوت کیں جو امیر المومنینؑ کے متعلق نازل ہوئی ہیں۔

معاویہ نے کہا۔ ”اسلام کے صدیق ابو بکر ہیں، فاروق عمر ہیں اور ”الذی عندہ علم الکتاب“ سے مراد عبد اللہ بن سلام ہے،“ قیس نے کہا، ان سب چیزوں کا زیادہ حق دار و سزاوار وہ ہے جس کے متعلق خداوند عالم نے فرمایا ہے، اور وہ ہے جسے رسول اللہ نے بروز غدیر بالا لائے منبر ایستادہ کر کے فرمایا۔

”من کنت مولاً فهذا علی مولاً“ اور غزوہ تبوک میں کہا ”انت منی بمنزلة هارون من موسى“ قیس نے اس موقع پر جتنی آیتیں اور حدیثیں پیش کیں انھیں بڑے بڑے علماء و حفاظ حدیث نے اپنی تفاسیر و صحاح و سنن و مسانید میں بیان کیا ہے۔ سوانح عمری حضرت امیر المومنین جلد دوم، قرآن ناطق جلد سوم، ثقل اکبر میں ہم نے بھی ان آیات و احادیث کو جمع کرنے کی کوشش کی ہے۔

## قیس کا قد و قامت:

شکل و صورت اور قد و قامت کو بھی انسان کی وجاہت و وقار میں بڑا دخل ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص غیر معمولی ذیل و ڈول اور پُر ہیبت منظر کا ہوتا ہے تو عوام پہلی ہی نظر میں مرعوب ہو جاتے ہیں۔ بادشاہوں، رئیسوں اور معزز لوگوں کے لیے یہ بہت ہی ضروری چیز ہے۔

خداوند عالم نے قیس بن سعد کو جہاں باطنی خوبیوں سے سنوارا تھا وہاں ظاہری وجاہت و ہیبت سے بھی سرفراز کیا۔ جس طرح انھیں علم و عمل زہد و ورع، عقل و خرد، حزم و احتیاط، چالاکي و ہوشیاری، امارت و حکومت، ریاست و سیاست، شجاعت و مردانگی، جود و سخا و دستداری ایسے فضائل و کمالات سے پورا پورا حصہ مرحمت فرمایا وہاں ذیل و ڈول، قد و قامت سے بھی امتیازی درجہ بخشا۔ علامہ دیلمی اپنی ارشاد



جلد ۲ ص ۳۲۵ پر لکھتے ہیں قیس بن سعد ۱۸ بالشت لمبے اور ۵ بالشت چوڑے تھے اور امیر المومنین کے بعد اپنے زمانے میں سب سے زیادہ سخت و شدید تھے۔ ابو الفرج کا قول ہے کہ قیس اتنے لمبے قد کے تھے کہ اونچے سے اونچے گھوڑے پر بیٹھتے مگر پھر بھی ان کے پیر زمین پر کھنچتے ہوئے جاتے۔

علامہ کشی رجال کشی ص ۳۷ پر لکھتے ہیں کہ یہ قیس پیغمبر خدا کے ان دس اولین مخصوصین میں سے ہیں جن کا قد خود ان کے بالشت سے دس بالشت تھا، ابراہیم ثقفی کی کتاب الغارات میں مذکور ہے کہ قیس سب سے زیادہ دراز قامت اور چوڑے چپکے تھے، چند یا پر بال نہیں تھے، معزز و محترم، بہادر و آزمودہ کار، علی و اولاد علی کے انتہائی جان نثار، مرنے کے وقت تک قیصر روم نے روم کا ایک مشہور پہلوان جو انتہائی غیر معمولی ذیل ذول کا تھا معاویہ کے پاس بھیجا، معاویہ کی نظروں میں قیس کے علاوہ کوئی ایسا نہ تھا جو اس کے مقابلے پر لایا جاسکے ایک مرتبہ وہی رومی پہلوان معاویہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ قیس بھی آ گئے، معاویہ نے کہا گھر پہنچنے کے بعد ذرا تم اپنا پانچامہ بھیج دینا، قیس مطلب سمجھ گئے، انھوں نے اپنا پانچامہ اتار کر اس رومی پہلوان کی طرف پھینک دیا، رومی پہلوان نے وہیں اسے پہنا اور وہ پانچامہ اس کے سینے تک گیا، پہلوان نے شکست کی شرمندگی سے سر جھکا لیا، لوگ قیس پر فقرے کہنے لگے کہ انھوں نے معاویہ کے سامنے پانچامہ اتار دیا اس پر قیس نے چند اشعار پڑھے جن کا مطلب یہ ہے کہ ”میری اس حرکت کا مدعا یہ ہے کہ سب لوگ یقین کر لیں کہ یہ پانچامہ قیس ہی کا ہے، گھر جا کر پانچامہ بھجواتا تو لوگ یہ کہتے کہ یہ پانچامہ آجکل کے زمانہ کا تھوڑا ہی ہے یہ تو قوم عاد و ثمود کا پانچامہ ہے“۔ (نثار القلوب تعالیٰ ص ۳۸۰)

ابن کثیر نے بھی ہدایہ و نہایہ جلد ۸ ص ۱۰۲ پر اس واقعے کو ذرا سے تغیر کے

ساتھ ذکر کیا ہے اور اس کے بعد لکھا ہے۔

”ایک روایت میں ہے کہ بادشاہ روم نے اپنے لشکر کے دو آدمی معاویہ کے پاس بھیجے، بادشاہ کا دعویٰ تھا کہ ان میں سے ایک اس کی بادشاہت بھر میں سب سے زیادہ طاقتور ہے اور دوسرا سب سے زیادہ طویل القامہ۔ اس نے معاویہ کو کہلا بھیجا کہ اگر تمہارے لشکر میں کسی نے انھیں مات دے دی تو میں تمہیں اتنے اتنے تحائف دوں گا ورنہ تمہیں یہ سب کچھ دینا پڑے گا۔ جب سب معاویہ کے پاس اکٹھا ہو گئے تو محمد بن حنفیہ نے رومی پہلوان سے کہا، ”میں بیٹھتا ہوں میرا ہاتھ پکڑ کر تم مجھے اٹھا دو یا تم بیٹھو میں تمہارا ہاتھ پکڑ کر اٹھا دوں“، رومی پہلوان نے کہا، ”آپ بیٹھیے میں اٹھا دوں گا“۔ محمد بن حنفیہ بیٹھ گئے، رومی نے ان کا ہاتھ پکڑ کر پوری طاقت صرف کر دی مگر انھیں کھڑا نہ کر سکا بلکہ محمد ابن حنفیہ ہی نے اسے بٹھالیا۔ پھر محمد ابن حنفیہ کھڑے ہوئے، رومی بیٹھا اور محمد بن حنفیہ نے ہاتھ پکڑ کر کھڑا کر دیا رومی پہلوان شرمندہ ہو کر بیٹھ رہا۔ اس کے بعد قیس اٹھے ایک گوشے میں گئے اور اپنا پانجامہ اتار کر دوسرے رومی کی طرف پھینکا، اس نے پہنا تو اس کے گلے تک وہ پانجامہ آیا اور پھر بھی پانچنے زمین پر لٹک رہے تھے۔“

اس قسم کے تاریخی حقائق دیکھنے کے بعد اندازہ ہوتا ہے کہ مشکل وقتوں میں اہل بیت و پیروان اہل بیت ہی مرجع ہوا کئے، جس قسم کی بھی پریشانی لاحق ہوئی انھیں کے ذریعے دور ہوئی جیسے امیر المومنین صدر اول میں حلالی مشکلات تھے۔

## قیس کی وفات :-

۵۹ھ یا ۶۰ھ میں مدینے میں ہوئی آخر زمانہ خلافت معاویہ میں۔“

(اسد الغابہ، استیعاب وغیرہ) اقتباس و ترجمہ از الغدیر جلد اول

## حضرت قیس بن سعد انصاری

### قیس زنگی پوری

اے کہ تیرے نام سے لرزاں تھے مردانِ وغا السلام اے قیس اے شیرِ نیستان وغا  
گوہرِ بحرِ شرافتِ پاک طینتِ پاک باز نیزِ برجِ سعادتِ سرفروش و سرفراز  
عزت و اجلال کے دہیم کا درِ خوش آب سطوت و عجبِ جلالت کے فلک کا آفتاب  
بیشہ جرات کا وہ پھرا ہوا ضرغام تھا مرگِ دشمنِ عرصہٴ بیجا میں جس کا نام تھا  
عہدِ ختمِ المرسلین سے تابہ سلطانِ نجف ہر مہم میں تابعِ فرمانِ حق تھے سرِ بکف  
یومِ فتحِ مکہ جس دم جنگ تھی گھمسان کی دید کے قابل تھی اس دم شانِ اسِ ذیشان کی  
آستیں اُلٹے ہوئے کھینچے ہوئے تیغِ دو دم سر پہ لہراتا ہوا فوجِ الہی کا علم  
جمع کر کے غزوہٴ صفین میں انصار کو یوں مخاطب کر کے سمجھایا ہر اک جزا کو  
شکر ہے اس فوج میں رہ کر وغا کرتے ہیں ہم ہمسرِ طوبیٰ ہے فز و شان ہے جس کا علم  
کل اسی فوج و علم کی وہ نرالی شان تھی صدقے ہوتے تھے ستارے کھکشاں قربان تھی  
سمیٹنے پر اس کے سایہ تھا پر جبریل کا میسرے کو زور تھا بازوئے میکائیل کا  
یہ ابوسفیان کا بیٹا اور اس کے جاں نثار ان کا کل سردار تھا بوجہلِ حبیبِ نابکار  
یک زباں ہو کر کہا انصار نے حق پر ہیں آپ آپ کے ہم تابع فرماں ہیں اور افسر ہیں آپ  
سرِ تھیلی پر لیے حاضر ہیں جملہ جاں نثار حملہ ور ہوں شامیوں پر حکم کا ہے انتظار  
ناگہاں فوجِ مخالفِ رزمِ گہ میں آگئی شام کی کالی گھٹا دشت و غام میں چھا گئی

آپ نے گھوڑا اڑایا قلب لشکر میں دھنسنے لگے  
 جس کو دیکھا اس میں کچھ بھی تمکنت ہے شان ہے  
 یوں جھپٹ کر ہاتھ مارا شاہ نے تلوار کا  
 غیظ میں کشتوں سے میدان وفا بھرتے ہوئے  
 دی صدا اک بار گھبرا کر امیر شام نے  
 لاکھوں کے لشکر سے یہ منہ موڑنے والا نہیں  
 اس کا حملہ کیا ز کے نام آور ان دہر سے  
 من کے یہ آواز بولا غیظ میں وہ یکہ تاز  
 اللہ اللہ آپ اس درجہ جلیل القدر تھے  
 جس طرح ممتاز دربار رسالت میں رہے  
 فیض بزم سید لولاک سے پائے ہوئے  
 یوں ہی سرفراز سرکارِ امامت میں رہے  
 بیشہ شیر الہی کی ہوا کھائے ہوئے

لشکرِ اسلام کا وہ معتمد جاں باز تھا

جس کی جرأت پر امیر المومنین کو ناز تھا

## ابوذر غفاری

آپ کا نام جناب بن جنادہ اور کنیت ابوذر تھی، آپ کا تعلق قبیلہ غفار سے تھا۔ بعثت نبوی سے قبل مسافرانہ حیثیت سے آپ وارد مکہ معظمہ ہوئے تھے۔ آپ کو جناب امیرؓ نے کئی روز اپنے گھر مہمان رکھنے کے بعد آنحضرتؐ کی خدمت میں پیش فرمایا تھا۔ اس کے بعد یہ اپنے قبیلہ کو واپس چلے گئے اور ہجرت نبوی کے بعد ابوذر مدینہ منورہ پہنچ کر اصحاب صفہ کے ساتھ مسجد نبوی میں مقیم ہو کر غزوات میں آنحضرتؐ کے ساتھ شریک رہنے لگے۔ جنگ مصطلق پر تشریف لے جاتے وقت آنحضرتؐ نے ابوذر کو مدینے میں اپنا قائم مقام مقرر فرمایا تھا۔

ہر قل رومی کے مقابلے کے موقع پر جب آنحضرتؐ نے اپنے اصحاب کو طلب فرمایا تو ابوذر بھی اس لشکر میں شریک تھے لیکن اپنے اونٹ کی لاغری کی وجہ سے پیچھے چھوٹ گئے تھے۔ جب لوگوں نے آنحضرتؐ سے کہا کہ ابوذر پیچھے رہ گئے ہیں تو آپ نے ارشاد فرمایا ”ان کو چھوڑ دو اگر ان کے لیے بھلائی ہے تو وہ تم تک پہنچ جائیں گے اور اگر ان کا وجود تمہارے لئے نقصان رساں ہے تو خدا نے تم کو اسودہ کیا“ بالآخر ابوذر نے اپنے اونٹ کو جنگل میں چھوڑ کر پیدل چلنا شروع کیا یہاں تک کہ وہ ایک ایسے نیلے پر پہنچے جہاں بارش کا پانی ایک پتھر کے شکاف میں جمع تھا ابوذر نے اپنی مشک کو اس پانی سے بھر لیا۔ جب لشکر اسلام تبوک کے قریب پہنچا تو لوگوں نے دیکھا کہ ایک مسافر بیابان کے آخری





کنارے سے چلا آرہا ہے۔ لشکر اس کے انتظار میں وہیں رُک گیا، جب وہ شخص قریب آیا تو سب نے پہچان لیا کہ وہ ابوذر ہیں۔ آنحضرتؐ نے ابوذر کو گلے سے لگا لیا اور فرمایا کہ ”ابوذر کو پانی پلاؤ وہ پیاسے ہیں۔ ابوذر نے اپنی مشک آنحضرتؐ کے سامنے پیش کی تو آپؐ نے فرمایا ابوذر تم اپنے ساتھ پانی رکھتے ہوئے پیاسے رہے۔“ ابوذر نے عرض کیا ”میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں میں ایک پتھر کے قریب پہنچا تو اس کے شکاف میں برسات کا پانی جمع تھا تھوڑا سا پانی پینے کے بعد چونکہ وہ سرد اور لطیف تھا میں نے خیال کیا جب تک آپؐ نوش نہ فرمائیں نہ پیوں گا۔“ آنحضرتؐ نے فرمایا ”اے ابوذر خدا تم کو بخشے، تنہا زندگی کرو گے۔ تنہا مرو گے اور قیامت میں تنہا اٹھائے جاؤ گے۔“

۹ھ میں جنگ تبوک میں جزیے کی ادائیگی کی شرط پر مصالحت ہو گئی اور جنگ کے بغیر لشکر اسلام مدینے واپس ہوا۔ ۱۱ھ میں آنحضرتؐ کی رحلت کے بعد ابوذر خلافتِ اول و دوم میں خاموش رہے لیکن خلافتِ ثالث کے وقت ابوذر کو ناگوار ہوا کہ جناب امیر خلیفہ نہ ہوئے۔ انھوں نے مدینے کی سکونت ترک کر کے شام کا سفر بقول مسعودی اس لئے اختیار کیا کہ خلیفہ ثالث نے دیہات اور اراضی اپنے قرابت داروں کو بطور جاگیر عطا کر دی تھی اور خیبر کی اراضی کی مال گزاری جو خلافتِ اول و ثانی تک مسلمانوں کے تصرف میں تھی اسے اور افریقہ کے خراج کا خمس بھی خلیفہ ثالث نے مروان کو بخش دیا تھا اور شام کی مال گزاری معاویہ کو دے دی گئی تھی۔ ابوذر نے یہ مشاہدہ کر کے کہ بعض مسلمان مفلس اور بعض کافی دولت مند ہو گئے ہیں اس طرزِ عمل کی بالا اعلان مخالفت شروع کر دی کہ مسلمانوں کا ایک گروہ مفلس اور دوسرا دولت مند کیوں رہے چنانچہ وہ اس آیت کی بار بار جمع عام میں تلاوت کیا کرتے تھے۔



”جو لوگ سونا اور چاندی ذخیرہ کر کے راہِ خدا میں نہیں دیتے انھیں دردناک عذاب کی خبر دے دو جبکہ اس سونے چاندی کو تپا کر ان کی پیشانیوں پہلوؤں اور پیٹھوں کو داغ دیں گے یہی وہ چیز ہے جو تم نے ذخیرہ کی تھی اب اس کا مزہ چکھو۔“

ابوذر نے اس آیت کی تلاوت کی اس قدر تکرار کی کہ جن کے حقوق پامال ہوئے تھے وہ سب ان کے اطراف جمع ہونے لگے اور مال داران سے خائف رہنے لگے۔ اس صورتِ حال پر حبیب بن مسلمہ فہری نے معاویہ سے ایک دن کہا ”بہت بڑا فتنہ رونما ہو گیا ہے۔ ابوذر اہل شام کو تمہارے خلاف بھڑکار رہا ہے اگر تم شام کے حکومت کی خیر چاہتے ہو تو اس کی کچھ تدبیر کرو۔“ اس پر معاویہ نے ابوذر کو ارضِ روم اور جزیرہ قبرض کی جنگ پر بھجوا دیا جہاں سے وہ بہت جلد کامیاب ہو کر لوٹ آئے اور بدستور۔ سابق کہنا شروع کیا۔ ”میں دیکھ رہا ہوں کہ حق پامال اور باطل زندہ ہو رہا ہے، بچوں پر ملامت ہو رہی ہے بے پروا آگے بڑھ رہے ہیں اور پرہیزگار دھتکارے جارہے ہیں۔“ معاویہ نے ابوذر کو راضی رکھنے کے لیے ایک مرتبہ تین سو دینار ان کے پاس بھیجے۔ ابوذر نے لانے والے سے کہا ”اگر یہ میرا ذاتی حق ہے جس سے میں محروم کیا گیا تھا تو لیتا ہوں اور اگر یہ انعام ہے تو مجھے اس کی ضرورت نہیں۔“ یہ کہہ کر دنیا واپس کر دیئے۔

ایک مرتبہ معاویہ نے ابوذر کو بلوا بھیجا اور خواہش کی کہ وہ ان کے ساتھ کھانے میں شریک ہوں۔ ابوذر نے قبول نہ کیا اور یہ کہا کہ ”سرمایہ دار شکایت کرتے ہیں کہ میں فقرا کو ان کے خلاف بھڑکار رہا ہوں حالانکہ میں ان سرمایہ داروں سے کہتا ہوں کہ کیوں مال جمع کرتے ہو اور خدا کے لئے خرچ نہیں کرتے اس لئے کہ اللہ ان سے فرما رہا ہے کہ جو سونا چاندی جمع کرنے والے راہِ خدا میں نہیں دیتے انھیں دردناک عذاب کی بشارت دو، میں ان سے یہ کہہ رہا ہوں کہ جو تمہارے مصروف



سے بچ جائے وہی فقرا کو دے دو۔ فقرا کا یہ حق سرمایہ داروں کی گردن پر ہے اور خدا فرماتا ہے کہ تمہارے مال میں فقرا و مساکین کا حق ہے۔“

اس پر معاویہ نے ابوذر کو اپنے گھر سے نکلوا دیا اور حکم دیا کہ کوئی ان سے نہ ملے مگر اس کی تعمیل نہ ہوئی۔ ابن سعد نے طبقات میں لکھا ہے کہ جلام بن جندب جو قنسرین وغیرہ پر معاویہ کی جانب سے مامور تھے ایک دن کسی کام سے معاویہ کے پاس آئے تو دیکھا کہ ایک شخص معاویہ کے دروازے پر کھڑے ہو کر باوازی بلند کہہ رہا ہے ”آگ کے بوجھ تمہارے لئے آئے ہیں۔ جو شخص نبی عن المسکر نہ کرے خدا اس پر لعنت کرے اور جو امر بالمعروف نہ کرے خدا اس پر لعنت کرے۔“ یہ صدا سن کر معاویہ کے چہرے کا رنگ بدل گیا اور کہا ”اے جلام کیا تم اس شخص کو پہنچانتے ہو؟“ انھوں نے کہا نہیں۔ تو معاویہ نے کہا ”کون ہے جو مجھے جندب بن جنادہ سے نجات دلائے گا۔ ہر روز اسی وقت آکر جو کچھ تم نے سنا یہ شخص بلند آواز سے کہتا ہے اس کو میرے سامنے لاؤ۔“ چنانچہ ابوذر کو کشان کشاں معاویہ کے سامنے لایا گیا۔ معاویہ نے کہا۔ ”اے دشمن خدا ہر روز ہمارے وقت پر آکر یہی کام کرتا ہے اگر میں محمدؐ کے کسی صحابی کو عثمان کی بغیر اجازت قتل کرتا تو وہ تو ہوتا۔“ ابوذر جو خمیدہ پشت ہو گئے تھے انھوں نے معاویہ کی طرف مخاطب ہو کر کہا۔ ”میں خدا اور پیغمبر کا دشمن نہیں ہوں۔ تو اور تیرا باپ خدا اور پیغمبر کے دشمن تھے جو بظاہر مسلمان ہوئے اور باطن میں کافر ہے۔“

ابوذر کے اس امر بالمعروف اور نہی عن المسکر کی وجہ سے عوام کے دماغوں میں انقلاب کا مادہ فراہم ہو گیا چنانچہ ایک مرتبہ نماز جمعہ کے بعد معاویہ جامع اموی کے منبر پر خطبہ پڑھ رہے تھے کہ ”مال ہمارا مال اور فنی ہمارا فنی ہے ہم جس کو چاہتے ہیں دیتے ہیں اور جس کو چاہتے ہیں نہیں دیتے۔“ اس پر مصلیوں میں



سے ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا ”ایسا نہیں ہے۔ مال ہمارا مال ہے اور فنی ہمارا فنی ہے جو شخص ہم کو ہمارے حق سے محروم کرے اس کو ہم خدا کے پاس بھیج دیں گے جہاں ہمارا اور اس کا فیصلہ ہوگا۔“ معاویہ سمجھ گئے کہ یہ ابوذر کی تبلیغ کے اثرات ہیں۔ مسجد سے گھر آ کر انھوں نے خلیفہ ثالث کو لکھ بھیجا۔ ”ایک گروہ ابوذر کے چاروں طرف جمع ہو گیا ہے جو شب و روز اسی کے ساتھ رہتا ہے۔ ابوذر مجھے کام کرنے نہیں دیتے۔ مجھے اطمینان نہیں ہے کہ آپ بھی ان سے محفوظ رہ سکیں۔ اگر آپ کو اہل شام کی ضرورت ہے تو ابوذر کو بلوایجیے اس لیے کہ انھوں نے شامیوں کو آپ سے بدگمان کر کے ان کے دلوں میں آپ کی عداوت پیدا کر دی ہے۔ شامی سوائے ابوذر کے کسی سے مشورہ نہیں کیا کرتے اور سوائے ابوذر کے ان پر کوئی حکومت نہیں کر سکتا ہے۔“ خلیفہ ثالث کے پاس سے اس کا یہ جواب آیا ”یہ فتنہ بالکل آشکار ہو چکا ہے۔ صرف چھیڑنے کی دیر ہے۔ تم اس بند زخم کا منہ نہ کھولو۔ ابوذر کو ایک نہایت شریر اونٹ پر سوار کرا ایسے شخص کے ساتھ روانہ کرو جو ان پر بہت سختی کرے۔ لوگوں سے کچھ غرض نہ رکھو۔ تم جب تک خاموش ہو وہ بھی خاموش رہیں گے۔“

یہ جواب پا کر معاویہ نے ابوذر کو ایک ایسے اونٹ پر سوار کرا کے، جس کی پشت پر صرف لکڑی کا پالان تھا، پانچ سپاہیوں کے ساتھ روانہ کر دیا۔ روانگی کے وقت لوگوں نے چاہا کہ انھیں جانے نہ دیں مگر ابوذر نے انھیں مخاطب کر کے کہا ”لوگو میں تمہیں ایسی نصیحت کرتا ہوں جس پر عمل کرنے سے تمہارا فائدہ ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ قیامت، بہشت، دوزخ اور جو کچھ پروردگار کی جانب سے آیا ہے وہ سب برحق ہے۔ خدا اور رسول کی خوشنودی کا پیغام اس شخص کو مبارک ہو جو اس عقیدے پر مرمے بشرطیکہ وہ گنہگاروں کا طرف دار اور ظالموں کا مددگار نہ

## اصحاب امیر المومنین ۷۰۵

ہو۔ خدا کی ناراضی پر اپنے بزرگوں اور پیشواؤں کی رضامندی و خوشنودی کو ترجیح نہ دو، اگر ان سے کوئی برائی دیکھو تو دوری اختیار کرو چاہے اس وجہ سے تمہیں قید و بند میں مبتلا ہونا یا اپنا وطن چھوڑنا پڑے۔ خدا سب سے بلند و بالا اور لائق پیروی ہے۔ خدا کی خوشنودی کے لیے خدا کو ناخوش کرنا ہرگز سزاوار نہیں۔“ اس کے بعد ابوذر روانہ ہو گئے۔

گرما کی شدت اور پالان شتر کی لکڑی نے ابوذر کی دونوں رانوں کا گوشت چھیل دیا تھا، وہ شبانہ روز چل کر مدینے میں جب خلیفہ ثالث کے پاس پہنچے تو انھوں نے کہا کہ تم نے ایسا کیا اور ویسا کیا۔ ابوذر نے جواب دیا کہ ”میں نے تم کو اور تمہارے ساتھی (معاویہ) کو نصیحت کی ہے لیکن دونوں سمجھ رہے ہیں کہ میں دھوکا دے رہا ہوں۔“ خلیفہ نے کہا ”لیکن تم فتنہ برپا کرنا چاہتے ہو، تم نے اہل شام کو ہماری مخالفت پر آمادہ کیا ہے۔“ ابوذر نے کہا ”اپنے دور فقائے سابق کی پیروی کرو پھر تم پر کوئی نکتہ چینی نہ کرے گا۔“ خلیفہ نے کہا ”او بے ایمان کے بچے۔ تجھے ان باتوں سے کیا کام۔“ ابوذر نے کہا ”خدا کی قسم میں نے سوائے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے کوئی گناہ نہیں کیا ہے۔“ شامیوں کو مجھ سے شکایت نہیں ہے۔ ہاں ایک مختصر سا گروہ دولت اور غلہ ذخیرہ کر کے مستحقین اور حاجت مندوں کو اس سے محروم کر رہا ہے وہی میرا مخالف ہو گیا ہے۔“ خلیفہ نے کہا ”کیا وہ حرام کا مال کھانا چاہتے ہیں (با آواز بلند کہا) لوگو۔ کہو میں اس بڑھے کے ساتھ کیا کروں، اس کو قتل کروں، ماروں یا سلطنت اسلامیہ سے باہر کر دوں۔“ اس نے مسلمانوں کو پریشان کر رکھا ہے۔“ اس موقع پر جناب امیرؓ بھی موجود تھے، انھوں نے فرمایا ”میں تم سے وہی بات کہتا ہوں جو مومن آلِ فرعون نے کہی تھی۔ ابوذر کو چھوڑ دو۔ اگر وہ جھوٹ کہتے ہیں تو اس کا خمیازہ بھگتیں گے اگر سچ



کہہ رہے ہیں تو ان میں سے بعض کی ذمے داری تم پر عاید ہوتی ہے۔ خدا اسراف کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔ میں نے پیغمبرؐ سے سنا ہے کہ درختوں نے سایہ نہیں ڈالا اور زمین نے اپنی پشت پر ابوذرؓ سے زیادہ سچ بولنے والا نہیں اٹھایا،۔

اس کے بعد بھی خلیفہ نے غضبناک ہو کر سب کو تاکید کر دی کہ ابوذرؓ سے کوئی نہ ملے اور نہ فتویٰ پوچھے۔ اس پر بھی لوگ برابر ابوذرؓ کے پاس جمع ہوتے رہے۔ خلیفہ نے ابوذرؓ کے پاس کہلا بھیجا کہ ان آیات و احادیث کو بیان نہ کیا کرو جو فقراء کو مال داروں کے خلاف ابھارتی ہیں۔ ابوذرؓ نے جواب دیا کہ ”کیا عثمان مجھے قرآن پڑھنے سے منع کرتے ہیں اور جو احکام خداوندی پر عامل نہیں ہے اس کو ٹوکنے سے روکتے ہیں؟“۔

ایک دن خلیفہ نے ابوذرؓ کو بلا بھیجا جب وہ وہاں پہنچے تو کعب الاخبار بیٹھے تھے۔ خلیفہ نے اُن سے سوال کیا کہ اگر کوئی شخص اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کر دے تو کیا اس کے ذمہ کسی کا حق رہ سکتا ہے۔ کعب نے جواب دیا کہ نہیں۔ اگر اپنے مال کی زکوٰۃ دے کر وہ ایسا محل تعمیر کرے جس کی ایک اینٹ سونے کی اور دوسری چاندی کی ہو تو اس کے ذمہ کچھ واجب الادا نہیں رہتا ہے۔ اس پر ابوذرؓ نے اپنے عصا کو کعب کے سینے پر مار کر کہا کہ ”جھوٹ کہتا ہے“ اور یہ آیت سورہ بقرہ (۱۷۷) کی تلاوت کی

لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُولُوا وَجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ  
وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ  
وَالنَّبِيِّينَ وَآتَى الْمَالَ عَلَى حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ  
وَالْمَسْكِينِ وَابْنَ السَّبِيلِ وَالسَّائِلِينَ وَفِي الرِّقَابِ وَأَقَامَ  
الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَالْمُوفُونَ بِعَهْدِهِمْ إِذَا عَاهَدُوا



وَالصَّابِرِينَ فِي الْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ وَحِينَ الْبَأْسِ أُولَئِكَ  
الَّذِينَ صَدَقُوا ۖ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ... الخ

(نیکی یہ نہیں ہے کہ اپنا منہ مشرق اور مغرب کی طرف پھیر دے بلکہ نیک کام کرنے والے وہ ہیں جو خدا اور قیامت اور ملائکہ اور قرآن اور پیغمبر پر ایمان لائیں اور محض خدا کی خوشنودی کے لیے اپنا مال اپنے (یا پیغمبر کے) اہل قربت کو دیں اور قیمیوں اور بے خانماں لوگ اور وہ مسافر جو عالم مسافرت میں نادار ہو گئے ہوں اور فقرا و کنیز و غلاموں کو آزاد کرانے کے لیے دین اور نماز کو قائم کریں اور زکوٰۃ دیں اور جو وعدہ کر کے وفا کرتے ہیں اور جو تنگدستی و بیماری، جنگ کے وقت سختیاں برداشت کرتے ہیں یہی لوگ سچے اور متقی ہیں۔)

اس کے بعد ابوذر لوگوں کے ہاں آنا جانا ترک کر کے مسجد نبوی میں مصروف عبادت رہا کرتے تھے۔ ایک دن عبدالرحمن بن عوف کا کثیر متروکہ خلیفہ ثالث کے پاس لایا گیا تو کعب الاحبار نے کہا کہ ”عبدالرحمن نے حلال سے کمایا۔ مال حلال لوگوں کو دیا کرتے تھے اور مال حلال چھوڑ گئے خدا ان کو دنیا و آخرت کی نیکی عطا کرے۔“ ابوذر نے جب یہ واقعہ سنا تو وہ کعب کی تلاش میں پھرنے لگے یہاں تک کہ وہ خلیفہ کے گھر میں مل گئے تو ابوذر نے کعب سے کہا۔ ”تو کہتا ہے کہ خدا دنیا و آخرت کی نیکیاں اسے عطا کرتا ہے جس نے یہ مال چھوڑا ہے مجھے بتا کہ عبدالرحمن نے یہ مال کہاں سے پیدا کیا۔ یہ ان کے لیے خدا نے آسمان سے بھیجا یا یہ مال لوگوں کے حصے کا ہے جسے ان لوگوں نے محنت سے کمایا تھا۔ پیغمبر کا تو یہ قول تھا کہ اگر میں مرجاؤں تو میرے پاس ایک قیراط بھی نہ نکلے اور تو عبدالرحمن کو اس مال کا ذمہ دار نہیں سمجھتا۔“ یہ کہہ کر وہ عصا جو ہاتھ میں تھا کعب کے سر پر مارا جس سے ان کا سر پھٹ گیا۔



خلیفہ نے کہا ”مجھے کہاں تک تکلیف دو گے میرے سامنے سے نکل جاؤ۔ ہمارے حدودِ سلطنت اور ہمسایہ سے نکل جاؤ۔“ ابوذر نے کہا ”مجھے بھی تمہارا ہمسایہ برا معلوم ہوتا ہے اچھا تم ہی کہو میں کہاں جاؤں مکہ، شام، عراق، مصر“ لیکن خلیفہ نے ان مقامات پر جانے کی اجازت نہ دی۔ ”ابوذر نے کہا خدا کی قسم ان کے سوائے اب کوئی دوسری جگہ منتخب نہ کروں گا میری مرضی پوچھتے ہو تو مدینہ چھوڑنا نہیں چاہتا۔“ خلیفہ نے کہا ”تم کو بیابانِ ربذہ میں جانا ہوگا، آج ہی جاؤ۔“ اس کے بعد خلیفہ نے مروان اور اہل دربار سے مخاطب ہو کر کہا ”ابوذر کو باہر لے جاؤ اور ان کو ایسے اونٹ پر سوار کرو جس کی پشت پر صرف لکڑی کا پالان ہو اور ربذہ پہنچاؤ۔“ خلیفہ نے یہ بھی ہدایت کی کہ ابوذر کو رخصت کرنے کوئی نہ جائے۔ جناب امیرؓ نے ابوذر کے ساتھ اس برتاؤ کا حال سنا تو آبدیدہ ہو کر فرمایا ”افسوس ہے کہ صحابیِ پیغمبرؐ کے ساتھ یہ سلوک ہو رہا ہے“ اور اپنے بھائی عقیل و حسنین علیہم السلام کے ساتھ ابوذر کے پاس آئے۔ مروان نے امام حسنؑ سے کہا ”کیا نہیں جانتے امیر المومنین کا حکم ہے کہ اس شخص سے کوئی بات نہ کرے۔“ یہ سن کر جناب امیرؓ نے مروان کے گھوڑے کے سر اور کانوں پر ایک تازیانہ مار کر کہا۔ ”ہٹ جا۔ خدا تجھے جہنم میں ڈالے۔“

جناب امیرؓ نے فرمایا ”اے ابوذر تم خدا سے ڈر رہے ہو اور یہ لوگ اپنی دنیا سے ڈر رہے ہیں چونکہ تم اپنے دین سے ڈر رہے ہو اس لیے یہ لوگ ایسے مصائب تم پر ڈال رہے ہیں۔ اگر کسی پر زمین و آسمان کے راستے بند کر دیئے جائیں اور اس کے دل میں خدا کا خوف ہو تو خدا اس کے لیے نجات کا راستہ پیدا کر دیتا ہے۔ اے ابوذر سوائے خدا کے کسی سے محبت نہ کرو اور سوائے باطل کے کسی سے نہ ڈرو۔“ اس کے بعد نہایت رنج کے ساتھ آپ نے ابوذر کو رخصت کیا۔ ابوذر کے





ساتھ ان کی بی بی، لڑکا ولڑکی کے سوائے کوئی اور نہ تھا۔ کچھ مدت کے بعد ربذہ میں ان کی بکریاں مر گئیں اور ان کی لڑکی بھی فاقے کرتے کرتے مر گئی مجبوراً ابوذر مدینہ واپس ہوئے اور خلیفہ کے پاس پہنچ کر کہا کہ ”تم نے مجھے ایسی سرزمین میں بھیجا ہے جہاں سوائے چند ایسی بکریوں کے جو اس وقت دودھ دینے کے قابل نہیں ہیں میرے پاس کچھ نہیں رہا ہے۔ وہاں میرے لیے صرف ایک درخت کا سایہ ہے اس لیے مجھے ایک خادم اور چند بکریاں دوتا کہ میں زندگی بسر کر سکوں۔“ اس وقت حبیب بن مسلمہ وہاں موجود تھے انھوں نے چاہا کہ ایک ہزار درہم، پانچ سو بھیڑ بکریاں اور ایک خادم ابوذر کو دیں چونکہ ابوذر یہ جانتے تھے کہ حبیب نے مسلمانوں کے بیت المال سے یہ دولت حاصل کی تھی۔ ابوذر کی عیوہمتی نے اجازت نہ دی کہ ایسے شخص کا احسان لیں۔ جواب میں ابوذر نے حبیب سے کہا۔ ”تم یہ رقم، بکریاں اور خادم اس کو دو جو اس کا مستحق ہو۔ میں بحیثیت ایک فرد مسلم کے اپنا حصہ بیت المال سے طلب کر رہا ہوں۔“ اس اثنا میں جناب امیرؓ وہاں آگئے تو خلیفہ نے آپ سے مخاطب ہو کر کہا کہ ”اپنے اس پاگل کو ہمارے سروں سے دوڑ نہیں کرتے۔“ جناب امیرؓ نے فرمایا ”وہ پاگل نہیں ہے۔ خدا کی قسم پیغمبرؐ خدا فرماتے تھے کہ ابوذر کی حیا، فروتنی اور ان کا زہد مثل عیسیٰؑ مریم کے ہے۔“

اس کے بعد ابوذر بے پروائی کے ساتھ وہاں سے باہر نکل کر زبدۂ بے نیل مرام واپس ہو گئے۔ جب وہاں پہنچے تو دیکھا کہ ان کی بیوی اپنے لڑکے کی نعش کے سرہانے بیٹھی رو رہی ہیں، اس کے دفن و کفن سے فراغت کے بعد پھر میاں بیوی کی فاقوں پر بسر ہونے لگی۔ ایک دن بھوک کی شدت سے ابوذر پر جان کنڈنی کی کیفیت پیدا ہو گئی تو ابوذر نے بیوی سے کہا راستے کی طرف دیکھو ممکن



ہے کہ کوئی مسلمان دکھائی دے۔ زوجہ ابوذر ایک ٹیلے پر جا کر چاروں طرف دیکھنے لگیں۔ صحرا کے کنارے پر چند سوار آتے ہوئے دکھائی دیئے۔ انھوں نے کپڑا ہلا کر انھیں اپنے قریب بلا کر کہا ”ایک مسلمان مر گیا ہے اس کو کفن دو اور خدا سے اس کا بدلہ لو“۔ انھوں نے نام پوچھا تو بتایا کہ وہ ابوذر غفاری صحابی پیغمبر ہیں چنانچہ ان میں سے ایک جوان انصاری نے اپنے پاس سے کفن دیا اور باقی سواروں نے مل کر سپردِ خاک کیا۔ یہ واقعہ ۳۲ھ کا ہے۔

ابوذر غفاری کے حق میں پیغمبر اکرم کا ارشاد تھا کہ ”آسمان نے کسی ایسے شخص پر سایہ نہیں ڈالا اور زمین نے پرورش نہیں کی جو ابوذر سے بہتر ہو“۔ ابوذر کا قول تھا کہ ”اپنے اور اپنے اہل و عیال کے معمولی اخراجات کے بعد جس قدر بچ جائے ہر مسلمان پر واجب ہے کہ خدا کی راہ میں دے دے“۔ ابوذر کا یہ ادعا تھا کہ مسلمانوں کے بیت المال سے اپنے معمولی مصارف سے زائد لینا حرام ہے چنانچہ معاویہ نے جب سبز محل بنوایا تھا تو ابوذر نے اُن سے سوال کیا۔ ”تم نے یہ محل اپنے مال سے بنوایا یا مسلمانوں کے مال سے۔ اگر اپنی ذاتی رقم سے تعمیر کیا تو اسراف کیا اور اگر مسلمانوں کے مال سے بنوایا تو خیانت کی“۔ معاویہ نے یہ جواب دیا کہ ”مال خدا کا ہے اور میں خدا کا خلیفہ ہوں“۔



## حضرت ابوذر غفاری

### شوقِ بہراپچی

ہو کس زباں سے ثنا حضرت ابوذرؓ کی جنہوں نے زندگی بھر خدمتِ پیغمبرؐ کی  
تھی جن کے دل میں محبتِ بے تول و حیدرؓ کی جو قدر کرتے تھے شیرؓ اور شہرؓ کی

رہے جو پنجتنِ پاکؓ کی تاتھی میں

ہمیشہ جن کی رہیں پانچوں انگلیاں گھی میں

جنہوں نے خاسِ الاسلام کا شرف پایا جنہوں نے مال و زرِ ناروا کو ٹھکرایا

جنہوں نے فقر و قناعت کو خود ہی اپنایا جو اہلِ بیتؑ نہ کوئی جنہیں سمجھ پایا

جو بعدِ حضرت سلمانؓ بے مثال ہوئے

جو زہد میں بنِ مریمؑ کے ساجھے وال ہوئے

رہی سدا جنہیں خوشنودیِ خدا حاصل رہے جو خلق و مروت میں فردا و رکاب

نہ کر سکا جنہیں مرعوبِ دہر میں باطل جنہیں نبیؐ نے کیا اہلِ بیتؑ میں داخل

جو ہیں ذکاوت و مہر و وفا کا گنجینہ

جو بالا خانہِ ایماں کا ہیں نواں زینہ

انہوں نے کذبِ بیانی سے جبکہ نفرت کی رسولِ پاکؐ نے دے دی سندِ صداقت کی

خدا نے بھی وہ بزرگی انہیں عنایت کی کہ آدمی کیا درندوں نے بھی اطاعت کی

نماز میں انہیں مشغول و منہمک پا کر

چرایا کرتے تھے شیر ان کی بکریاں آ کر



جواب ان کا نہیں کوئی خوش بیانی میں بہاریں آئی نظر ان کی گلفشانی میں  
یہ وہ جری ہیں جنہوں نے جہان فانی میں کئے ہیں کارِ نمایاں یہ زندگانی میں  
کلائیاں ستم ناروا کی توڑی ہیں  
حکومتوں کی بھی چولیس ہلا کے چھوڑی ہیں  
انہوں نے منہ کبھی ایمان سے نہیں موڑا جو کر چکے تھے وہ عہد وفا نہیں توڑا  
منافقین سے رشتہ کبھی نہیں جوڑا نبی کی آل کا دامن کبھی نہیں چھوڑا  
ہزار بے بسی و یاس و بیکسی میں رہے  
پہ اہل بیت نبی کی سوسائٹی میں رہے  
زہے فضائل و صدق و عبادتِ بوذر زہے منازل و درجات و شوکتِ بوذر  
زہے مراتب و جاہ و جلالتِ بوذر زہے مناقب و اوصافِ حضرتِ بوذر  
منا کئے ہیں پیہر سے یہ حکایت بھی  
کہ ان پہ لٹو ہے مدت سے باغِ جنت بھی  
مراجعتِ طرفِ ربذہ جبکہ فرمائی بجز تعب کے نہ راحت کسی گھڑی پائی  
نظر نہ آتا تھا کوئی انیس تہائی مگر جو عالم غربت میں ان کو موت آئی  
تو یہ معاوضہ حُبِ پیچھن پایا  
جو واقعی تھا بہت بڑھیا وہ کفن پایا  
یہ وہ جری ہیں جو تیغ و سناں سے بھی نہ دبے یہ وہ ہیں پھول جو درخزاں سے بھی نہ دبے  
یہ وہ ہیں عزم جو کوہِ گراں سے بھی نہ دبے یہ وہ زمین ہیں جو آسماں سے بھی نہ دبے  
ہزار غلبہ رہا ضعف و ناتوانی کا  
مگر تھا پیری میں بھی حوصلہ جوانی کا



سداذمتِ لات و منات کر کے رہے    نمایاں دہر میں عزم و ثبات کر کے رہے  
بیانِ آلِ عبا کے صفات کر کے رہے    جو بات کرنا تھی اُن کو وہ بات کر کے رہے  
جہاں میں اہلِ ستم کے چہرہ ا دیئے چھٹکے  
یہ دھن کے پورے تھے شوقِ کام کے پکے

---

jabir.abbas@yahoo.com



## حضرت ابوالاسود دؤلی

اُڑائے کچھ ورق لالے نے کچھ زگس نے کچھ گل نے

چمن میں ہر طرف بکھری ہوئی ہے داستاں میری

حضرت ابوالاسود دؤلی تابعین کے طبقہ اعلیٰ میں ایک روشن چراغ تھے، امیر المومنین علیؑ کے شاگرد و رشید، تلمیذ خاص اور صحابی با وفا تھے جنگِ صفین میں آپ نے دشمنوں سے برسرِ پیکار ہو کر خوب دادِ شجاعت دی۔ آپ عاقل و فرزانه زیرک و دانا بزرگ تھے۔

آپ نے بابِ مدینۃ العلم کے حسبِ ہدایت علمِ نحو کو ترتیب دیا۔ آپ آسمانِ شاعری کے کوکبِ درخشاں تھے۔ حاضر جوابی میں لاجواب تھے۔ فقیہِ کامل اور محدثِ بے نظیر تھے۔ آپ نے حسبِ ارشادِ مرتضوی قرآنِ کریم پر نقطے اور اعراب لگائے۔ آپ میدانِ تگ و تاز میں ایک چابک دست سوار تھے، عزت و شرافت میں نامور تھے، دولت و ثروت سے مالا مال تھے۔ آپ کفایتِ شعار تھے اس لیے لوگ رشک و حسد سے آپ کو بخیل کہتے تھے۔ بعض دشمنوں نے جھوٹے واقعات بھی اس قسم کے بیان کئے ہیں جن سے آپ کا بخیل ہونا ثابت ہوتا ہے لیکن یہ سب قصے پایۂ اعتبار سے گرے ہوئے ہیں۔

آپ کی ولادت رسولِ اکرم صلعم کی بعثت سے ۵ سال قبل ہوئی تھی۔ جب



رسول خدا صلعم نے وفات پائی اس وقت آپ کی عمر ۶۷ سال کی تھی۔ آپ کی کنیت ابوالاسود تھی سلسلہ نسب گیا رہویں پشت پر حضرت حمزہ پر رسول صلعم کے نسب سے مل جاتا ہے۔ فہر بن مالک بن نصر بن کنانہ کی نسل میں ہیں اس لیے آپ کا قبیلہ دؤلی کہلاتا ہے۔

رسول خدا صلعم کی وفات حسرت آیات کے بعد آپ مدینے میں تشریف لائے اور امیر المومنین علی علیہ السلام کی صحبت بابرکت سے فیوض و برکات حاصل کرنے لگے یہاں تک کہ آپ اپنے معاصرین میں ممتاز ہو گئے اور رفتہ رفتہ دنیوی اور دینی مراتب میں اس قدر بلند درجہ حاصل کیا کہ جب جناب عبداللہ بن عباس بصرہ کے حاکم مقرر ہوئے تو امیر المومنین علیؑ نے آپ کو کاتب (جو نائب کے ہم پایہ ایک اعلیٰ منصب تھا) بنادیا۔

آپ نہایت دیانت دار اور امین تھے، امیر المومنینؑ کے سچے وفادار تھے۔ عہدہ مذکورہ ملنے کے بعد آپ کو حکومت بصرہ کے طرز عمل میں جو نقائص نظر آتے تھے وہ آپ امیر المومنین علیؑ کی خدمت بابرکت میں لکھ بھیجتے، اس کے جواب میں ابوالاسود کو حضرت علیؑ استباز اور مشیر مخلص کے القاب سے یاد فرماتے۔

جب عبداللہ بن عباس بصرے کی امارت سے علیحدہ ہو گئے اس وقت امیر المومنین علیؑ نے بصرے کی زمام انتظام و انصرام آپ کے سپرد فرمادی۔ ادھر زیاد بصرے کا حاکم ہوا۔ (یہ زیاد اس عبید اللہ کا باپ ہے جو یزید پلید کے حکم سے کوفے کا عامل ہوا تھا اور جس کے حکم سے مولانا حسین علیؑ مع اعرّاء و احباب شہید کئے گئے)۔ زیاد نے ابوالاسود کی شکایتیں دربارِ علوی میں لکھ بھیجیں مگر ان جھوٹی تہمتوں کی کوئی شنوائی نہ ہوئی۔ جب ابوالاسود کو معلوم ہوا کہ زیاد نے خدمت امیر المومنینؑ میں میری چغلیاں لکھی ہیں تو آپ نے اس کی مذمت میں



چند اشعار کہے جواب تک مشہور ہیں۔

حضرت ابوالاسود نہایت منصف مزاج تھے چنانچہ مذکور ہے کہ آپ کا ایک دوست مالک ابن احرام تسمی تھا۔ اوس کے اور اس کے چچا زاد بھائی کے درمیان ایک جھگڑا پیدا ہو گیا آپ کی عدالت میں پیش ہوا۔ آپ نے مقدمے کی روداد اور اُس کے ہر ہر پہلو پر کامل غور کر کے حق انصاف ادا کیا اور اپنے دوست کے خلاف فیصلہ صادر کر دیا جس سے مالک نے غصے میں آکر آپ سے کہا کہ ”واہ آپ نے حق دوستی خوب ادا کیا“ اس وقت آپ خاموش ہو گئے مگر پھر اشعار میں اس طنز کا معقول جواب دیا۔ آپ کے والی بصرہ ہونے کو ایک سال گزر چکا تھا کہ امیر المومنین علیؑ نے ابن ملجم کی زہر آلود تلوار سے شہادت پائی۔ جب آپ کو اس غمناک واقعے کی اطلاع ملی تو آپ نے اعیان مملکت اور ارکان شہر کو جامع مسجد میں بلایا اور اُن کے سامنے ایک فصیح و بلیغ خطبہ پڑھا جس کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

اے عباد اللہ ایک ظالم نے امیر المومنین علیؑ کو جب آپ مسجد کوفہ میں مصروف عبادت تھے تیغ بے دریغ سے شہید کر دیا۔ آپ کے انتقال سے دنیا تاریک ہو گئی انا للہ وانا الیہ راجعون رحمت و سلام ہو آپ پر کہ روز محشر خدا کے حضور کھڑے ہوں گے۔ اتنا کہہ کر آپ زار زار رونے لگے اور پھر فرمایا کہ آپ نے اپنے فرزند سبط رسول امام حسین علیؑ کو اپنا جانشین بنایا ہے۔ اے لوگو تم مولانا حسن علیہ السلام کے لیے بیعت کرو چنانچہ بجز چند غداروں کے سب لوگوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی مگر ایک سال کے بعد امام حسنؑ نے جب معاویہ سے صلح کر لی تو آپ بھی امارت سے علیحدہ ہو گئے اور معاویہ کی طرف سے عبداللہ بن عامر والی مقرر ہوا۔ زمام حکومت ہاتھ سے نکل جانے کے بعد بھی آپ





بصرے ہی میں مقیم رہے کہ بصرہ آپ کا وطن عزیز تھا۔

آپ نے حکومت بصرہ سے الگ ہونے کے بعد کسی اور جگہ ملازمت کرنے کا خیال تک نہ کیا اگرچہ احباب آپ کو اس طرف متوجہ کرتے رہے لیکن آپ نے محبت اہل بیتؑ میں سب کچھ چھوڑ دیا۔ البتہ اب ہر روز صبح کے وقت گھوڑے پر سوار ہو کر نکلتے۔ شہر کی سیر کر کے پھر اپنے مکان پر واپس آ جاتے یہ معمول آپ کی آخر عمر تک باقی رہا۔ اگرچہ بعض لوگوں نے آپ کو اس سے بھی منع کیا کہ پیرانہ سال میں آپ گھر سے باہر نہ نکلا کیجئے۔ آپ نے جواب دیا کہ سواری سے جسمانی ورزش ہو جاتی ہے، تازہ ہوا سے دل کو خوشی ہوتی ہے، دوستوں سے ملنے جلنے کا موقع نکل آتا ہے تم ہی بتاؤ گھر میں بیٹھے رہنے سے کیا فائدہ سوائے اس کے کہ میرے ہاتھ پاؤں ست و بیکار ہو جائیں۔

جب زیاد بصرے کا حاکم ہوا اُس وقت بعض وجوہ سے مجبور ہو کر آپ اُس کے بیٹے کو تعلیم دینے لگے۔ کیا انقلاب زمانہ ہے کہ حاکم بصرہ اپنے ماتحت کے لڑکوں کی معلمی کرے اور ان کا ایک شاگرد (عبداللہ بن زیاد) ایک روز امیر المومنین علیہ السلام کے فرزند حسینؑ پر ظلم و ستم کے پہاڑ ڈھائے۔

## علم و ادب پر آپ کے احسانات:

جلال الدین سیوطی جیسا متعصب مؤرخ اپنی تصنیف ”تاریخ الخلفاء“ میں رقم طراز ہے کہ خود ابوالاسود روایت کرتے ہیں کہ ایک روز میں امیر المومنینؑ کی خدمت میں حاضر ہوا، دیکھا کہ آپ فرق مبارک جھکائے ہوئے خاموش تشریف فرما ہیں، میں نے بعد ادب دریافت کیا کہ یا امیر المومنینؑ! کون سا اہم مسئلہ زیر غور ہے، آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ اس شہر کے لوگ عربی زبان بولتے ہوئے اکثر غلطیاں کرتے ہیں اس لیے میرا ارادہ ایک کتاب ترتیب



دینے کا ہے جس میں عربی زبان دانی کے تمام قاعدے محفوظ کر دیے جائیں میں نے عرض کیا کہ اس مبارک کام کی تکمیل سے عربی زبان زندگی جاوید حاصل کر لے گی۔ پھر میں تین روز کے بعد خدمت علویہ میں حاضر ہوا آپ نے مجھے جس تختی پر یہ عبارت لکھی ہوئی تھی عنایت فرمائی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم کلام کی تین قسمیں ہیں۔ اسم، فعل، حرف اسم وہ ہے جو اپنے مسمیٰ کی خبر دے۔ حرف وہ ہے کہ ایسے معنی کی خبر دے جو نہ اسم ہونہ فعل۔ فعل وہ ہے کہ اپنے مسمیٰ کی حرکت کی خبر دے۔

”اے ابوالاسود! ہم اس اصول کے ماتحت جو کچھ مناسب سمجھو اس میں بڑھاؤ۔ اے ابوالاسود دنیا کی تمام چیزیں تین قسم کی ہوتی ہیں ایک مضمّر، ایک ظاہر اور تیسری جو نہ ظاہر ہو اور نہ مضمّر۔“

ابوالاسود بیان کرتے ہیں کہ ”میں نے مذکورہ بالا ارشادات عالیہ کو علم نحو کا اصول قرار دیا۔ ان کی روشنی میں بہت سے ابواب و فصول قائم کیے اور ان میں حرفِ ناصبہ کا بھی بیان کیا۔ [ان، لن، لیست، لعل، کان کا ذکر کیا مگر لکن کو چھوڑ دیا۔ کاغذات کو لے کر خدمت اقدس میں حاضر ہوا، آپ نے دیکھ کر ارشاد کیا کہ لکن کو بھی حرفِ ناصبہ میں شامل کرو۔

بعض مؤرخین نے اوپر کی روایت سے اختلاف کیا ہے اور یوں بیان کیا ہے کہ ایک روز گرمی کے موسم میں جناب ابوالاسود باہر سے گھر میں تشریف لائے تو آپ کی بیٹی نے کہا یا ابت ما اشد الحر آپ نے کہا کہ فلاں ماہ میں گرمی سخت پڑا کرتی ہے اُس نے کہا کہ ”میں نے تو یہ نہیں دریافت کیا کہ کب گرمی زیادہ ہوتی ہے اور کب کم بلکہ میں تو گرمی کی شدت پر اظہارِ تعجب کر رہی ہوں۔“ لڑکی کا منشاء دلی ظاہر کرنے کے لیے دال پر زبر اور ذ۔ کے نیچے زیر ہونا چاہیے



تھا۔ ابوالاسود نے یوں اپنی بیٹی کو غلط بولتے ہوئے سنا تو نہایت فکر مند ہوئے اور دربار و صایت میں پہنچ کر عرض کی کہ ”آقا! عجمیوں کے میل جول سے عربی زبان خراب ہو رہی ہے اگر کچھ دنوں تک یہی حالت باقی رہی تو عربی زبان کا خاتمہ سمجھیے۔“ مولانا علی مرتضیٰ نے دریافت کیا کہ ”تمہاری توجہ اس طرف کیونکر منعطف ہوئی؟“ ابوالاسود نے سارا قصہ بیان کیا۔ مشکل کشائے عالم نے ارشاد فرمایا ”بہتر ہے کچھ کاغذ خرید لاؤ“ اور آپ نے علم نحو کے اصول اپنے اس شاگرد کو تحریر کرا دیے۔

سعد نامی ایک عجمی بصرہ میں آیا اور حضرت ابوسعید انصاری کے ہاتھ پر مسلمان ہوا۔ ایک دن وہ گھوڑے کو لیے جا رہا تھا، راستے میں ابوالاسود سے ملاقات ہوئی آپ نے اُس کی گفتگو سنی تو محاورہ سحر کے بالکل خلاف تھی، آپ کے دل پر بہت اثر ہوا اور آپ زیاد کے پاس گئے اور کہا ”اے امیر! عجمیوں کے میل سے زبان خراب ہو رہی ہے ایک تصنیف کی ضرورت ہے جو ان نقائص کو دور کرے میں اس خدمت کے لیے تیار ہوں“ مگر زیاد نے مطلق توجہ نہ کی۔ آپ دل برداشتہ خاموش چلے آئے، چند روز کے بعد زیاد کے سامنے ایک شخص نے اثنائے گفتگو میں کہا تو فی ابانا و ترک بنوں (ہمارے باپ نے انتقال کیا اور کئی بیٹے چھوڑ گئے) حالانکہ یہ جملہ غلط تھا، صحیح یوں ہونا چاہیے، تو فی ابونا و ترک بنیں۔ الغرض زیاد کو خیال پیدا ہوا کہ ابوالاسود کا قول درست تھا یقیناً اس علم کے واضع کرنے کی ضرورت ہے جس سے لوگ اس قسم کے اغلاط سے محفوظ رہیں۔

بعض لوگوں نے اس واقعے سے اختلاف کیا ہے اور علم نحو کے وضع کیے جانے کو اس طرح بیان کیا ہے کہ ایک روز ابوالاسود گھر میں تشریف لے گئے تو آپ کی ایک بیٹی نے کہا ”یا ایت ما احسن السماء“۔ تو ابوالاسود نے فرمایا (یا



بیتہ (مہا) لڑکی نے کہا ”میرا یہ سوال نہیں ہے کہ آسمان کی خوبصورت ترین چیز کیا ہے میں تو آسمان کی خوبصورتی پر تعجب کر رہی ہوں“۔ آپ کے فرزند ابو حرب کہتے ہیں کہ ”میرے والد نے علم نحو میں سب سے پہلے باب التعجب وضع کیا تھا۔ علم نحو کا نام علم نحو اس لیے رکھا گیا کہ ابو الاسود نے کہا کہ ”میں نے حضرت علی علیہ السلام سے اجازت لی تھی کہ میں نحو کو اسی طریقے پر ترتیب دوں۔ نحو کے معنی طریقے کے ہیں اس لیے اس کا نام نحو رکھا گیا“۔

امیر المومنین علیہ السلام کے عہد تک قرآن کریم کے نسخوں میں حروف پر نہ اعراب لگائے جاتے تھے نہ نقاط۔ اہل عرب تو قرآن کریم کو دیکھ کر صحت کے ساتھ تلاوت کر لیتے تھے مگر غیر عرب تلاوت کے وقت فاش غلطیاں کرتے تھے بعض وقت تو ایسی سخت غلطیوں کا ارتکاب کرتے تھے کہ تو بہ ہی بھلی چنانچہ ایک روز ابو الاسود نے ایک فارسی کو یہ آئیہ کریمہ، ان الله بوری من المشرق کین و رسولہ میں بجائے کے رسولہ پڑھتے ہوئے سنا اصل آئیہ مبارک کا ترجمہ یہ تھا کہ اللہ اور اس کے رسول مشرکین سے بری ہیں مگر اعراب کی غلطی سے آیت کے معنی یہ ہو گئے معاذ اللہ اللہ مشرکین اور اس کے رسول سے بری ہے۔ ابو الاسود آئیہ مذکورہ کو غلط پڑھتے ہوئے سن کر نہایت برا بیچتے ہوئے۔ اس سے پہلے زیاد حاکم بصرہ نے آپ سے التجا کی تھی کہ آپ کوئی ایسا علم مدون فرمائیے جس سے لوگ کلام اللہ کی صحت کے ساتھ تلاوت کر سکیں اس وقت آپ نے اس خیال سے کہ صحابہ کرام کے عہد کی چیزوں میں اصلاح کی ضرورت نہیں انکار کر دیا تھا لیکن جب آپ نے قاری مذکور کو اپنے کانوں سے غلط پڑھتے ہوئے سنا تو فوراً مصمم ارادے کی تکمیل کے لیے آپ زیاد کے پاس تشریف لے گئے اور کہا کہ ”اب وہ کام کرنے کو تیار ہوں مجھے ایک ہوشیار کاتب دیا جائے“۔ قیلہ عبدالقیس کا کاتب



حاضر کیا گیا جسے آپ نے ناپسند کیا۔ پھر دوسرا کاتب حاضر ہوا، اُسے گھر لے گئے اور کہا ”میں قرآن کریم کی تلاوت کرتا ہوں جب مجھے دیکھو کہ میں نے کسی حرف کی ادائیگی کے وقت منہ کھول دیا ہے تو اُس حرف کے اوپر نقطہ لگا دو اور اگر منہ کو بند کر دوں تو ایک نقطہ اس حرف کے سامنے لگا دینا اور اگر منہ کو ادھر ادھر پھیروں تو ایک نقطہ اُس حرف کے نیچے لگا دینا۔ کاتب نے آپ کے ارشاد کے بموجب تعمیل کی۔ یہ نقطے بجائے زیر و بر پیش کے لگائے گئے۔ رفتہ رفتہ ان اعراب میں ترقی ہوتی گئی اور چوتھی اور پانچویں صدی میں یہ فن کتابت معراج کمال پر پہنچ گیا۔

علامہ ابن المندیم نے کتاب ”الفہرست“ میں لکھا ہے کہ محمد بن اسحق نے اپنا چشم دید واقعہ مجھ سے بیان کیا کہ بغداد جدید میں ایک شخص محمد بن حسین نامی رہتا تھا اُسے کتابوں کے جمع کرنے کا بے حد شوق تھا۔ میں نے اس سے دوستی پیدا کی جب اس کو مجھ پر کامل اعتماد پیدا ہو گیا تو ایک روز مجھے اپنے کتب خانے میں لے گیا اور سب کتابیں دکھائیں ان میں بہت سی نایاب کتابیں تھیں۔ ازاں جملہ چینی پتروں کے چار ورق تھے جن پر لکھا تھا کہ ”بحث فاعل مفعول از ابوالاسود دؤلی“ یہ تحریر یحییٰ بن عمر کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تھی۔ یحییٰ ابوالاسود کے شاگرد تھے۔ اس تحریر کے نیچے علان نحوی اور نضر بن شمیل کے دستخط تھے اس شخص کے مرنے کے بعد یہ کتب خانہ تلف ہو گیا۔ سوائے قرآن مجید کے نسخوں کے اور کوئی کتاب ہاتھ نہ لگی۔ الغرض ابوالاسود نے اسلامی علم ادب پر دو بڑے احسان کیے ایک تو یہ کہ آپ نے علم نحو کی تدوین فرمائی اور دوسرا احسان عظیم یہ فرمایا کہ قرآن کریم پر اعراب اور نقطے لگائے جس سے مخلوق خدا نہایت آسانی کے ساتھ قرآن کریم کی تلاوت کر سکتی ہے۔

ابن خلکان رقمطراز ہیں کہ آپ کا ایک مکان بصرہ میں تھا، آپ کا پڑوسی ہمیشہ



آپ کو ایذا کی پہنچایا کرتا تھا۔ ایک اور روایت کے بموجب رات ہوتے ہی پتھر پھینکا کرتا، ابوالاسود نے قبیلہ والوں سے اپنے شریر پڑوسی کی شکایت کی لوگوں نے اُسے سمجھایا کہ اپنے قبیلے کے بزرگ کو ستانا اچھا نہیں تو اس نے کہا کہ ”میں پتھر نہیں پھینکتا بلکہ خداوند عالم اُن کے گھر پر سنگباری کرتا ہے۔“ جب ابوالاسود کو یہ معلوم ہوا تو آپ نے وہ مکان فروخت کر ڈالا اور بنی ہذیل کے محلے میں دوسرا مکان خرید لیا۔ اس واقعے کے بعد کسی نے آپ سے دریافت کیا کہ ”آپ نے اپنا مکان فروخت کر ڈالا۔“ آپ نے فرمایا کہ بل بعث جاری (بلکہ میں نے اپنے پڑوسی کو بیچ ڈالا)۔ آپ کا یہ جواب اس قدر پسند کیا گیا کہ اعرابی میں ضرب المثل بن گیا۔

ایک دن آپ عبداللہ بن ابی بکرہ بنیعی بن بحرث بن مکدہ تقفی کے پاس گئے انھوں نے دیکھا کہ ابوالاسود ایک پھٹا سا جتہ پہنے ہوئے تو انھوں نے کہا کہ ”اے ابوالاسود کیا تمہاری طبیعت اُس پرانے جتے سے نہیں اُکتاتی“ تو فرمایا ”کیا کیا جائے اکثر چیزیں ناگوار تو ہوتی ہیں مگر اُن کا چھوڑنا مشکل ہوتا ہے۔“ پھر آپ اپنے مکان پر چلے آئے تو عبداللہ نے سو جوڑے کپڑے کے آپ کے پاس ارسال کر دیے آپ نے اس وقت یہ اشعار فرمائے۔

کسانی ولم امتسکہ محمدتہ

اخ لك يعطيك الجزيل و ناصر

وان أحق الناس ان كنت شاكرا

يشكرک من أعطاک والعرض واقر

(ترجمہ) مجھے لباس پہنایا حالانکہ میں نے مانگا نہ تھا، میں نے ان کی تعریف

کی۔ تیرا بھائی عطایاے کثیر عنایت کرتا ہے اور تیرا حامی و ناصر ہے لوگوں میں



مستی شکر، اگر تم شکر یہ ادا کرنا چاہتے ہو تو وہ ہے کہ جو تم کو دیے اور تمہاری عزت بھی باقی رہے یعنی بے طلب دینے والا قابل شکر یہ ہے۔ آپ کے اشعار واقعات اور سچے جذبات سے پُر ہوتے تھے، آپ نے اپنے اشعار میں اپنی زندگی کے اکثر واقعات نظم کیے ہیں، آپ کا کلام دیوان کی صورت میں جمع کیا گیا جواب تک موجود ہے۔

آپ ایک قناعت پسند بزرگ تھے، آپ کے اخلاق کا اثر آپ کے فرزند ابوالحرب پر بھی پڑا جو نہ تجارت کرتے تھے نہ ملازمت۔ آپ نے انھیں نصیحت فرمائی تھی کہ طلب معاش میں سعی ضرور کرنی چاہیے اور حسب ذیل شعر سے استدلال کیا۔

وما طلب المعيشة بالمتنى

ولكن الق دلوک فی الدلاء

(ترجمہ) رزق خواہش سے نہیں ملتا مگر تم اپنا ڈول اور لوگوں کے ڈول کے ساتھ کنویں میں ڈال دو۔

تجئى بعلها طور اوطوراً

تجئى بمحأة و قليل ماء

(ترجمہ) تو وہ ڈول کبھی تو پانی سے بھرا ہوا آئے گا اور کبھی تھوڑا پانی اور باقی کچھڑ ہوگی۔

بیان کیا جاتا ہے کہ ابوالاسود خلافت دوم کے آخری عہد میں مفلوج ہو گئے تھے اس لیے جب آپ بازار سے پیدل گزرتے تو آپ کا ایک پاؤں گھٹا ہوا جاتا تھا آپ کے پاس کئی غلام اور لونڈیاں تھیں کسی نے آپ سے کہا کہ ”آپ بازار آنے جانے اور سودا سلف لانے کی بذات خود کیوں تکلیف کرتے ہیں کسی



غلام کو حکم فرما دیا کیجیو وہ آپ کے حکم کی تعمیل کیا کرے گا“ آپ نے جواب دیا کہ ”ابھی تو یہ حالت ہے کہ جب میں بازار سے مکان جاتا ہوں تو میرے فرزند اور غلام خوش آمدید کہتے ہیں اور اگر میں خانہ نشین ہو جاؤں تو مجھے کوئی پوچھے گا بھی نہیں۔“

علامہ ابن اثیر نے ”اسد الغابہ“ میں حرف ظاء کی فصل میں آپ کا حال نہایت اجمال سے لکھا ہے اور ایک حدیث کو بیان کر کے، جو آپ سے مروی ہے، تحریر کیا ہے کیونکہ آپ صحابی نہ تھے بلکہ تابعی تھے اور امیر المومنین علیہ السلام کے شاگرد رشید تھے اور پھر آپ کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے کہ آپ شعر خوب کہتے تھے، حاضر جواب تھے، آپ کا کلام حکمت آموز ہوتا اس درجہ کہ ضرب المثل بن جاتا قاضی نور اللہ شوستری نے اپنی بے مثل تصنیف ”مجالس المومنین“ میں بھی آپ کے حالات لکھے ہیں اس کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

جب جنگِ صفین کے ختم ہونے کے بعد شرائطِ صلح طے کرنے کے لیے طرفین سے حکم مقرر کرنے کا موقع آیا تو آپ نے امیر المومنین علیہ السلام کی خدمت اقدس میں عرض کیا کہ آپ ابو موسیٰ اشعری کو حکم نہ بنائیے میں اُن کو بار بار آزمایا چکا ہوں البتہ مجھے حکم بنائیے میں فریقِ مخالف سے خوب پیٹ لوں گا لیکن اگر وہ حیلہ کریں کہ ”یہ غلام صحابی رسول نہیں ہے تو مجھے ابو موسیٰ کا معاون بنادیتجیے میں اُن کے اقوال و احوال کی اچھی طرح گرائی کرتا رہوں گا“۔ مگر فریقِ مخالف نے جس طرح حضرت عبداللہ بن عباس کے حکم بنائے جانے سے انکار کر دیا اسی طرح ابوالاسود کا حکم بننا بھی منظور نہ کیا۔

ابوالاسود نے بنی قثیر کے محلے میں سکونت اختیار کی چونکہ آپ امیر المومنین سے بہت زیادہ محبت رکھتے تھے اس لیے یہ لوگ رات کے وقت آپ کے مکان پر سنگ باری کیا کرتے تھے، آپ نے ایک روز صبح کو ان لوگوں سے شکایت کی تو





انھوں نے جواب دیا کہ پتھر ہم نہیں پھینکتے بلکہ خدائے قہار خود آپ کے مکان پر پتھر برساتا ہے آپ نے فرمایا ”تم لوگ خدائے تعالیٰ پر تہمت نہ تراشا اگر وہ میرے گھر پر پتھر پھینکتا تو اس کا نشانہ ہرگز خالی نہ جاتا“، ان لوگوں نے کہا۔  
 ”اے ابوالاسود تم کب تک امیر المومنین علیؑ اور ان کے اہل بیتؑ کی مدح سرائی کرتے رہو گے“۔ آپ نے جواب میں چند اشعار ارشاد فرمائے۔

يقولون الارذلون بنو قشير

طلوال الدهر لا ينسى عليا

(ترجمہ) بنی قشیر کے ارذال کہتے ہیں تو علیؑ کو کبھی نہیں بھولتا۔

نان يك حبههم رشدا اصيبه

ولم يك نخطيا ان كان عليا

اگر ان کی محبت کوئی ہے تو وہ مجھے حاصل ہوگی، اگر وہ غلطی بھی ہو تو میں خطا وار نہیں ہو سکتا۔ اس آخری شعر کو سن کر بنی قشیر کے بعض افراد نے اعتراض کیا کہ آپ کے اس شعر سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو محبتِ اہل بیتؑ کی فضیلت میں شک و شبہ ہے۔ آپ نے فی البدیہ یہ جواب دیا کہ کیا تمہیں قرآن مجید یاد نہیں۔ اللہ جل شانہ ایک مقام پر ارشاد فرماتا ہے۔ (انا وایاکم لعلىٰ هدیٰ اوفیٰ ضلال مبین۔ ہم اور تم دونوں یا تو ہدایت پر ہیں یا گمراہی پر ہیں)

ایک روز ابوالاسود نے قبیلہ بنی قشیر کے بعض شخصوں سے فرمایا کہ ملکِ عرب میں تم سے زیادہ طول بقا کسی اور قبیلے کا مجھے پسند نہیں انھوں نے وجہ دریافت کی تو آپ نے فرمایا کہ ”اس لیے کہ تم لوگ جو کرتے ہو وہ محض ضلالت ہوتا ہے میں ان افعال سے اجتناب کرتا رہتا ہوں اور جن کاموں سے تم بچتے ہو رشد و ہدایت ہوتا ہے میں اُن پر کار بند ہوتا ہوں“۔ ایک روز دشمنِ اہل بیتؑ۔ عبداللہ بن زیاد



نے آپ سے کہا کہ ”اگر آپ بوڑھے اور ضعیف نہ ہو گئے ہوتے تو آپ سے بعض امور میں استعانت طلب کرتا“ آپ نے فرمایا کہ ”اے عبداللہ! تو مجھے کشتی لڑنے کو کہے تو یہ مشکل ہے، ناممکن ہے اور اگر خلق ورائے کا طالب ہوتا تو یہ دونوں چیزیں مجھ میں پیشتر سے زائد موجود ہیں۔“

ایک دفعہ آپ سے کسی نے کہا کہ حقیقتاً آپ کا ظرفِ علم و حلم بہت بڑا ہے مگر آپ میں ایک عیب ضرور ہے کہ آپ بخیل ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ ظرف کی خوبی یہی ہے کہ اس میں جو شے ڈالی جائے اُس کو محفوظ رکھے۔ جس برتن سے پانی یا کوئی مائع چیز ٹپکتی ہے وہ عیب دار ہے۔ ایک دفعہ عبداللہ کے باپ زیاد نے پوچھا کہ ”امیر المومنین کی محبت سے آپ کو کیا ملتا ہے“ آپ نے فرمایا کہ ”حضرت کی محبت سے استغنا اور حظِ وافر حاصل ہوتا ہے۔ اے زیاد! میں امیر المومنین کی دوستی سے آخرت کا طالب ہوں اور تو اپنے امیر کی دوستی سے دنیا اور زینتِ دنیا کا خواہاں ہے۔ میری اور تیری مثال عمرو بن معدی کرب کے اشعار سے ظاہر ہے۔“

روزانہ سیر و تفریح کی وجہ سے آپ کی صحت اچھی رہتی تھی، آپ نے آخری عمر میں ایران کے سفر کا ارادہ کیا۔ سردی کا موسم تھا، بیٹی نے روکنا چاہا کہ جاڑے کے ایام گزر جائیں پھر تشریف لے جائیے گا مگر آپ نے فرمایا ”بیٹی موت کا ایک دن مقرر ہے۔ انسان کو قضا و قدر پر بھروسہ رکھنا چاہیے“ الغرض آپ نے ایران کی سیاحت کی اور وہاں سے اپنے وطن مالوف بصرہ میں تشریف لائے کچھ دنوں کے بعد فالج میں مبتلا ہوئے اس پر بھی آپ روزانہ شہر کی گشت کو ضرور جاتے تھے۔

ایک روایت کے مطابق آپ نے بمقام بصرہ ۶۹ھ میں مرض طاعون میں رحلت فرمائی اس وقت آپ کا سن ۸۵ سال کا تھا۔ ایک اور روایت کے مطابق آپ نے طاعون پھیلنے سے پہلے مرض فالج میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ تیسری



روایت یوں ہے کہ آپ نے عمر بن عبدالعزیز کے ایامِ حکومت میں رجب ۱۰۱ھ میں بمقامِ دیر سمعان انتقال فرمایا۔ موت کے وقت آپ سے کہا گیا کہ مغفرت کی بشارت آپ کو مبارک ہو، آپ نے فرمایا کہ میں اپنے اعمال سے نادم ہوں جن کی وجہ سے مغفرت کی حاجت ہوئی۔

آپ کے اقوال جو تاریخوں میں درج ہیں ان میں سے بعض حسبِ ذیل ہیں۔  
(۱) اگر مال کے بارے میں فقیروں کی اطاعت کریں تو ہمارا حال ان گداگروں سے بھی بدتر ہو جائے۔

(۲) بخیل کے سامنے ہاتھ پھیلانے سے بخیل رہنا بہتر ہے۔  
علاوہ ازیں بہت سے حکیمانہ اقوال آپ کے دیوان سے اخذ کیے جاسکتے ہیں، آپ کو خدا تعالیٰ نے ایک بیٹی اور ایک بیٹا عنایت کیا تھا ممکن ہے کہ اور اولاد ہو مگر ان کا تاریخوں میں کہیں ذکر نہیں ہے۔

## جناب عمارِ یاسر

جناب عمار کے پدر بزرگوار جناب یاسر یمن کے رہنے والے تھے، پریشان حالی کے عالم میں مکے میں آئے جہاں انھوں نے ابو حذیفہ مخزومی کی کیز سمیۃ نامی سے عقد فرمایا۔ بال بچے ہوئے، مکے ہی میں سکونت اختیار کر لی۔ جناب یاسر کی بی بی سمیۃ اور دو فرزند عمار و عبداللہ مختصر یہ کہ سارا گھر کا گھر تبلیغ نبوت کے پہلے ہی سال مشرف بہ اسلام ہوا۔ ”استیعاب جلد دوم“ صفحہ ۶۳۶ پر عمارِ یاسر اور ان کے قبیلے کے مشرف بہ ایمان ہونے کے متعلق عربی عبارت کا ترجمہ درج ذیل ہے۔

”جب اسلام کو خدا نے ظاہر فرمایا تو یاسرؓ، ان کے صاحبزادے عمار، عمار کی ماں سمیۃ عمار کے بھائی عبداللہ بن یاسر اسلام لائے۔ ان حضرات کا اسلام ابتدائے اسلام میں سے قدیم تھا اور یہ دو بزرگوار تھے جن پر خدا کی راہ میں ظالموں کی طرف سے ظلم و عذاب بے حساب کیا گیا تھا۔ جب ان لوگوں پر ظلم کیا جا رہا تھا تو اتفاق سے جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ادھر سے گزرے ان حضرات کو اس عالم میں دیکھ کر ارشاد فرمایا کہ اے آلِ یاسر صبر کرو، اے پروردگار تو آلِ یاسر کو ان کے اعمال کے بدلے میں بخش دے اور ابنِ شہاب کی روایت کے مطابق اسعلیل بن عبداللہ بن جعفر اپنے باپ کی



زبانی نقل کرتے ہیں کہ رسول خدا صلعم کا گزر آلِ یاسر عمار، اُمّ عمار وغیرہم پر ایسے وقت میں ہوا جب ان لوگوں پر ظلم و ستم کیا جا رہا تھا یہ دیکھ کر آپ نے فرمایا اے آلِ یاسر صبر کرو تحقیق کہ تمہاری وعدہ گاہ جنت ہے۔“

”استیعاب“ جلد اول میں ابن البر نے صفحہ ۵۸ پر واضح الفاظ میں لکھا ہے پہلے سات آدمیوں نے اپنا اسلام ظاہر کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و ابو بکر، عمار اور ان کی ماں سمیۃ صہیب بلال اور مقداد۔

اسلام قبول کرنے کے بعد آلِ یاسر کو سخت مصائب و شدائد کا سامنا کرنا پڑا۔ مشرّف بہ اسلام ہونے کے بعد آلِ یاسر کے پاس دولتِ ایمان کے سوا کچھ نہ تھا۔ تمام خاندانِ عسرت و ناداری میں بسر کرتا تھا۔ کفار قریش بے یار و مددگار سمجھ کر ان پر ٹوٹ پڑے اور ایک ایک کر کے ان بیچاروں کو اتنا مارا کہ جینے کے لالے پڑ گئے سر سے پاؤں تک مجروح ہو گئے۔ اتفاقاً اسی عالم میں رسول مقبول اُدھر آنکے۔ مخلص مومنین کی مصیبت دیکھی نہ گئی مگر مجبوری لاحق تھی بجز خاموشی چارہ کار نہ تھا حضرت نے آلِ یاسر کی مصیبت ناک حالت مشاہدہ فرما کر ارشاد فرمایا اصبروا الی یاسر فان موعدکم الجنة اے آلِ یاسر صبر کرو تحقیق کہ بہشت تمہاری وعدہ گاہ ہے۔

ابو جہل نے یاسر کی اہلیہ جناب سمیۃ کو نیزے کی انی چھو کر شہید کر ڈالا اور جناب یاسر کا بھی ایسی ہی ضربوں سے خاتمہ بالخیر ہو گیا۔

والدین کی شہادت کے بعد عمار یاسر نے مجبور ہو کر بادلِ ناخواستہ کلمہ مکفر زبان سے جاری کر دیا۔ ملاحظہ ہو تفسیر کبیر جلد ۵ صفحہ ۳۵۵۔

جبکہ مشرکینِ عرب نے عمار اور ان کے والدین کو کلمہ مکفر کہنے پر مجبور کیا اور عمار



کے والدین کو کلمہ کفر نہ کہنے کی وجہ سے قتل کر ڈالا تو اس وقت عمار نے اپنی جان بچانے کے لیے اپنی زبان سے وہ بات کہہ دی جس کا مشرکین نے ارادہ کیا تھا اس لیے کہ اس حالت میں مشرکین ان پر جبر و تشدد کر رہے تھے پس کسی نے کہا یا رسول اللہ عمار تو کافر ہو گئے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا ہر گز نہیں، عمار تو وہ شخص ہے کہ جو سر سے قدم تک ایمان سے مملو ہے اور اس کے گوشت پوست میں ایمان محفوظ ہے، پس عمار روتے ہوئے خدمتِ رسول میں حاضر ہوئے، رسول اللہ نے اُن کے آنسو پونچھے اور فرمایا کہ ”عمار تمہیں کیا اندیشہ ہے؟ اگر وہ لوگ پھر تمہیں مجبور کریں اور یہی بات کہلوائیں جو تم کہہ چکے ہو تو پھر کہہ دینا۔“

امیر الدولہ سعید الملک نے اپنی تالیف IDLE HOURS میں حصہ سوم صفحہ ۱۷، ترجمہ مجالس المومنین مصنفہ قاضی نور اللہ شومتری علیہ الرحمہ میں حسب ذیل عبارت تحریر فرمائی ہے۔

### AMMAR-BIN YASIR

He was a Musalman by birth, and one of the companion of the prophet, he was much prosecuted by the enemies of Islam, He was depued to Habash where he was insulted and woun dedafter the death of the prophet, he sided with Hazrat Ali-Ibn-i-Abi Talib and furiously at tacked the usurpers. he was present at the battle of Jmal and was Murdered at Siffin at the age of ninety one.

عمار بن یاسر :- وہ پیدائشی مسلمان اور اصحاب رسولؐ میں سے ایک فرد تھے، دشمنان اسلام نے انہیں سخت صعوبات پہنچائیں وہ حبش مامور کئے گئے جہاں ان کی تذلیل کی گئی اور وہ



زخمی ہوئے۔ وفات رسول مقبول کے بعد انھوں نے علی ابن ابی طالب کا ساتھ دیا، وہ ان کے مخالفین پر سخت اعتراضات کرتے تھے وہ جنگ جمل میں موجود تھے اور جنگ صفین میں ۹۱ سال کی عمر میں شہید ہوئے۔

قول بالا میں دوسرا قابل غور ہیں۔ پہلا امر یہ کہ وہ پیدائشی مسلمان تھے۔ یہ قول بادی النظر میں مہمل معلوم ہوتا ہے اس لیے کہ جناب عمار جنگ صفین میں ۹۱ سال کی عمر میں شہید ہوئے۔ جناب عمار کی شہادت ۳۹ھ میں ہوئی اس حساب سے ایمان لانے کے وقت عمار کی عمر تقریباً ۳۹ سال کی ہوتی ہے مگر میرے خیال میں قول بالا بایں معنی صحیح ہے کہ یہ نص قرآن آدم سے خاتم تک ہر نبی دین اسلام کی تبلیغ پر مامور تھا اس لیے ممکن ہے کہ عمار کا قبیلہ دین حنیف بمعنی مذہب ابراہیمی پر عامل رہا ہو اور غالباً یہی سبب تھا ان کا قبیلہ تبلیغ رسالت کے پہلے سال ہی ایمان سے مشرف ہوا اور حسب تحریر استیعاب جلد اول صفحہ ۵۸ جناب عمار تیسرے نمبر پر ایمان لانے والوں کی فہرست میں نظر آتے ہیں مگر یہاں پر یہ خیال بھی پیدا ہوتا ہے کہ جناب امیر المومنین کا نام اس فہرست میں نہیں ہے جس کا سبب غالباً یہ ہے کہ صاحب تصنیف نے جس راوی سے یہ روایت کی ہے اس نے اپنے مسلک کے مطابق علی ابن ابی طالب کو کسی میں ایمان لانے کے باعث اس فہرست میں شامل نہ کیا۔ بہر کیف یہ تو مسلم ہے کہ عمار سابقین مسلمین میں تھے۔

دوسرا امر جو اس روایت میں محل نظر ہے وہ جناب عمار کا حبش میں مامور ہونا ہے۔ شہید ثالث علیہ الرحمہ نے مجالس المومنین صفحہ ۲۹۴ پر تحریر فرمایا ہے ”عمار نے ابتدائے اسلام میں کفار کے ہاتھوں بڑی بڑی اذیتیں اٹھائیں اور ان کی ماں سمیہ نامی قید کنار ہی میں شہید ہوئیں۔ عمار منجملہ مہاجرین اولین اور اس



جماعت کے ہیں جنہوں نے بحکم حضرت رسول صلعم کئے سے حبشہ کی جانب ہجرت کی تھی اور عمار نے دو قبیلوں کی طرف نماز ادا کی اور غزوہ بدر اور علاوہ ان کے دیگر غزوات جو بعد بدر کے ہوئے، ہر ایک میں دادمردانگی و شجاعت دی اور جنگ یمامہ میں کہ جہاں مسلمانوں نے فرار کیا عمار نے بڑے بڑے زخم کھائے اور ایک گوش مبارک ان کا کٹ کر دوش پر لٹک رہا تھا۔ باوجود اس کے فرار نہیں کیا اور مشغول کارزار تھے اور اہل اسلام کو پکار بھی رہے تھے کہ ”اے گروہ مسلمانان کیا تم بہشت سے بھاگتے ہو، دیکھو میں عمار ہوں اور کھڑا ہوا ہوں میرے پاس تو آؤ۔“ مگر شبلی نعمانی نے اپنی تصنیف میں جن اصحاب کی فہرست پیش فرمائی ہے ان میں عمار یاسر کا نام نہیں ہے۔ فوق صاحب بلگرامی نے اسوۃ الرسول میں محض یہ تحریر فرما کر اکتفا کیا ہے ایک عجیب بات ہے کہ جو لوگ سب سے زیادہ مظلوم تھے اور جن کو انگاروں کے بستر پر سونا پڑتا تھا یعنی حضرت بلال و عمار یاسر وغیرہ ان کے نام مہاجرین حبشہ کی فہرست میں نہیں ہیں یا تو ان کی بے سرو سامانی اس حد تک پہنچی تھی کہ سفر کرنا دشوار تھا یا یہ کہ درد کے لذت آشنا تھے اور اس لطف کو چھوڑ نہ سکتے تھے۔ میرے خیال میں ممکن ہے کہ شہید علیہ الرحمہ نے جو واقعہ حبشہ میں عمار کی ماموری کا لکھا ہے اس سے مراد ہجرت حبشہ نہیں ہے بلکہ بعد کا قصہ ہے۔ علامہ مجلسی نے ”حیات القلوب“ جلد دوم صفحہ ۶۰۱ پر جو کچھ لکھا ہے اس سے ظاہر ہے کہ جب رسول مقبول مدینہ ہجرت کر چکے اس کے بعد ضعفائے مسلمانان جو کفار کے شدائد میں مبتلا تھے اور کفار انھیں کلمہ کفر کہنے پر مجبور کر رہے تھے ازاں جملہ عمار و یاسر و سمیۃ صہیب و بلال نے ہجرت کا ارادہ کیا کفار نے انھیں پکڑ لیا اور کلمہ کفر کہنے پر مجبور کیا عمار نے تقیاً وہ کلمات کہہ دیے مگر ان کے والدین شہید ہوئے لوگوں نے مدینے میں حضرت رسول مقبول سے کہا عمار کافر ہو گئے۔





آپ نے فرمایا کافر نہیں ہو سکتے وہ سراپا ایمان ہیں۔ جب عمار آئے تو روئے۔ حضرت نے استفسار حال کیا عمار نے واقعہ بیان کیا۔ حضرت نے فرمایا اگر پھر کبھی ایسا کہنے پر مجبور کیا جائے پھر کہہ دینا۔ علامہ مجلسیؒ کے قول کے مطابق عمار نے پیغمبرؐ کی ہجرت کے بعد مدینہ ہجرت کی اور غالباً یہی صحیح ہے۔

جب رسول مقبولؐ نے مسجد نبویؐ کی تعمیر کے لیے زمین مول لے لی اور حضرت نے مسجد کی بنیاد ڈالی اور خود کام کرنے لگے تو مسلمان مہاجرین و انصار بھی ٹوٹ پڑے ان خدمت گزاروں میں عمارؓ یا سر سب سے زیادہ ممتاز ہیں۔ ابن ہشام تحریر فرماتے ہیں:-

سفیان بن عتبہ زکریا سے اور زکریا امام شعبی سے نقل کرتے ہیں کہ پہلا شخص جس نے بنائے مسجد میں ہاتھ لگایا وہ عمار بن یاسر ہیں۔

امام قسطلانی شارح بخاری اور علامہ زرقانی نے مفصلہ ذیل عبارت لکھی ہے طوالت کے خوف سے محض ترجمے پر ہی اکتفا کیا جاتا ہے۔

”تمام مسلمان ایک ایک اینٹ اٹھاتے تھے اور عمار بن یاسر دو دواہنیشیں ایک اپنے حصے کی اور ایک جناب رسول خدا کے حصے کی آنحضرت صلعم نے ان کی پیٹھ پر دست مبارک رکھ کر اور گرد و غبار جھاڑ کر ارشاد فرمایا سب کے لیے ایک ثواب ہے اور تمہارے لیے دو ثواب ہیں اور دنیا میں تیری آخری غذا و دودھ ہوگی اور بخاری نے بعض نسخوں میں اور مسلم و ترمذی وغیرہ نے باسناد مرفوع لکھا ہے کہ آنحضرتؐ نے اس موقع پر یہ ارشاد فرمایا تھا کہ تجھ کو فرقہ باغیہ قتل کرے گا در آنحالیکہ تو انھیں جنت کی طرف بلاتا ہوتا اور وہ لوگ تجھے دوزخ کی طرف بلاتے



ہوں گے۔ زرقانی ۴۴۱

نیز علامہ زرقانی نے صفحہ ۴۴۲ پر اس بشارت نبویہ کے حصول سعادت کی توجیہ میں جو کچھ تحریر فرمایا ہے اس کا ترجمہ حسب ذیل ہے۔

بنائے مسجد میں پہلی اینٹ اٹھانے کی ابتداء جناب رسالت مآب نے اپنے دست مبارک سے اس لیے کی تاکہ اوروں کے لیے باعثِ ترغیب ہو۔ آپ اینٹ اٹھاتے وقت عبد اللہ ابن رواحہ کا یہ شعر پڑھتے جاتے تھے۔

اللّٰهُمَّ لَا اَجْرًا اَجْرًا لِاٰخِرَةِ

فَارْحَمْ عَلٰی الْاَنْصَارِ وَ الْمُهَاجِرِ

پروردگار تو مہاجر و انصار پر رحم فرما اور اجرِ آخرت جو اصل اجر ہے عنایت فرما۔ حضرت علیؑ نے سن کر حسب ذیل شعر نظم کر کے پڑھا۔

لَا يَسْتَوِي مَنْ يَعْمُرُ الْمَسَاجِدَ يَنْدِبُ فِيْمَا قَامَا وَقَاعِدُهُ  
وَمَنْ يَرِثِي عَنِ التَّرَابِ حَائِذَا

اس کا کوئی ہمسر نہیں ہے جو مسجد بناتا ہے اس ارادے سے کہ اس میں کھڑے بیٹھے عمل خیر بجالائے اور خاک کی طرف اپنا میلان خاطر رکھے۔ جناب علی مرتضیٰ نے یہ اشعار بالکل اس غرض خاص سے پڑھے تھے جیسا کہ عام دستور ہے کہ کام کرتے وقت دلچسپی کے لیے شعر پڑھے جاتے ہیں اس سے غرض آپ کی کسی پر طعن نہیں تھی۔

بیہقی، حسن بصری کی اسناد سے لکھتے ہیں کہ جب رسالت مآبؐ نے مسجد کی تعمیر شروع کی تو تمام صحابہ نے آپ کی اعانت

کی اور سب اینٹ مٹی وغیرہ ڈھونے لگے اس وجہ سے ان کے سینے خاک سے آلودہ ہو گئے۔ ایک صحابی عثمان بن مظعون نامی نفاست پسند بزرگ تھے، کسی مٹی اٹھانے والے سے مٹی یا گارا گر پڑا اور وہ ان کے کپڑوں میں بھر گیا انھوں نے اپنے کپڑوں کی طرف نظر کی اس خیال سے کہ مٹی سے کپڑے آلودہ تو نہیں ہو گئے جناب علی مرتضیٰ نے ان کی طرف نظر فرمائی اور شعر مذکور بالا پڑھا۔ حضرت عمار نے اس شعر کو یاد کر لیا اور پڑھنے لگے، عثمان بن مظعون کو برا لگا انھوں نے عمار سے کہا میں تمہاری تعریض کو خوب سمجھتا ہوں۔ ان کے ہاتھ میں اس وقت لوہے کا ایک عصا تھا اُسے دکھا کر عمار یا سر سے کہنے لگے کہ اگر تم اپنی تعریض نہ چھوڑو گے تو میں اسے تمہارے منہ پر دے ماروں گا۔ جناب رسول خدا نے سن لیا سخت برہم ہوئے یہ دیکھ کر لوگ عمار سے کہنے لگے دیکھو آں حضرت تم سے خفا ہو گئے قریب ہے تمہاری شان میں کوئی قرآن کی آیت نازل ہو عمار نے جواب دیا کوئی مضائقہ نہیں میں آپ کے غصے پر بھی راضی ہوں یہ سن کر عمار نے پکار کر عرض کی یا رسول اللہ آپ کے اصحاب میرے پیچھے پڑ گئے ہیں۔ ارشاد ہوا کیسے؟ عرض کی وہ غلے ہوئے ہیں کہ مجھے مار ڈالیں آپ تو ایک اینٹ اٹھاتے ہیں اور مجھ پر دودو اینٹیں لا دیتے ہیں، یہ سن کر آنحضرتؐ نے عمار کا ہاتھ تھام لیا، بنیاد مسجد کا طواف کرایا، اپنے ہاتھوں سے ان کی گرد جھاڑی اور ارشاد فرمایا یا بن سمیہ یہ لوگ تمہیں قتل نہیں کریں گے تم کو ایک



فرقہ باغی قتل کرے گا۔

تاریخ ابن ہشام میں جزا صفحہ ۷۶ مطبوعہ مصریہ واقعہ بہ الفاظ ذیل درج ہے  
ترجمہ پیش کرتا ہوں۔

عمار بن یاسر نے ان اشعار ابن ابی طالب کو یاد کر لیا اور  
پڑھنے لگے اصحاب رسول صلعم میں سے اکثر لوگوں کو یہ اشعار  
سن کر خیال ہوا کہ عمار ہم پر تعریض کرتے ہیں، ان میں سے  
ایک شخص بول اٹھا کہ اے ابنِ سمیہ قسم خدا کی میں تمہاری اس  
تعریض کو سمجھتا ہوں اور اس کا جواب یہ ہے کہ یہ عصا تمہاری  
ناک پر دے ماروں اس وقت اس کے ہاتھ میں عصا موجود تھا۔  
جناب رسول خدا یہ سن کر بہت خفا ہوئے اور لوگوں سے کہنے لگے  
تمہیں کیا ہو گیا ہے پھر عمار سے ارشاد فرمایا کہ تم ان کو جنت کی  
طرف بلاؤ گے اور یہ تمہیں دوزخ کی طرف بلائیں گے تحقیق کہ  
”عمار جلد مابین عینی و نفی“ عمار میری آنکھوں اور میری ناک  
کے درمیان کی جلد ہے جب آپ کا ارشاد لوگوں نے سنا تو پھر  
کسی نے سبقت نہیں کی اور سب نے اجتناب اختیار کیا۔

محدث شیرازی نے ”روضۃ الاحباب“ میں اس واقعے کے متعلق جو کچھ لکھا  
ہے اس کا ترجمہ درج ذیل ہے۔

عمار یاسر نے حضرت علی مرتضیٰ کا یہ رجز یاد کر لیا، اینٹ اٹھاتے تھے اور یہ  
اشعار پڑھتے جاتے تھے، صحابہ میں ایک شخص بیٹھا تھا اور کام نہیں کرتا تھا اس نے  
خیال کیا کہ عمار ہم پر تعریض کرتے ہیں، اس کو غصہ آیا، اس کے ہاتھ میں عصا  
موجود تھا، عصا دکھا کر عمار سے کہنے لگے ”چپ رہو نہیں تو اسی عصا سے تمہاری



ناک توڑ دوں گا“ اس مرد کے کلام جو اس نے عمار سے کہے تھے سن لیے جناب رسولؐ نے، عمار کے حق میں کہا عمار میری دونوں آنکھوں کے برابر ہے صحیح بخاری میں مروی ہے کہ اس دن ہر صحابی ایک ایک اینٹ اٹھاتا تھا اور عمار دو اینٹیں روایت میں ہے کہ ایک اینٹ اپنے لیے اور ایک اینٹ رسول خدا صلعم کے لیے، آنحضرت صلعم خاک ان کے سر سے پاک کرتے تھے اور کہتے تھے ”عمار تجھے فرقہ باغیہ قتل کرے گا، تو انھیں جنت کی طرف اور وہ تجھے دوزخ کی طرف بلائیں گے۔“ عمار نے کہا خدا فتنے سے پناہ میں رکھے۔

تاریخ ابن ہشام نے تحریر فرمایا ہے کہ بعد تعمیر مسجد عقدِ مواخاہ کا انتظام فرمایا اور انس ابن مالک کے مکان میں مہاجرین و انصار کو جمع فرما کر باہمی صیغہ اخوت جاری فرمایا۔ ابن ہشام اور شبلی نعمانی نے جو فہرست پیش کی ہے اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ رسول مقبول نے حضرت عمار بن یاسر کو حذیفہ یمانی کا بھائی بنایا۔ علامہ مجلسی ”حیات القلوب“ جلد ۲ باب اکتیس ۳۱ صفحہ ۶۲۹ جنگ بدر کے سلسلے میں لکھتے ہیں۔

علی ابن ابراہیم نے روایت کی ہے کہ اس شب آں حضرتؐ نے عمار یاسر و عبداللہ ابن مسعود کو کفار کے لشکر کی طرف بھیجا تاکہ اُن کے حالات سے باخبر کریں جب وہ لشکر کفار میں داخل ہوئے سب کو خائف و ترساں پایا، انھوں نے پیغمبر کو اطلاع دی نیز جنگ خندق میں حسب تحریر ”حیات القلوب“ باب ۳۵ صفحہ ۱۳، میں علی ابن ابراہیم سے روایت ہے کہ جب خندق کھودی جا رہی تھی ایک صحابی رسول کا ادھر گزر ہوا عمار یاسر خندق کھودنے میں مصروف تھے اور غبار بلند تھا، اُس صحابی نے

اپنی آستین سے ناک کو چھپالیا اور چلے گئے جب عمار نے ان کی کراہت کو مشاہدہ فرمایا رجز میں وہی شعر پڑھا جو مسجد نبوی کی تعمیر کے وقت پڑھا تھا، اس صحابی نے عمار کو گالی دی اور کہا کہ اے فرزندِ زن سیاہ مجھ کو کہتا ہے اور رسولِ مقبول سے کہا کہ ”ہم نے اسلام اس لیے نہیں قبول کیا ہے کہ لوگوں کی دشنام سنیں“ حضرت نے اس صحابی سے کہا ”اگر تو اسلام نہیں چاہتا تو مجھے کافروں کی پروا نہیں ہے جہاں چاہو جاؤ۔“

غزوہ تبوک کے سلسلے میں حیات القلوب جلد ۲ باب ۴۵ کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

جنابِ امیر مدینے سے رسالتِ مآبؐ کے روانہ ہونے کے بعد چلے، منافقین نے راستے میں ایک گڑھا کھود کر گھاس پھوس سے چھپا دیا تھا، علیؑ ابن ابی طالبؑ نے علمِ امامت کے زور سے اس تدبیر کو معلوم کر لیا اور اس خندق کو پار کر گئے لوگوں سے دریافت کیا کہ یہ حرکت کس کی ہے سب نے انکار کیا پس آپؐ نے اپنے گھوڑے سے دریافت کیا اس نے بزبانِ حال تمام اشخاص کے نام بتا دیئے بعض نے کہا کہ رسولؐ کو مطلع کرنا چاہیے۔ جنابِ امیرؑ نے ارشاد فرمایا کہ وحیِ الہی ہو چکی ہے۔ حضرت رسولؐ مقبول جب عقبہ کے قریب پہنچے انھوں نے وحی کی آمد سے مسلمانوں کو مطلع کیا، منافقین نے فوراً خود کو الزام سے بچانے کے لیے مصلحتِ مبارک باد دی۔ جب پیغمبرؐ واپس ہونے لگے انھوں نے اعلان کر دیا کہ کوئی مسلمان مجھ سے پہلے عقبہ پر نہ جائے اور حدیفہٴ یمانی کو اہلِ عقبہ میں پنہاں



کر دیا۔ پس وہ چوبیس اشخاص آئے، جب سب اپنے مقامات پر متمکن ہو چکے حذیفہ نے ان کی گفتگو سے پیغمبر کو آکر مطلع کیا۔ پیغمبر روانہ ہوئے اور سلمان و عمار اور حذیفہ نے مہار ناقہ تھامی۔ سلمان ناقہ کو ہنکار رہے تھے اور عمار ناقہ کے پہلو میں راہ چل رہے تھے۔ منافقین نے اپنی حرکت کی مگر ناقہ رسول بقدرتِ خدا بلند ہو گیا اور پیغمبر محفوظ رہ گئے۔ حضرت نے عمار سے کہا کہ ”پہاڑ پر جاؤ اور اپنے عصا سے منافقین کے اونٹوں کے منہ پر مارو اور اونٹوں کو عقبہ سے نیچے گرا دو“ عمار نے ایسا ہی کیا اور منافقین کے اونٹ بھڑکے اور اکثر ان میں سے زخمی ہوئے۔

وفاتِ پیغمبرِ اسلام کے بعد عمار یا سر ہمیشہ حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب کے ہمنوار ہے۔ آبان ابن تغلب سے منقول ہے کہ میں نے حضرت جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ ”علیؑ کو خلافت نہ ملنے پر صحابہ میں سے کسی نے اعتراض کیا یا نہیں؟“ آپ نے فرمایا ہاں بارہ آدمیوں نے احتجاج کیا، مہاجرین میں سے مقداد، ابوذر، سلمان، ابوہریرہ، سلمیٰ، خالد بن سعید اور عمار یا سر اور انصار میں سے ابوالہشیم تہیان، عثمان بن حنیف، سہیل بن حنیف، خزیمہ بن ثابت، بن کعب، ابویوب انصاری ”ان لوگوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ علیؑ کا کوئی مخالف منبرِ رسول پر بیٹھے تو ہم اسے اتار لیں، بعضوں نے کہا ایسا نہ کرنا چاہیے جب تک امیر المومنین سے مشورہ نہ کر لیا جائے سب علی کے پاس آئے اور عرض کیا ”یا امیر المومنین آپ نے اپنے حق کو چھوڑ دیا اور اس پر نصرت کرنے سے باز رہے در انحالیکہ پیغمبر نے فرمایا ہے علی حق کے ساتھ ہے اور حق علی کے ساتھ ہے



حق اسی طرف پھرتا ہے جدھر علی پھریں اب ہم لوگوں کا ارادہ ہے کہ آپ کے مخالف کو منبر سے اتار لیں صرف آپ سے اجازت کے طالب ہیں۔“ حضرت نے فرمایا قسم خدا کی اگر ایسا کرو گے تو سب تلواریں کھینچ کر میرے پاس آئیں گے اور کہیں گے کہ بیعت کرو نہیں تو قتل کر دیئے جاؤ گے اور جب ایسا ہوگا تو مجھ پر بھی دفاع لازم ہو جائے گا در انحالیکہ رسول نے مجھے خبر دی ہے کہ مرے بعد یہ اُمت تم سے غدر کرے گی اور میرے عہد کو توڑے گی اور تم کو مجھ سے وہی منزلت حاصل ہے جو ہارون کو موسیٰ سے تھی۔ جس طرح سے بنی اسرائیل نے موسیٰ و ہارون کو چھوڑ کر گنوا سالہ پرستی اختیار کی تھی اسی طرح یہ اُمت تمہیں چھوڑ کر دوسرے کو اختیار کرے گی۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں ان لوگوں کے ساتھ کیا کروں۔ ارشاد فرمایا کہ اگر ناصر و مددگار تمہیں ملیں تو قتال کرو اور اگر نہ ملیں تو اپنے خون کی حفاظت کرو یہاں تک کہ میرے پاس آؤ۔“

امام یوسف گنجی کی کتاب تاخیر الظلامہ الی یوم القیمہ میں مرقوم ہے کہ سالم ابن الجعد ناقل ہیں کہ حاکم وقت نے بنی اُمیہ کا ذکر کیا اور کہا کہ قسم خدا کی اگر میرے ہاتھ میں سنجیاں بہشت کی ہوتیں تو میں بنی امیہ کو دیتا کہ وہ سب کے سب داخل بہشت ہو جاتے اور ہر آئینے میں ان لوگوں کو حاکم اور عامل مقرر کروں گا۔ صرف اس شخص کی ناک رگڑنے کے لیے جو ان سے اختلاف کرتا ہے پھر عمار کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ یہ بات تیری ناک خاک پر رگڑے، عمار نے جواب دیا کہ ”خدا میرے غیر کی ناک زمین پر رگڑے“ یہ سن کر حاکم وقت نے غصے میں کھڑے ہو کر لات سے بڑی مار ماری لوگوں نے چھڑا دیا طلحہ و زبیر بھیجے گئے تاکہ عمار تیں باتوں میں سے ایک بات مان لیں۔ اولایہ کہ مجھے مار لیں یا دیت لیں یا مجھے معاف کریں عمار نے کسی شرط کو نہ مانا اور فرمایا



”میں رسالت مآب سے ملاقات کروں گا اور شکایت کروں گا۔“

صاحب ”استیعاب“ لکھتے ہیں کہ عمار بن یاسر کے باپ قبیلہ بنی مخزوم کے دوست اور ہم عہد تھے اسی بنا پر جب عمار کے پہلو کی ہڈیاں حاکم وقت کے مارنے سے ٹوٹ گئیں اور فقی کا عارضہ پیدا ہو گیا تو بنی مخزوم نے ضارب پر ہجوم کیا اور قسم کھائی کہ اگر عمار مر گئے تو ان کے خون کے عوض میں حاکم کو قتل کریں گے۔

”تاریخ فتوح احمد بن عاثم کو فی“ میں مرقوم ہے کہ حاکم وقت کی ایک سال کی حکومت کے بعد جب ایسی چیزیں رونما ہوئیں جسے مسلمانوں نے پسند نہیں کیا تو اصحاب کے ایک گروہ نے مشورہ کیا کہ حاکم سے چل کر کہنا چاہیے کہ جو کام وہ طریق ثواب کے خلاف کر رہا ہے ان کو چھوڑ دے پھر سب کاموں کے لکھنے کی رائے قرار پائی اور ابتدائے دور سے اس وقت تک جو باتیں نامناسب و بے قاعدہ تھیں وہ سب لکھی گئیں اور لکھا گیا کہ اگر تم نے یہ باتیں ترک نہ کیں تو تمہیں حکومت سے معزول کر دیا جائے گا۔

عمار یہ خط لے کر بھیجے گئے، حاکم وقت مکان سے برآمد ہوئے اور عمار کو کاغذ لیے کھڑا دیکھا۔ عمار سے پوچھا ”اے ابویقظان کوئی حاجت ہے؟“ عمار نے کہا ”مجھے کوئی حاجت نہیں لیکن ایک گروہ نے جمع ہو کر کچھ لکھا ہے“ حاکم نے وہ کاغذ لے کر چند سطریں پڑھیں مگر پھر غضب ناک ہو کر وہ رقعہ ہاتھ سے پھینک دیا۔ عمار نے کہا ”کاغذ اصحاب رسولؐ نے لکھا ہے اس کو ہاتھ سے نہ پھینکو بلکہ بغور مطالعہ کرو اور دیکھو اس میں کیا لکھا ہے اور یقین کرو کہ میں تمہارا خیر خواہ ہوں اور یہ باتیں تمہاری نصیحت کی غرض سے کہہ رہا ہوں“ حاکم نے کہا ”اے پسر سمیۃ تو جھوٹا ہے“ عمار نے فرمایا کہ ”اس میں شک نہیں کہ میں سمیۃ اور یاسر کا بیٹا ہوں۔“ حاکم نے غلاموں کو حکم دیا، ان سب نے مارنا شروع کیا، عمار زمین پر گر



پڑے اور بالکل بے جان ہو گئے چند لائیں پیٹ پر پڑیں بے ہوش ہو گئے اور علتِ فتنِ عارض ہو گئی۔ ہشام ابن ولید مخزومی اپنے قبیلے والوں کے ساتھ آ کر عمار کو اٹھالے گئے لے جا کر بستر پر لٹا دیا دریاں حالیکہ انھیں خبر نہ تھی۔ ان لوگوں نے قسم کھائی تھی کہ اگر عمار نے اس صدمے سے وفات پائی تو مارنے والے کو بھی ہم قتل کریں گے عمار اسی طرح بے ہوش پڑے رہے یہاں تک کہ شب کا بھی کچھ حصہ گزر گیا، نمازِ ظہر و مغرب و عشاءان سے فوت ہو گئی جب درمیانِ شب میں ہوش آیا تو وضو کر کے سب نمازیں پڑھیں۔

”تاریخِ اعثم کو فی صفحہ ۹۹ میں مرقوم ہے کہ ابو ذر کی طرح عمار یا سر بھی ربذہ نکالے جانے کا حکم ہوا تھا، حضرت علیؑ نے جب حاکم کو سمجھایا تو ان سے بھی کہا کہ آپ کو بھی شہر بدر کرنا چاہیے۔ علیؑ نے کہا ”تیری کیا مجال ہے اگر ہمت ہو تو کر کے دیکھو تمہارا کیا نتیجہ ہوتا ہے۔ یہ فسادات تو تمہاری ذات سے ہیں۔“

کنز العمال، ابطال الباطل، شرح تجرید، تاریخ الظلالہ، نجات المومنین، انسان العیون، استیعاب اور نہامیۃ ابن اثیر میں ہے کہ ایک دن عمار یا سر نے حاکم وقت سے کہا کہ ”خدا و رسولؐ سے ڈر اور شریعت کی پیروی کر“ حاکم نے اس قدر پینا کہ فتن کی بیماری ہو گئی۔

حسب تحریر ”تاریخِ اعثم کو فی“، ”کنز العمال“، ”تاریخِ خلفاء“، ”استیعاب رفع الاساسل“ علامہ سیوطی، شرح ابن الحدید سے پتہ چلتا ہے کہ عمار یا سر بھی محمد ابن ابی بکر اور ان کے ہمنواؤں کے ہم آواز تھے۔

جناب امیر نے مقامِ زاویہ میں پہنچ کر اپنے ہمراہیوں کی تعداد پر نظر فرمائی اور طلحہ و زبیر کی فوج کی تعداد سے مقابلہ کیا اور مزید فوج کی ضرورت محسوس کی تو آپ نے ابو موسیٰ الاشعری عاملِ کوفہ کو خط لکھ کر ایک ہزار فوج طلب کی، ابو موسیٰ



نے جواب نہیں دیا۔ امیر المومنین سے پہلے جناب امیرؑ کے حریف کا نامہ پہنچ چکا تھا ابو موسیٰ نے لوگوں کو جمع کر کے جناب امیرؑ کا حکم نامہ سنایا مگر لوگوں کی رائے حضرت امیرؑ کی مدد کرنے کی نہ ہوئی رسالہ المرتضیٰ صفحہ ۹۱

تاریخ طبری میں ابو موسیٰ الاشعری کا خطبہ حسب ذیل الفاظ میں ملتا ہے۔

جب نامہ ابو موسیٰ کو ملا منبر پر گیا اور کہا اے لوگو وہ قرشی سلطنت چاہتے ہیں علی اور طلحہ، جو شخص اس دنیا کو چاہے جہاں جی چاہے جاوے اور جو آخرت کا طالب ہو اپنے گھر میں بیٹھے یہ جانا خلیفہ وقت کی زندگی میں ہونا چاہیے تھا جو کہ خلیفہ روئے زمین تھا اور اس کی بیعت میں شک نہ تھا لہذا مسلمانوں کا فریضہ تھا کہ اس کی نصرت کرتے اور آج مسلمانوں پر اس کے خون کا عوض لینا ضروری ہے۔ اس کے علاوہ فتنہ ہے اور میں نے پیغمبر سے سنا ہے کہ فرمایا بیٹھا ہوا کھڑے ہونے سے بہتر ہے اور سویا ہوا جاگنے والوں سے، پیادہ سوار سے بہتر ہے۔ ہر شخص کو چاہیے کہ گھر میں بیٹھے اور تلوار نیام میں رکھے۔ میں دیکھتا ہوں کہ جب کام ٹھیک ہو جائے گا اس وقت جس شخص کے لیے یہ کام درست ہو جائے اس کی اطاعت و حمایت کی جائے اور جو کچھ کہا جائے اس پر سر تسلیم خم کیا جائے بیعت خلیفہ واجب ہے۔ طبری صفحہ ۵۵۸۔

جب امیر المومنینؑ کو اطلاع ہوئی تو آپؑ نے عبداللہ ابن عباسؓ کو بھیجا مگر ان کا جاننا مفید مطلب نہ ہوا۔ ان کی واپسی کے بعد جناب امیرؑ نے عمار ابن یاسر اور حضرت امام حسنؑ کو کوفہ بھیجا۔ حسب قول مصنف رسالہ المرتضیٰ جو گفتگو ان لوگوں کے مابین ہوئی وہ بہت طویل ہے۔ صاحب ”روضۃ الاحباب“ نے تفصیل سے



لکھا ہے یہاں بخاری کی ایک حدیث درج کرتا ہوں۔

جب طلحہ وزیر بصرے کو روانہ ہوئے علی مرتضیٰ نے عمار یاسر اور امام حسنؑ کو کوفہ بھیجا۔ یہ دونوں حضرات کو نے پہنچ کر منبر پر چڑھے امام حسن منبر کے بالائی حصے پر اور عمار ان سے نیچے کھڑے ہوئے۔

عمار نے کہا طلحہ وزیر وغیرہ بصرہ میں آئے ہیں۔ ان کے ہمراہ زوجہ رسول ہے مگر اللہ تمہاری آزمائش کرتا ہے تاکہ معلوم ہو کہ تم علی مرتضیٰ کی اطاعت کرتے ہو یا زوجہ رسول کی (المرتضیٰ صفحہ ۹۲)

سید الحدیث نے ”تحفۃ الاحیاء“ میں لکھا ہے کہ جب جناب امیر جنگ جمل کی طرف متوجہ ہوئے حضرت امام حسن کو عمار یاسر کے ساتھ بھیجا۔ ابو موسیٰ نے لوگوں کو جانے سے منع کیا امام نے اس پر عتاب کیا۔ ابو موسیٰ نے کہا تیغبر نے اس کو فتنہ کبریٰ کہا ہے اس سے دور رہنا بہتر ہے اور گوشے میں بیٹھ رہنا اچھا ہے عمار نے جواب دیا کہ ”یہ ایسا فتنہ ہے جس میں مستعدی کرنا بیٹھ رہنے سے بہتر ہے اور حق کو باطل سے ممتاز کرنا اچھا ہے۔“

یہ سب حق کے چھپانے کے لیے ابو موسیٰ نے کہا کہ ”جب حق و باطل میں تمیز نہ ہو سکے تو گوشہ نشینی ہی بہتر ہے۔“ عمار نے جواب دیا کہ ”حق اس فتنے میں آفتاب سے زیادہ روشن ہے اور باطل بھی ظاہر ہے لیکن امتیاز سے مانع صرف ضعف بصیرت ہے،“ شیخ اجل جعفر طوسی نور اللہ مرقدہ نے کتاب ”امالی“ میں ابی بنخثہ سے روایت کی ہے کہ انھوں نے کہا کہ میں نے سنا ہے کہ عمار یاسر نے ابو موسیٰ اشعری کو بہت لعنت ملامت کی اور پوچھا کہ ”کون سی چیز تجھ کو متابعت امیر المومنین سے مانع ہو رہی ہے؟ قسم خدا کی اگر تجھے ان کی حقیقت میں کچھ شک ہے تو ”دائرة اسلام سے خارج ہے۔“ ابو موسیٰ نے کہا ”اس قدر غصہ نہ کرو



میں بھی تمہارا بھائی ہوں، عمار نے فرمایا ”میں تیرا بھائی ہرگز نہیں ہوں گا اس لیے کہ میں نے پیغمبر خدا سے سنا ہے کہ شبِ عقبہؐ تو بھی منافقین کے ساتھ آں حضرتؐ کے قتل کے ارادے سے شریک تھا اور رسولِ خداؐ نے تجھ پر لعنت کی ہے، ابو موسیٰ نے کہا ”یہ نہیں سنا کہ حضرت نے میرے لیے استغفار کیا تھا“ فرمایا ”میں نے لعنت کو سنا تھا“ بہر صورت اس گفتگو سے نو ہزار کوئی نصرت پر آمادہ ہو گئے۔

ابنِ جارد نے بسانا نقل کیا ہے کہ راوی کہتا ہے کہ جب امیر المومنینؑ معہ لشکر بصرہ کے قریب پہنچے میں نے دیکھا..... پھر ایک سفید گھوڑے والا آیا اس کے پاس سفید کپڑے اور کالا عمامہ تھا اور اس کو آگے پیچھے خوب مضبوط پیچ دار باندھ رکھا تھا، نہایت تجل و وقار کے ساتھ کلامِ شریف پڑھتا ہوا اسی طرح تلوار گلے میں ڈالے، کمان دوش پر رکھے ہاتھ میں سفید پھیرے والا نیزہ لیے ہزار آدمیوں کے ساتھ جن کی ٹوپیاں مختلف رنگ کی تھیں اور ان کے گرد بوڑھے ادھیڑ اور جوان تھے ان کی درستی اور سکوت ایسا تھا گویا گنتی کے لیے چپ کھڑے ہوئے ہیں، ان کی پیشانیوں پر سجدے کے نشان تھے، میں نے پوچھا تو لوگوں نے کہا یہ عمار ابنِ یاسر اور چند مہاجرین و انصار و اصحابِ رسول صلعم کی اولادیں ہیں۔

شیخ ابو جعفر طوسی علیہ الرحمہ نے موسیٰ بن عبد اللہ ابدی سے روایت کی ہے کہ جب اہل بصرہ شکست کھا چکے اور امیر المومنینؑ نے حکم کیا مادرِ مومنین کو قصر بن حلف میں اتاریں، وہاں پہنچنے کے بعد عمارِ یاسر ان کے پاس گئے اور فرمایا ”اے مادر اپنے فرزندوں کی شمشیر زنی آپ نے دیکھی؟“

مادرِ مومنین نے کہا: ”عمار چونکہ اس وقت تم کو غلبہ ہو گیا ہے لہذا دین میں صاحبِ بصیرت و بصارت ہو گئے ہو“ عمار نے جواب دیا ”قسم خدا کی میری



بصیرت دین کے امور میں اس سے زیادہ ہے جو غلبے کے سبب سے بڑھے یا مغلوبیت کے سبب سے گھٹے۔ قسم خدا کی اگر تم لوگ ہم پر اس طرح سے غالب آتے کہ نخلستان ہجر تک بھگا دیتے جب بھی ہمیں یقین رہتا کہ ہم حق پر ہیں اور تم باطل پر۔“

مادِ مومنین نے کہا ”تمہارے دل میں لوگوں نے ایسا ہی ڈال دیا ہے۔“  
 عمار نے فرمایا ”قسم خدا کی میں نے جو کچھ اختیار کیا ہے حجت و دلیل سے اختیار کیا ہے نہ کسی کے شبہ ڈالنے اور خوبصورت تخیل پیدا کرنے سے۔ میں از روئے یقین جانتا ہوں کہ حضرت امیر علیؑ تمام صحابہ پیغمبر سے زیادہ قاری اور زیادہ تر حافظ کتاب خدا اور علم تفسیر قرآن کے جاننے والے ہیں اور حرمت و تعظیم قرآن میں سب سے زیادہ شدید ہیں علاوہ بریں جو قرب خاص ان کو پیغمبر کے ساتھ حاصل ہے اور جس کثرت سے انھوں نے اسلام میں جہاد کیے ہیں وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔“

جنگ صفین میں امیر المومنین نے ترتیب فوج اور غنیم کے مقابلے کا انتظام شروع فرمایا اور بعد خطبہ احکام جنگ سنائے۔ ان امور سے فراغت کے بعد آپ نے ترتیب کی طرف توجہ فرمائی، لشکر کا نشان ہاشم ابن عتبہ کو دیا، سواروں کو عمار یاسر کی ماتحتی میں اور پیادوں کو بدیل ابن ورقہ کے زیر حکومت دیا مہینہ لشکر پر اشعث کو اور میسرہ لشکر پر حارث ابن مرہ کو مقرر فرمایا اس کے علاوہ قبیلے قبیلے کا جدا جدا افسر مقرر کیا۔

صفین کی چوتھی لڑائی کے بعد عمر بن عاص نے ابونواخ کو بلا کر عمار یاسر کے پاس بھیجا اور کہلا بھیجا کہ اگر تم کو فرصت ہو اور کوئی امر مانع نہ ہو تو میرے پاس چلے آؤ اور ہم تم باہم مل کر طرفین سے مصالحت کر دینے کی نسبت کچھ قرار دیں اور



باہمی اتفاق کی کوئی صورت نکالیں۔ ابونواخ عمار کے پاس آیا اور عمر عاص کا پیغام سنایا، عمار یا سر نے جواب دیا ”میں ضرور آؤں گا“ عمار یا سر نے اپنے چند رفیقوں کو بلایا اور اپنے ہمراہ لے کر عمر عاص کے پاس پہنچے۔ عمار یا سر جیسے خالص الاسلام اور جلیل القدر صحابی نے جو عمر عاص کی عیاریوں سے واقف تھے بہت کچھ نصیحت فرمائی اور پھر عمر عاص اور اس کے جلیسوں سے مخاطب ہو کر معاملہ قصاص پر مبسوط روشنی ڈالی اور یہ ثابت کیا کہ امیر المومنینؓ کا واقعہ قتل سے کوئی تعلق نہیں۔ بہت سے دیگر عمائد جو طالب قصاص ہیں خود قاتلین کے معاون و مشیر تھے نیز یہ کہ معاویہ کو حق قصاص نہیں ہے۔

عمر عاص نے عمار کے قول کی تصدیق کی مگر معاویہ کے متعلق اس نے کہا کہ اُسے طلب قصاص کا حق حاصل ہے۔ عمر عاص نے عمار کی تعریف و توصیف کے بعد خوں ریزی سے بچنے کے تلقین کی، عمار نے اس کی عینارانہ گفتگو سن کر فرمایا کہ ”تو کب تک منافقانہ گفتگو کرے گا بیشک ہم اور تم ایک خدا کو مانتے ہیں، ایک قبلے کی طرف نماز پڑھتے ہیں مگر تیرے ہمراہیوں کو میرے رفیقوں سے کیا کام۔ خدا پرستی، قرآن خوانی، ایمان داری، دینداری، راستبازی ہمارا شعار ہے تمہارا نہیں ہے۔ رسول نے مجھ سے ارشاد فرمایا تھا کہ اے عمار تم ایک جماعت سے لڑو گے جو خدا کے اوپر اپنے عہد و میثاق کو توڑ ڈالنے کو جائز سمجھے گی چنانچہ میں نے تم سے جنگ کی اور تا بمقدور ارشاد نبوی کے بموجب کام انجام دیا۔ حضرتؐ نے فرمایا تھا تم خالموں اور ستمگاروں سے لڑو گے، قاسطوں اور بیدادگروں سے جنگ آزمائی کرو گے، ”تم لوگ اس جماعت سے ہو اور تمہاری ہی یہ صفت ہے۔“ عمر عاص نے کہا ”ہم تو تم سے نرمی سے گفتگو کرتے ہیں اور تم ہم کو گالیاں دیتے ہو۔“ (تاریخ اعثم کونی)



عمر وعاص نے بعد گفتگو کے طویل واقعہ قتل کا الزام عمار یاسر کے سر تھوپنا چاہا۔ بات بڑھی، اہل شام اپنی فرد گاہ تک واپس گئے اور حصین ابن مالک و حارث ابن عوف فوج عمر وعاص سے علیحدہ ہو کر حصص چلے گئے۔

پانچویں لڑائی سے قبل حسب تاریخ اعظم کوئی جب عمر وعاص عمار یاسر کی تقریر سے مایوس ہو کر واپس ہوا تو ایک گروہ اہل شام نے پوچھا کہ ہم نے عمار کے متعلق رسول مقبول کی یہ حدیث سنی ہے کہ عمار یاسر کو حق چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہے۔ عمر وعاص نے تصدیق کی اور فوراً یہ تاویل کی کہ ہم عمار سے کب جدا ہیں۔ تم نے دیکھا کہ وہ کس کشادہ دلی سے مجھ سے گفتگو کر رہے تھے، ان کا شمار ہم میں اور ہمارا شمار ان میں ہے۔ ذوالکلاغ حمیری نے کہا ”تو کیوں انھیں دام فریب میں لیتا ہے تیرے اور عمار کے درمیان جو گفتگو ہوئی وہ میں نے خود سنی۔ انھوں نے تیغ زبان سے تجھے گھائل اور رسوا کیا“۔ عمر وعاص نے پوچھا ”تو کیوں اس صحبت میں شریک ہوا“۔ ذوالکلاغ نے کہا ”تصدیق حدیث یا عمار..... الی النار کے لیے۔“

ذوالکلاغ حمیری نے عمر وعاص کی بھوک اور عمار یاسر کی تعریف۔ عبد اللہ ابن عمر التمیمی نے دونوں کی گفتگو سن کر اہل شام کے کیمپ کو خیر باد کہا اور لشکر جناب امیر میں آ گیا پھر اس نے ذوالکلاغ کو بھی مشورہ دیا کہ وہ لشکر عمر وعاص سے علیحدہ ہو جائے۔ (خلاصہ تاریخ اعظم کوئی مطبوعہ لکھنؤ، صفحہ ۱۸۶)

معاویہ اس خبر سے عمر وعاص پر برہم ہوا۔ عمر وعاص نے جھل کر کہا ”میں نے تو جو کچھ رسول سے حدیث سنی تھی صرف وہی بیان کی، مجھے کیا علم تھا میرے قول سے پست ہمت لشکر کو چھوڑیں گے“ بہر حال دن بھر عمر وعاص اور معاویہ میں کشیدگی رہی دوسرے دن سلسلہ جنگ پھر شروع ہوا۔





صفین کی اٹھارھویں لڑائی شروع ہوئی، جانہن کے لشکر حرکت میں آئے، خوں ریز جنگ ہونے لگی اسی عالم میں عمار یا سر قلب لشکر سے جدا ہو گئے اور اپنے ساتھیوں کی پرجگری اور استقلال کے متعلق پرتاثر تقریر فرمائی اور فرمایا ”بھائیو تم کو معلوم ہے کہ ہم لوگوں نے تین بار رسول مقبول کے ساتھ انھیں لوگوں کے مقابلے میں، جن کو ہم امیر شام کے پاس دیکھ رہے ہیں، جنگ کی ہے، میں آج محض مقابلے پر آمادہ نہیں ہوں بلکہ اپنی موت پر بھی مستعد ہوں۔ اگر میں حریف کے ہاتھوں قتل ہو جاؤں تو میرے ہمراہیوں کو چاہیے کہ مجھے دفن کر دیں۔“ بہر حال عمار یا سر اہل شام سے مقابل ہوئے اور پے در پے مردانہ وار حملے کیے اور دست ضعیف و کہنہ مشق کے جوہر دکھائے، صفوں کو توڑتے ہوئے محافظین معاویہ کے غول تک پہنچے، اہل شام نے عمار یا سر کو محاصرے میں لے لیا۔

صاحب ”استیعاب“ لکھتے ہیں کہ روز جنگ صفین عمار نے ہاشم ابن عقبہ سے کہا کہ ”اے ہاشم آج ہم بہشت میں جائیں گے اور اپنے پیغمبر اور ان کے گروہ سے ملاقات کریں گے۔ قسم خدا کی اگر یہ باغی لوگ ہم کو نخلستان ہجرت بھی بھگا لے جائیں جب بھی ہم کو یہی یقین رہے گا کہ ہم حق پر ہیں اور وہ باطل پر“ یہ فرما کر حسب ذیل رجز پڑھنا شروع کیا۔

نحن ضربنا علی تنزیہ

فالیوم نصر بکم علی تادیہ

ضربا یزیل الہام عن مقیہ

ویدخل الخلیل حسن خلیلہ

او یرجع الحق الی سبیلہ

”ہم وہ ہیں جنھوں نے تم کو تنزیل قرآن کی بنیاد پر مارا اور آج تاویل و تفسیر



قرآن کی بنیاد پر تم کو ایسی مار ماریں گے کہ سر اپنی جگہ پر قائم نہ رہیں گے اور عاشق اپنے معشوق کی محبت بھول جائے گا جب تک کہ حق اپنی جگہ پر نہ پہنچ جائے۔ یہ رجز پڑھنے کے بعد عمار یا سرنے فوج مخالف پر حملہ کیا۔

بنابر تاریخ التواریخ، اور ”تاریخ کامل“ ابن اثیر عمار نے اذن جہاد مانگا، علی ابن ابی طالب نے بادل ناخواستہ اجازت دی سینے سے لگایا اور رخصت کیا۔ عمار سوار ہو کر نکلے ہاشم ابن عتبہ نے علم دار فوج کو پکار کر کہا ”علم آگے لاؤ جنت تلواروں کے سائے میں ہے اور موت برچھیوں کے گرد۔ درجنت کھلا ہوا ہے اور حوریں استقبال کے لیے موجود ہیں۔“ چورانوے ۹۴ سال کی عمر، ہاتھوں میں رعشہ، سر ہلتا ہوا، پلکیں لٹکی ہوئی، جوش محبت میں سینے تانے ہوئے میدان میں بڑھے، میدان میں آ کر خداوند عالم سے خطاب کر کے باوازی بلند کہا۔

”خداوند اتو خوب جانتا ہے میں ہر حال میں تیرا فرمانبردار بندہ ہوں اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ تیری خواہش اس میں ہے کہ دریا میں غرق ہو جاؤں یا آگ میں جل کر خاک ہو جاؤں تو میں اس میں بھی کمی نہ کروں۔ اے مالک اگر تو دوست رکھے تو نوک نیزہ اپنے شکم پر رکھ کر اتنا زور کروں کہ پشت کے پار ہو جائے اور اس وقت تک ہاتھ نہ ہٹے جب تک موت نہ آجائے۔“

”اے معبود جہاں تک مجھ کو تیرے رسول نے تعلیم دی ہے آج کوئی عمل تیری رضا حاصل کرنے کے لیے اس سے بہتر نہیں ہے کہ ان فاسقوں سے جنگ کروں، اے پالنے والے آج اس حق کو ادا کرنے کے لیے اپنے خون میں نہاتا ہوں جس کا وعدہ تیرے رسول سے کر چکا ہوں، تو گواہ رہنا وہ حق ادا ہو رہا ہے اور اپنے بعد کے لیے اگر کوئی وصیت چھوڑتا ہوں تو علی کی محبت و رفاقت۔“ بہر حال مناجات سے فارغ ہو کر گھوڑے کو ایڑ لگائی، دست مرتعش قبضہ شمشیر تک پہنچا،



گھوڑا بارحق سمیت دشمن کے دل میں پہنچا، سپاہ درہم برہم ہوئی، شجاعت کا سکہ فوج شام کے دل پر بیٹھ گیا، کشتوں کے پٹختے لاشوں کے انبار لگ گئے۔

ابن جزء مقابلے میں آیا، عمار نے ایک تلوار میں ابن جزء کے چشم کا جزو اعظم جدا کر دیا پھر لشکر سے جنگ میں مشغول ہوئے۔ عمار یا سرنے باوجود ضعف پیری اہل شام کے متعدد جوانوں کو قتل کیا، ابن جویر السکونی نے عمار یا سر کو بہت سخت زخم لگایا اور اسی محاصرے میں کام تمام کرنا چاہا مگر عمار یا سر کے استقلال، ثبات اور شجاعت نے محاصرے کے ایسے نازک وقت میں بھی ایسے بیش بہا جوہر دکھلائے جنہوں نے اہل شام کی تمام مردانہ اور جوانانہ دلیریوں کو خاک میں ملا دیا اور اہل شام کے اس مستحکم محاصرے کو توڑ کر نکل آئے اور اپنی فوج میں واپس آئے۔ زخم کاری کی شدت اور پیری کے ضعف و نقاہت نے سنبھلنے نہ دیا اپنے غلام رشید سے پانی مانگا خادم نے دودھ و شہد کا پیالہ حاضر کیا اور گھوڑے سے نیچے اترنے سے قبل عمار کو جامِ اخیر سے سیراب کیا۔ عمار نے غلام کی خدمت کو حسرت کی نظر سے دیکھا اور کاسہ شیر کو دیکھ کر فرمایا: ”صدقت یا رسول اللہ سچ فرمایا تھا آپ نے یا رسول اللہ“ لوگوں نے اس کی شرح پوچھی تو آپ نے فرمایا ”رسول“ خدا نے فرمایا تھا کہ اے عمار تجھے گروہ باغی قتل کرے گا۔ تو ان کو جنت کی طرف بلائے گا اور وہ تجھ کو دوزخ کی طرف بلائیں گے اور تیری آخری غذا دودھ ہوگی۔“ خادم سے وہ جام لے کر پیانگروہ شربت زخم کی راہ سے باہر نکل آیا، خادم گھوڑے کی باگ تھام کر اپنے آقا کو میدانِ جنگ سے علیحدہ لایا۔ عمار گھوڑے پر نہ سنبھل سکے، رشید نے سہارا دے کر نیچے اتار زمین پر پہنچتے ہی روحِ قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔ خلاصہ تاریخ طبری جلد ۴ صفحہ ۵۸۰، المرتضیٰ باسنادِ حمیمین شریفین صفحہ ۱۰۴ صاحب تہذیب المتین، روضۃ الصفا جلد ثانی صفحہ



۲۳۹ پر تحریر فرماتے ہیں جب امیر المومنین کو خبر ہوئی اصحاب و انصار کے ساتھ فوراً لاش عمار پر آئے، سرہانے بیٹھ گئے اور عمار کا سر زانوئے مبارک پر رکھا۔ اپنے رفیق قدیم کو مُردہ دیکھ کر اس کی فرط محبت اور محاسن خدمات کا خیال فرما کر قتل نہ کر سکے، بے ساختہ آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور ذیل کے شعر پڑھے۔

الایا ایہا الموت الذی ہوقا صدی

ارحتی فقد افنیت کل خلیلی

اراک بصرأ الذین اجیہم

کانک تنحوا بخیوہم بدلیلی

ترجمہ :- اے موت تو مجھ کو چھوڑنے والی نہیں ہے مجھ کو بھی آجا اور اب مجھ کو بھی راحت دے جب میرے تمام دوستوں کو فنا کر چکی، میں دیکھتا ہوں کہ تو میرے دوستوں کو اس طرح ایذا پہنچاتی ہے یاد دیکھ لیتی ہے کہ گویا کوئی راہ نما ہے جو تجھ کو ان کی جانب راہ دکھاتا ہے۔

جناب امیر المومنین دیر تک لاش عمار پر افسوس کرتے رہے۔ حضرت کے اصحاب و انصار کا ہجوم تھا، حضرت کے علاوہ بہترے ایسے موجود تھے جن کی آنکھوں میں رسول کی محبت گھوم رہی تھی، ہر شخص ان کی باتوں کو یاد کر کے حد سے سوا متاثر تھا۔ حضرت علی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا جو شخص عمار کی وفات سے دل تنگ نہ ہو اس کو اسلام کا کوئی حصہ نہ ملے گا (یعنی اس کا فرض ہو)۔

پھر حضرت نے حسب تحریر صحیح بخاری مطبوعہ میرٹھ صفحہ ۲۴۲ ارشاد فرمایا ”عمار وہ شخص تھا جس سے میں نے کبھی صحبت رسول کو خالی نہ پایا، جب تین آدمی ان کی صحبت میں ہوئے تو چوتھے عمار یا سر تھے اور اسی طرح جب چار آدمیوں کا مجمع ان کی خدمت میں موجود ہوتا تو پانچواں بزرگ یہی ہوتا تھا، یہ وہی مقدس ہے جس کے ہستی ہونے کی



پاک بشارت مخبر صادق نے واضح الفاظ میں فرمائی ہے۔

ان الجنة تشناق ثلثة على وعمار وسمه

(ترجمہ) بہشت تین بزرگوں کی مشتاق ہے۔ علی، عمار اور سلمان کی۔

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نے فرمایا عمار پر صرف ایک مرتبہ بہشت واجب نہیں ہوئی بلکہ بارہا انھوں نے اس کا استحقاق پیدا کیا۔ جنتِ عدن ان کے لیے میوا اور گوارا ہوں اس لیے کہ وہ ایسی حالت میں قتل ہوئے کہ حق ان کے ساتھ تھا اور وہ حق کے مددگار تھے چنانچہ رسولِ خدا صلعم نے ان کی شان میں فرمایا۔

”حق عمار کے ساتھ پھرتا رہے گا جس طرف عمار پھریں۔“

بعد اس کے حضرت نے فرمایا عمار کا قتل کرنے والا اور ان کو برا کہنے والا اور ان کے ہتھیار ٹوٹنے والا آتشِ جہنم میں معذب ہوگا پھر حسبِ تحریر روضۃ الصفا جلد ۲ صفحہ ۲۴، تہذیب المتین صفحہ ۷۰ جنابِ عمار یا سمر کی لاش اٹھا کر کنارِ دریا غسل دیا، نماز پڑھی اور وہیں دفن کر دیا۔

کتاب ”کامل بہائی“ میں قاضی عبدالجبار مغزلی سے منقول ہے کہ انھوں نے کتاب ”محیط“ میں لکھا ہے کہ علی علیہ السلام نے عمار کے قتل سے قبل کبھی اہلِ بغاوت کے قتال میں ابتدا نہیں کی تھی لیکن جب چھ بیسویں روز عمار شہید ہوئے تو حضرت نے اہلِ بغاوت پر کفار کا حکم لگا دیا اور ان کے قتل میں ابتدا فرمائی اور ایک شب میں پانچ سو تیس ۵۳۰ آدمیوں کو اپنے دستِ مبارک سے قتل کیا اور ہر ایک کو قتل کرنے کے بعد تکبیر اس طرح فرماتے تھے جیسا کہ قتلِ کفار میں قاعدہ ہے اور فرماتے تھے جس کو میری تلوار قتل کرے گی وہ جہنم میں جائے گا۔

عمار یا سمر کی شہادت کے بعد عباس صفحہ لشکر معاویہ کے پاس گئے اور حدیث



شقتلك الغثة الباغية اس لشكر کوسنائی اور ان کو بغاوت سے خوف دلایا۔ حضرت عمار کے واقعے سے اہل عراق میں جو پریشانی و افسوس کا اظہار ہو رہا تھا اس سے زیادہ اس واقعے نے انتشار و شورش برپا کر دی۔ ابن جویر اسکی اور ابو لعا دیہ فرازی دونوں قتل عمار میں شریک تھے، دونوں انعام کی لالچ میں باہم جھگڑتے ہوئے عمرو عاص کے پاس پہنچے ان میں سے ہر ایک کا دعویٰ تھا کہ میں نے عمار کو قتل کیا، عمرو عاص نے ان کی تکرار سنی حدیث شقتلك الغثة الباغية نے اسے سرو پا انتشار بنا رکھا تھا، آخر دیر کے سکوت کے بعد عمرو عاص نے ان سے کہا ”تم دونوں جہنمی ہو خدا کی قسم میں نے اپنے کانوں سے رسالت مآب کو کہتے سنا ہے کہ عمار کو فرقہ باغی قتل کرے گا۔“

سوانح عمری حضرت علی صفحہ ۵۷۷ باسناد خصائص امام نسائی و ابن مسعود روضۃ الصفا جلد ۲ صفحہ ۲۴۰ دونوں نے معاویہ کے پاس دعویٰ کی اپیل کی۔ انھوں نے عمرو عاص سے کہا ”اگر تم ہر شخص کے واسطے یونہی اظہار حق سے کام لیا کرو گے تو ہمارا کام نکل چکا۔ ولایت شامی کی امیدیں منقطع ہو جائیں گی تو امارت مصر کے موہوم خیال کب قائم رہ سکتے ہیں۔“ معاویہ نے عمار کے قاتلوں کو سمجھایا کہ ”فرض کرو یہ حدیث صحیح بھی ہے تو تمہارے سر اس کا الزام نہیں، عمار کے قتل کا باعث وہ کہلائے گا جو ان کو اپنے ہمراہ لایا ہو۔“ شدہ شدہ اس قول کا چرچا خاص لوگوں میں ہوا عمرو عاص ولید ابن عقبہ عبد اللہ بن عمر عاص محمد ابن عمر عاص وغیرہ حدیث شقتلك الغثة الباغية کے خیال میں متشکر تھے معاویہ نے ان کے سامنے وہی بات کہی، حاضرین نے تعجب سے دیکھا عبد اللہ ابن عمر و عاص نے کہا ”تیری دلیل کتنی فضول ہے اگر یہ اصول رفع الزام کے لیے قائم کیا گیا تو غزوات رسول میں اہل اسلام کے خون کا الزام کس کے سر جائے گا، جو رسول کی



رِفاقت میں شہید ہوئے اس وقت یہ عذابِ معاذ اللہ کس کے سر جائے گا اگر یہ میرا باپ شریک نہ ہوتا اور اس کی اطاعت فرض نہ ہوتی میں تیری متابعت چھوڑ دیتا۔

علامہ طبری نے یہ مکالمہ عبداللہ ابن عمر خطاب کے متعلق لکھا ہے مگر اس کا ثبوت دشوار ہے۔ صفین میں ان کا کسی طرف ہونا ثابت نہیں اگر یہ کہا جائے کہ اس سے عبداللہ ابن عمر سے مراد ہے تو وہ قتلِ عمار سے قبل مارے جا چکے تھے یہ البتہ ممکن ہے کہ بعد معاملہ صفین عبداللہ بن عمر نے واقعات سن کر اس کے جواب میں یہ رائے قائم کی ہو۔ صاحبِ روضۃ الصفا جلد ۲ صفحہ ۲۴۰ پر طبری کے قول پر تبصرہ فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ بعض تاریخیں یہ کہہ رہی ہیں کہ جب قتلِ عمار کی نسبت معاویہ کا دعویٰ جناب امیر کو معلوم ہوا تو آپ نے اس کے خاموش کرنے کے لیے یہ ارشاد فرمایا تھا۔

بنی امیہ کے موید مؤرخین بھی جب اس مقام پر پہنچتے ہیں تو ان کے ہاتھوں سے بھی قلم چھوٹ جاتا ہے اور وہ امرِ حق کی تصریح پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ حدیث شقتک الفتۃ الباغیہ نے معاویہ کا جما جمایا ظلم توڑ دیا، اس حدیث نے زمانے کی نگاہوں میں اہل شام کی بغاوت کو ثابت کر دیا، یہ حدیث متواترات میں ہے اور صحیحین میں بھی اس کا تذکرہ موجود ہے۔ امام ابولمعالی کتاب ”ارشاد“ میں لکھتے ہیں۔

حدیث شقتک الفتۃ الباغیہ ہومن اثبت الاخبار  
حدیث شقتک الفتۃ الباغیہ نہایت ثابت شدہ احادیث میں ہے۔

امام عبدالبر ”استیعاب“ میں تحریر فرماتے ہیں

ترجمہ:- متواتر حدیثیں جناب رسول خدا سے مروی ہیں کہ  
حضرت نے فرمایا عمار کو باغیوں کا گروہ قتل کرے گا اور یہ

حضرت کی پیشین گوئیوں میں ایک پیشین گوئی جس کا اعلامِ نبوت میں شمار ہے اور نہایت صحیح احادیث میں ہے۔  
علامہ ابن اثیر ”اسد الغابہ“ میں لکھتے ہیں:-

ترجمہ:- ان کے قاتلوں میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں ابو المعادیہ مزنٰی نے قتل کیا تھا اور بعض کا قول ہے کہ جہنی نے انھیں نیزہ مارا تھا۔ جب وہ مر گئے تو ایک دوسرے شخص نے ان پر چڑھ کر ان کا سر کاٹ لیا پس وہ دونوں لڑتے ہوئے آئے ہر ایک ان میں یہ کہتا تھا کہ میں نے عمار کو قتل کیا، عمر عاص کہنے لگا ”واللہ یہ دونوں نہیں جھگڑتے مگر دوزخ میں گرنے کے لیے ہیں واللہ اگر بیس برس پہلے مر گیا ہوتا تو اچھا تھا“۔ اس مضمون کو علامہ ابوالفدا نے تاریخ کامل میں بھی تحریر فرمایا ہے۔

(تاریخ ابوالفدا جلد ۳ صفحہ ۴۲۶)

علامہ شیخ ابن حجر عسقلانی نے ”اصابہ فی مرتہ الصحابہ“ میں لکھا ہے و ظہر یقتل عمار ان الصواب کان مع علی  
عمار کے قتل سے ظاہر ہو گیا کہ حق علی کی جانب تھا (المرتضیٰ صفحہ ۱۱۴)  
ابن طلحہ الشافعی نے ”مطالب السؤل“ میں اس حدیث کی تصدیق کی نسبت اور قوی رائے تحریر فرمائی ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے۔

اکثر یہ بات کہی جاتی ہے کہ معادیہ آنحضرتؐ کے کاتب اور مسلمانوں کے ماموں تھے تم ان پر اور ان کے تابعین پر علیؑ کے جنگ کرانے میں کس طرح بغاوت کا حکم لگاتے ہو کہ وہ اُس اپنے فعل میں راہِ صواب میں بھٹکے ہوئے اور قصدِ بغاوت کے مرتکب اور خدا کی اطاعت سے خارج ہو جانے والوں کے



گروہ میں داخل ہونے والے تھے۔ میں کہتا ہوں کہ میں نے ان بغاوت کے وصف اور اس کے لوازمات کے حکم، بناوٹ اور جھوٹ اپنی طرف سے گھڑ کر نہیں بلکہ بہ حکم نقل اور اتباع کے کیا ہے جس کو محدثین میں سے مشہور آئمہ نے اپنے صحیح مسندوں میں متعدد حدیثوں کے درمیان روایت کیا ہے اور ہر ایک ان میں سے اپنی حدیث کی سند کو آنحضرتؐ تک پہنچاتا ہے کہ عمارؓ سے فرمایا تھا تجھے باغیوں کا گروہ قتل کرے گا۔ یہ ایسی حدیثیں ہیں کہ جن کے اسناد میں کسی قسم کا خلل واقع نہیں ہے اور ان حدیثوں، متون (جمع متن) میں کسی قسم کا اضطراب نہیں ہے۔ بس ثابت ہوا کہ آنحضرتؐ نے عمار کے قاتلوں کے گروہ کو وصف باغی ہونے کے ساتھ قرار دیا ہے اور بنی کا وصف اس گروہ سے علیحدہ نہیں ہو سکتا۔ اس گروہ کے لیے یہ وصف لازم ہے اور باغی کے معنی ظلم اور کثرتِ فساد کے ہیں۔ پس جو شخص باغی ہوا وہ ظالم و جابر اور عدل سے تجاوز کرنے والا ہے اور خدا کی اطاعت سے خارج ہونے والا ہے پس عمار کے قتل کرنے والوں کا گروہ آنحضرتؐ کے فرمانے کے مطابق انھیں صفات کے ساتھ موصوف ٹھہرا۔ (سوانح عمری علیہ السلام صفحہ ۷۷۷) بخاری، مسلم، ترمذی صفحہ ۲۲۱ مسطر ۶۔ جامع صغیر اور حاشیہ تفسیر الباری شرح بخاری نواب وحید الزماں صاحب۔

ترجمہ:- اے عمار تجھ کو فرقہ باغی قتل کرے گا جبکہ تو بہشت کی طرف بلاتا ہوگا اور وہ تجھے دوزخ کی طرف۔ ”اسد الغابہ“ میں ہے عمار ایسا ایمان دار ہے کہ اس کا ہر استخوان مغز ایمان سے ٹھوس بنایا گیا ہے۔

حیات القلوب ”العمار جلد۱“ بہین عینی“ عمار میری آنکھوں کے درمیان کا پردہ ہے نیز یہ بھی حدیث رسولؐ ہے۔ یدد الحق مع عمار حیثما دار حق اسی طرح پھرتا ہے جس طرف عمار گردش کرتے ہیں۔

جامع صغیر سیوطی میں ہے بہشت بہت مشتاق ہے علی اور عمار و سلمان و مقداد کی طرف۔

ابن بابویہ بسند معتبر گریزہ ابن صالح سے روایت کی ہے کہ ابو ذر نے کہا شہادت دیتا ہوں میں کہ علی خدا کے ولی ہیں گریزہ نے کہا یہی شہادت آنحضرتؐ کے لیے سلمان فارسی مقداد، عمار و جابر ابن عبد اللہ انصاری و ابو الہیثم بن الہتان و خزیمہ بن ثابت ذوالشہادتین و ابو ایوب صاحب خانہ رسول خدا ہاشم ابن عتبہ نے دی ہے۔ ابو ذر نے کہا کہ سب افاضل اصحاب رسولؐ میں تھے۔

نیز ابن بابویہ بسند معتبر لکھتے ہیں کہ حضرت امیرؓ سے عمار کے متعلق پوچھا گیا تو آپؐ نے فرمایا کہ ”عمار ایک مومن تھا جس کا مغز استخوان ایمان سے بھرا ہوا تھا جو کام بھولا ہوتا تھا جب یاد کرادیا جاتا تھا جلد یاد کر لیتے تھے۔“

حب عربی راوی ہیں کہ عبد اللہ بن عمرؓ نے دیکھا کہ دو شخص باہم خاصہ کر رہے ہیں ہر ایک کہتا تھا کہ میں نے عمار کو قتل کیا، عبد اللہ بن عمرؓ نے کہا ”یہ دونوں خاصہ کر رہے ہیں اس امر میں کہ کون جلد جہنم میں جائے گا۔“ پھر ”کہا میں نے سنا رسول خداؐ نے فرمایا کہ عمار کا قتل کرنے والا اور ان کے لباس و اسلحہ کا لینے والا جہنم میں ہے۔“

نیز روایت ہے کہ جب عمار شہید ہو گئے لوگ حذیفہ کے پاس آئے کہ یہ شخص قتل ہو گیا ہے اور لوگوں میں اختلاف ہے ان کے قتل ہونے میں کہ وہ حق پر قتل ہوئے یا ناحق آپؐ کا کیا ارشاد ہے۔ حذیفہ نے کہا ”مجھے بٹھا دو ایک شخص نے انھیں اٹھایا اور اپنے سینے پر ان کو تکیہ دیا“ حذیفہ نے کہا میں نے رسول خداؐ سے سنا ہے کہ آنحضرتؐ نے سو مرتبہ فرمایا ابو الیقظا ان فطرت اسلام پر ہے اور وہ فطرت اسلام کو ترک نہ کرے گا یہاں تک کہ مر جائے۔“

جناب عائشہ سے مروی ہے کہ رسول خدا نے فرمایا اختیار نہیں کرتے عمار دو کاموں سے مگر اس کام کو جو ان پر دشوار تر ہو۔

”کنز العمال“ میں ہے کہ آیہ موؤت کی شرط وفانہ کی مگر سات اشخاص نے سلمان ابوذر، مقداد ابن اسود، جابر ابن عبد اللہ انصاری اور آزاد کردہ رسول خدا کہ ان کو بیعت کہتے ہیں اور زید ابن ارقم۔

علی ابن ابراہیم نے امام جعفر صادق سے روایت کی ہے کہ آیہ ان الذین آمنوا وعملوا الصلحت كانت لهم جنات الفردوس نزلا ابوذر مقداد سلمان وعمار کی شان میں نازل ہوئی ہے۔

حضرت امام جعفر صادق و امام رضا سے روایت ہے کہ ان مومنوں کی ولایت و محبت واجب ہے جنہوں نے بعد وفات پیغمبر مقداد، عمار، جابر، حذیفہ، ابوہشیم، سہیل ابن حنیف، ابویوب انصاری، عبد اللہ بن صامت، خزیمہ ذو الشہادتین و ابو سعید خدری اور جس نے ان کا طریقہ اختیار کیا ہے اور ان کے کردار کو نمونہ عمل بنایا ہے۔

حضرت امیر المومنین سے روایت ہے کہ زمین سات اشخاص کے لیے پیدا کی گئی ہے، ان کے سبب سے روزی اہل زمین کو ملتی ہے اور انہیں کی برکت سے بارش ہوتی ہے اور انہیں کے سبب سے یاری کی جاتی ہے۔ وہ سلمان، ابوذر، مقداد، عمار، حذیفہ اور عبد اللہ ابن مسعود ہیں۔ پس حضرت نے فرمایا۔ ”میں ان کا امام و پیشوا ہوں اور انہیں لوگوں نے نماز فاطمہ زہرا میں شرکت کی!“

نیز بہ سند معتبر امام رضا سے روایت ہے کہ حضرت رسول مقبول نے فرمایا ”عمار حق پر ہوگا جس وقت کہ قتل ہوگا درمیان دو لشکر کے، ان میں سے ایک میرے راستے اور سنت پر ہوگا اور دوسرا دین سے خارج“۔

کتاب ”احتجاج“ میں امیر المومنین سے روایت ہے کہ جب رسول مقبول



نے وفات پائی اور میں نے رسول کو غسل دیا اور دفن کیا، میں قرآن جمع کرنے میں مشغول ہوا۔ جب اس سے فارغ ہوا تو فاطمہؓ اور حسنؓ و حسینؓ کا ہاتھ پکڑا اور تمام اہل بدر اور ان لوگوں کے گھروں پر گیا جنہوں نے دین میں سبقت کی تھی اور انہیں اپنے حق کی قسم دی اور ان سے مدد چاہی۔ کسی نے ان میں سے لبیک نہ کہا مگر چار اشخاص، سلمان، ابوذر، مقداد اور عمار نے۔

اصحٰب ابنِ نباء نے روایت کی ہے کہ عبد اللہ ابنِ کوانے امیر المومنینؑ سے اصحاب کے بارے میں پوچھا۔ آپ نے ہر ایک کے بارے میں کچھ ارشاد فرمایا، عمار کے بارے میں جب سوال ہوا تو آپ نے فرمایا کہ ”وہ مرد تھا جس پر خدا نے آتش جہنم کو حرام قرار دیا ہے اور جہنم اس کے گوشت و خون کو چھو نہیں سکتی۔“

ایضاً یہ سند معتبر مروی ہے کہ ایک گروہ امام رضاؑ کے در دولت پر حاضر ہوا اور کہا کہ ”ہم شیعہ ایمان امیر المومنینؑ سے ہیں“ حضرت نے عرصے تک ان کو منع کیا داخلے کی اجازت نہ دی۔ جب انہیں اجازت دی انہوں نے شکایت کی، حضرت نے فرمایا ”کیونکہ تم کو اجازت دینا کہ تم غلط دعوے کرتے تھے کہ ہم شیعہ ایمان امیر المومنینؑ سے ہیں اور آنحضرتؐ کا شیعہ نہیں تھا کوئی مگر حسنؓ و حسینؓ، سلمان، ابوذر، مقداد و عمار و محمد ابن ابی بکر جنہوں نے مخالفت نہ کی ان امر سے جن کا انہیں حکم دیا گیا۔“

تفسیر امام حسن عسکریؑ میں مرقوم ہے کہ ایک روز صبح کے وقت رسول خداؐ نے اصحاب سے پوچھا کہ تم میں سے کس نے اپنے عزت و رتبے سے اپنے برادر مومن کی مدد کی جناب امیرؑ نے فرمایا ”میں نے“ حضرت سے پوچھا کیونکہ، جناب امیرؑ نے فرمایا میں عمار یا سر کے پاس سے گزرا ایک یہودی ان سے لپٹا ہوا تھا اور قرض ادا کرنے پر مصر تھا عمار نے مجھے دیکھ کر کہا ”اے برادرِ رسول خداؐ یہ یہودی آپ کی محبت کی وجہ سے مجھے اذیت پہنچا رہا ہے اور مجھے ذلیل کرنا چاہتا



ہے مجھے اس کے ہاتھ سے نجات دلوائے اپنے جاہ و عزت کے صدقے میں۔“ جب میں نے چاہا کہ اس یہودی سے عمار کے بارے میں کلام کروں عمار نے کہا ”اے برادرِ رسول! خدا میں تمہیں دیدہ دل سے زیادہ عزیز رکھتا ہوں اس سے کہ آپ اس کافر سے شفاعت کریں میری شفاعت اس ذات سے کیجیے جو آپ کی حاجت رو نہیں کرتا اور اس سے ادائی قرض کے لیے شفاعت کیجیے میں نے دعا کی۔ خداوندِ جو آرزو عمار کی ہے پورا کر“ بعد دعا کے میں نے کہا کہ ”ہاتھ بڑھاؤ اور جو کچھ از قسم پتھر اور ڈھیلہ وغیرہ مل جائے اپنے سامنے لاتا کہ تمہارے لیے طلا خالص ہو جائے۔“ پس عمار نے ہاتھ بڑھایا اور ایک پتھر اٹھایا جس کا وزن کئی من تھا۔ وہ بقدرتِ حق تعالیٰ طلا خالص بن گیا۔ عمار نے یہودی سے پوچھا ”تیرا کتنا قرضہ ہے۔“ یہودی نے کہا ”تیس درہم۔“ عمار نے پوچھا ”قیمت اس کی کتنی ہے۔“ یہودی نے کہا ”دینار“ عمار نے اس وقت دعا کی خداوندِ جس شخص کے طفیل میں تو نے پتھر کو طلا خالص بنادیا تجھے اسی کی قسم ہے اس طلا کو نرم کر دے تاکہ میں یہودی کے حق کے برابر توڑ سکوں، قدرتِ خدا سے وہ طلا نرم ہو گیا۔ عمار نے آسانی سے تین مثقال اس میں سے توڑ لیا اور یہودی کو دے دیا پس عمار نے باقی سونے کی طرف نظر کی اور کہا خداوندِ اس میں نے سنا ہے کہ تو نے فرمایا ہے قرآن میں کہ ان الا نسان لیطغی ان راہ استغنیٰ یعنی بد رستیکہ آدمی طامع ہو جاتا ہے اس سبب سے کہ وہ خود کو بے نیاز پاتا ہے اور میں بے نیازی کو نہیں چاہتا جو میرے طغیان کا سبب ہے پس خداوندِ اس طلا خالص کو اس ذات کے صدقے میں جس کے صدقے میں اسے طلا بنایا پتھر بنا دے۔ عمار نے اُسے پھینک دیا اور ”کہا میرے لیے دنیا و آخرت میں یہی کافی ہے کہ اے برادرِ رسول! خدا تیرا دوست و شیعہ رہوں۔“ جناب رسالت مآبؐ نے فرمایا



ملانکہ ہفت آسمان نے اس کے قول پر تعجب کیا اور درگاہِ خدا میں عمار کی مدح و ثنا کی اور صلوات و رحمتِ الہی عرشِ ان پر نازل کی۔

رسولؐ نے کہا ”بشارت ہو اے ابولیقطان کہ تو علی کے ساتھ دیانت میں ان کا بھائی ہے“ ان کے دوست داروں میں سے، نیکوں میں سے ہے، ان لوگوں میں سے جو علی کی محبت میں قتل ہوگا، تجھے گروہِ باغی قتل کرے گا اور آخری غذا تیری ایک صاع دودھ ہوگا اور تو دودھ پینے کے بعد انتقال کر جائے گا اور روح تیری ارواحِ محمدؐ و آلِ محمدؐ کے ساتھ نیکو ترین مخلوق میں ہوگی اور تو ہمارے نیک شیعوں میں سے ہے۔“

نیز اس تفسیر میں منقول ہے کہ جب جنگِ اُحد میں مسلمانوں کو سختیاں اٹھانی پڑیں اور وہ مصائبِ جھیل کر مدینے واپس آ گئے ایک گروہِ یہودیوں کا حذیفہ اور ”عمار کے پاس آیا اور کہا تم لوگوں نے نہیں دیکھا جو اُحد میں ہوا، محمدؐ کی جنگ بادشاہوں کی طرح ہے جو کبھی غالب ہوتے اور کبھی مغلوب، اگر پیغمبر ہوتے ہمیشہ غالب ہوتے پس ان کے دین سے پھر جاؤ۔“ حذیفہ نے کہا خدا کی تم پر لعنت ہو میں تمہارے ساتھ نہیں بیٹھ سکتا اور بات نہیں کر سکتا اور تمہاری بات نہیں سن سکتا اور تم سے اپنی جان و دین سے ڈرتا ہوں، اس لیے بھگا رہا ہوں، وہ سامنے سے اُٹھ کر بھاگ گئے۔ عمار نے جواب دیا ”رسولؐ نے اپنے اصحاب سے وعدہ نصرت و ظفر کیا بدر میں اس شرط پر کہ وہ صبر کریں انھوں نے شرطِ صبر و وفا کی اور فتح یاب ہوئے، اُحد میں بھی بشرطِ صبر وعدہ نصرت رسولؐ نے کیا مگر انھوں نے صبر نہیں کیا اس وجہ سے ایسا ہوا جو انھوں نے دیکھا۔ اگر وہ اطاعت کرتے ضرور فتح یاب ہوتے۔“ یہودیوں نے کہا ”اے عمار اگر تم اطاعت کرتے اس پتلے پاؤں سے بزرگانِ قریش پر فتح پاتے“ عمار نے کہا ”بیشک قسم ہے اس خدا کی جس نے رسولؐ کو حق پر مبعوث کیا ہے کہ محمدؐ نے ہمیں فضل و حکمت کی معرفت کرا دی ہے اور



اپنے وصی کی فضیلت سمجھادی ہے اور اپنے اہل بیت کی اطاعت کا حکم دیا ہے اور ہمیں بتایا ہے کہ اگر اعتقادِ کامل کے ساتھ دعا کرو گے البتہ وہ کام پورا ہوگا۔ حتیٰ کہ اگر تم ہم سے کہو تو آسمان کو زمین پر اتار لیں اور زمین کو آسمان پر پہنچا دیں۔ ضرور اللہ ہمیں اس کی قوت دے گا۔“ یہودیوں نے کہا ”تمہارا مرتبہ نزد محمدؐ پست تر ہے۔“ اس دعوے سے ان میں چالیس منافق بھی تھے، عمار وہاں سے اُٹھ کر رسالتِ مآبؐ کے پاس آئے۔ حضرت نے فرمایا حذیفہ حفظِ دین کے لیے بھاگے شیطان سے اور بندگانِ شائستہ سے ہے لیکن تم نے اے عمار مجاہدہ کیا اور میری خیر خواہی کی تُو بہترین جہاد کرنے والا ہے، ناگاہ یہودی آئے اور عمار کے دعوے کے متعلق بیان کیا اور کہ ”اگر آپ سچے نبی ہیں تو عمار سے کہیے کہ وہ اپنی پتلی ٹانگوں کے ساتھ یہ پتھر زمین سے اٹھالیں۔“ آنحضرتؐ اس وقت بیرونِ مدینہ تھے اور ایک پتھر اتنا وزنی تھا جسے ۲۰ آدمی ہلانہ سکتے تھے۔ حضرتؐ نے عمار کو حکم دیا کہ میری اطاعت کرو اور خدا سے دعا کرو کہ مجھے قوت عطا فرما اور اس مشکل کو آسان کر دے جس طرح کالب بن یوحنا پر تو نے مشکلِ آسان کی تھی۔ عمار نے صدقِ دل سے یہ کلمات کہے اور وہ پتھر اٹھالیا اور بہ قسم کہا کہ یہ پتھر سبک تر ہے پیغمبرؐ نے حکم دیا۔ عمار نے اس پتھر کو ہوا میں پھینکا جو بقدرتِ خدا اس پہاڑ کی چوٹی پر جو ایک فرسخ کے فاصلے پر تھا عمار کے ہاتھ کی قوت سے پہنچ گیا۔ رسالتِ مآبؐ نے یہودیوں سے کہا دیکھا تم نے عمار کی قوت۔ پھر حضرتؐ نے عمار سے کہا ”اس پہاڑ کی چوٹی پر جاؤ اس پر ایک عظیم پتھر ہے جو اس پتھر سے کئی گنا وزنی ہے اسے اٹھا لاؤ۔“ عمار گئے اور وہ پتھر بغل میں دبا کر پیغمبرؐ کے پاس لائے۔ حضرتؐ نے زمین پر اس پتھر کو پھینکنے کا حکم دیا یہودی ڈرے اور بھاگے۔ عمار نے اُسے چلک دیا، ریزہ ریزہ ہو گیا۔ پس بعض ایمان لائے۔



جب ابو جہل نے عمار پر سختی کی اللہ نے اس کی انگوٹھی کو اتنا تنگ کر دیا کہ وہ زمین پر گر پڑا اور پیراہن کو اس پر اتنا گراں کر دیا جو آہنی زرہ سے زیادہ وزنی ہو گیا۔

ابو جہل نے عمار سے رہا کرنے کو کہا۔

عمار نے انگوٹھی اتار دی اور پیراہن جدا کر دیا۔

ابو جہل نے کہا مکے سے باہر چلے جاؤ تا کہ محمدؐ پر عیب نہ کرو کہ میں نے انگوٹھی

اور پیراہن اتارا۔

عمار مدینہ آئے۔ اصحاب نے کہا ”کیا سبب ہے کہ تو نے بایں معجزہ نجات پائی اور تیرے والدین شہید ہو گئے۔“

عمار نے کہا ”یہ اللہ کی مرضی ہے کہ اس نے ابراہیم کو آگ سے نجات دی اور یحییٰ کو ذریعہ قتل ہو گئے۔“ رسالت مآبؐ نے کہا عمار تو بزرگ اور دانایوں میں ہے۔

”روضۃ الواعظین“ میں امام موسیٰ جعفرؑ سے مروی ہے کہ بروز قیامت ایک منادی ندا کرے گا ”کہاں ہیں حواریان محمدؐ جنہوں نے عہد نہیں توڑا اور اپنے عہد پر باقی رہے۔ پس اٹھے عمرو بن حق خزاعی، میثم تمار، محمد بن ابی بکر، اویس قرنی۔“ راوی نے امام محمد باقرؑ سے پوچھا عمار کے بارے میں کیا حکم ہے۔

حضرتؑ نے فرمایا۔ ”خدا رحمت نازل کرے عمار نے قتال کیا خدمت جناب امیرؑ میں اور شہید ہوئے۔“

راوی نے پوچھا اس سے عظیم منزلت نہ ہوگی۔

حضرت متوجہ ہوئے اور فرمایا ”تم خیال کرتے ہو وہ مثل تین نفر سلمان، ابوذر و مقداد کے ہو سکتا ہے ہیہات ہیہات۔“

راوی کہتا ہے عمار کیا جانتے تھے کہ اس روز شہید ہوں گے۔ حضرتؑ نے کہا جب اس روز آتشِ حرب مشتعل ہوئی اور کشتہ زیادہ ہوئے عمار صفِ جنگ سے





علیحدہ ہوئے اور خدمتِ جنابِ امیرؓ میں آئے اور کہا ”یا علیؓ میرے مرنے کا وقت آ گیا ہے“۔ حضرت نے صف میں واپس ہونے کا حکم دیا اس نے تین بار سوال کیا۔ حضرت نے وہی جواب دیا۔ آخر میں حضرت نے فرمایا ”ہاں“۔ پس مردانہ وار صف میں واپس ہوئے اور یقین کے ساتھ مصروفِ جنگ ہوئے اور کہا آج محمد اور ان کے دوستوں سے ملاقات کروں گا۔

رسالتِ مآبؐ نے فرمایا ”بہشت تین آدمیوں کی مشتاق ہے اے علی تیری، سلمان اور عمار کی جو جنگوں میں تمہارے ساتھ رہے گا اور مشہد میں اس سے نیکی ظاہر ہوگی اور اس کا نورِ عظیم اور اجر بزرگ“۔

”اختصاص“ میں عیسیٰ ابنِ حمزہ سے روایت ہے کہ انھوں نے صادقِ آلِ محمد سے پوچھا کہ ”وہ چار شخص کون ہیں جن کی مشتاقِ جنت ہے“ حضرت نے کہا۔ ”سلمان، ابوذر، مقداد، عمار“، راوی نے پوچھا ”ان میں سے کون بہتر ہے“۔

حضرتؐ نے کہا۔ سلمان پھر ان کے بارے میں کچھ ارشاد فرمایا۔

جابر بن عبد اللہ انصاری نے امام محمد باقرؑ سے پوچھا مختلف اصحاب کے بارے میں، جب عمار کے متعلق پوچھا تو حضرت نے فرمایا۔ ”وہ ہم سے ہے۔ خدا دشمن رکھے جو اُسے دشمن رکھے اور دوست رکھے اُسے جو اُسے دوست رکھے“۔

کتاب ”بشارة المصطفى“ میں مرقوم ہے کہ ایک دن جنابِ رسالتِ مآبؐ بعد نمازِ عصر محراب میں بیٹھے تھے اصحاب کا ہجوم تھا ناگاہ ایک مرد عرب بوسیدہ لباس، پریشان صورت حاضر ہوا، شدتِ مرض سے جسم میں رعشہ تھا۔ حضرت نے حال پوچھا اس نے عرض کیا ”یا حضرت بھوکا ہوں کھانا عطا فرمائیے، برہنہ ہوں کپڑا مرحمت فرمائیے، فقیر ہوں غنی کیجیے“۔ آپؐ نے فرمایا۔ ”خیر کا راستہ دکھانے والا خیر کرنے والے کے مثل ہے تو فاطمہؑ کے گھر جا وہاں مراد بر آئے گی“۔ یہ فرما کر



بلال کے ساتھ اسے خانہ سیدہ پر بھیج دیا۔ باب فاطمہؑ پر اس نے سلام کیا۔ جواب سلام ملا۔ اعرابی نے اپنا ماجرا کہہ سنایا۔ سیدہ کے گھر میں تیسرا فاقہ تھا۔ پوست گوسفند جس پر ان کا اونٹ کھاتا اور رات کو حسینؑ سوتے تھے اسے عطا کیا۔ سائل نے ”کہا میں بھوکا ہوں آپ گوسفند عطا فرماتی ہیں“۔ یہ سن کر سیدہ عالمیہ نے گلوئے اقدس سے گلوبند اتار کر سائل کو دے دیا۔ سائل نے کر مسجد رسول میں آیا اور کہا ”مخدومہ عالم نے خادم کو یہ گلوبند بیچنے کو دیا ہے“۔ عمار نے اجازت طلب کی حضرت نے فرمایا ”خرید لو اگر تمام جن وانس بھی اس کی خریداری کریں تو سیدہ کی برکت سے نجات پائیں عذاب الہی سے“۔

عمار نے قیمت پوچھی۔ اعرابی نے کہا ”اس قدر گوشت جس سے میں سیر ہو جاؤں۔ ایک لمبی چادر جس سے بستر کر سکوں اور دینار و طلا جو ز ادراہ میں کام آئے“ عمار یا سرنے کہا اس کے عوض بیس دینار طلا و سودرہم ہجری ایک لمبی چادر اور اس قدر گوشت روٹی کہ تو سیر ہو جائے اور ایک اونٹ دینے پر رضامند ہوں“ عمار نے گلوبند لے لیا اور قیمت ادا کر دی۔ اعرابی نے دعا دی، پیغمبرؐ نے فاطمہؑ زہراؑ کی فضیلت اصحاب سے بیان کی اور زیارت فاطمہؑ کا فضل بیان فرمایا۔

الحاصل عمار نے اس گلوبند کو مشک سے معطر کیا، لمبی چادر میں لپیٹ کر حصہ رغیبت میں سے ایک مقدار کے ساتھ اپنے غلام سہم کو دیا اور کہا ”اسے خدمت نبوی میں لے جا، میں نے تجھے بھی حضرت ہی کو دیا“۔ غلام نے خدمت رسالت میں آکر عرض کیا۔ حضرتؐ نے فرمایا ”تو فاطمہؑ کے پاس جا، یہ گلوبند فاطمہؑ کو دے دے میں نے تجھے بھی فاطمہؑ کو بخشا۔ معصومہ عالم نے گلوبند لے لیا اور سہم کو آزاد کر دیا۔

## عمّارِ یاسر

علامہ ڈاکٹر سید ضمیر اختر نقوی

گلِ گلزارِ رفاقت ہے گلوبندِ حسنین    گوہرِ درجِ ریاضت ہے گلوبندِ حسنین  
 نکستِ غلہِ موڈت ہے گلوبندِ حسنین    مخزنِ جود و سخاوت ہے گلوبندِ حسنین  
 پئے امدادِ غلامی ہے گلوبندِ حسنین  
 عقدِ زہرا کی سلامی ہے گلوبندِ حسنین  
 ہے یہ منقول ، گلوبندِ بتولِ عذرا    جو سدِ مثلِ ہلالِ آپ کی گردن میں رہا  
 ایک سائل کو رہِ دینِ خدا میں بخشا    ان کا یہ فیض و ترجم ، یہ شعارِ اُمت کا  
 حلقہ رسی کا پئے زیبِ ناشاد ملے  
 طوقِ لوہے کا پئے گردنِ سجاد ملے  
 اُس گدائے وہ عطیہ رکھائے آنکھوں پر    کی دُعا اس سے زیادہ ہو کرم کا جوہر  
 بولیں زہرا کہ نہیں کچھ ہوئی دولت و زر    طوقِ طاعاتِ الہی ہے ہمارا زیور  
 یہ دُعا دے کہ محمدؐ سے دعا لے زہرا  
 نار سے اُمتِ عاصی کو بچا لے زہرا  
 وہ گلوبند لئے پیشِ نبیؐ جب پہنچا    بولے احمدؑ کہ اسے بچ کے کام اپنا چلا  
 پوچھا تمہارے سائل سے کہ مولِ اس کا ہے کیا    عرض کی اُس نے عنایت جو کرے میرا خدا  
 نقد کچھ بہرِ علاجِ دلِ صد چاک ملے  
 پیٹ کو رزق ملے جسم کو پوشاک ملے



اپنے گھر لے گئے عمار اُسے بہر کرم وہ غذا اُس کو کھلائی کہ ہوا تازہ دم  
ایک ناقہ دیا، اک بردیمانی اُس دم سُرخ دینار دیئے یک صد و پنجاہ درم  
بھوکے پیاسوں پہ یہ ہو لطفِ گلو بندِ بتول  
اور ادھر فاقے پہ فاقے کرے فرزندِ بتول

لے کے پہنچا وہ گدا پیشِ نبی مال و زر بولایہ سب شے مُرسل کی زباں کا ہے اثر  
بولے احمد کہ یہ ہے بخششِ زہرا کا ثمر فکر امت کی اُسے رہتی ہے ماں سے بڑھ کر  
یہی امت مگر اس درجہ بدل جائے گی  
باپ پر رونے نہ دے گی اسے تڑپائے گی

اُس گلو بند کو عمار نے سائل سے لیا پھر اُسے چادر پاکیزہ میں ملفوف کیا  
سہم تھا ایک غلام اُن کا، اُسے بلوایا دے کے چادر اُسے دربارِ نبی میں بھیجا  
پھر کہا اُس سے تو اب تک تھامے گھر کا غلام  
آج سے تو بھی ہوا میرے پیمبر کا غلام

سہم نے جا کے محمدؐ کو دیا یہ پیغام بھیجے زہرا کو نبیؐ نے وہ گلو بند و غلام  
ہدیہ لے کر یہ کیا فاطمہؑ زہرا نے کلام جاتجھے کرتے ہیں آزاد ہم اللہ کے نام  
سہم اب سہم نہ تُو قلب ترا شاد ہوا  
خُر جسے ہم نے کہا نار سے آزاد ہوا

سہم خوش ہو گیا بولا کہ زہرا! خدا معجزہ ہے یہ گلو بندِ جنابِ زہرا  
شاد سائل کو کیا جسم کو ملبوس ملا سیر بھوکے کو کیا بندے کو آزاد کیا  
کلمہ کیوں نہ پڑھوں شام و سحر بی بی کا  
منجِ نعمتِ کونین ہے گھر بی بی کا



غربت و فقر کا حامی ہے گلو بندِ حسین نسبتِ حق سے دوائی ہے گلو بندِ حسین  
 دیں کی تاریخ میں نامی ہے گلو بندِ حسین پیشِ معبودِ گرامی ہے گلو بندِ حسین  
 فیضِ زہرا سے یہ اعجازِ نمائی کی ہے  
 اس گلو بند نے بھی عقدہ کشائی کی ہے

## شہیدِ معرکہِ صفین حضرتِ عمارِ یاسر

باقترِ رضوی امانت خانی

نازک ہے رگِ گل سے بھی پیمانِ محبت کانٹوں ہی کے اوپر ہے گلستانِ محبت  
 ڈوبا ہوا ہے خون میں دیوانِ محبت دل تلکتے ہیں جس میں وہ ہے میزانِ محبت  
 آفات کا معیار ، محبت کی کسوٹی  
 تلوار کی ہے دھارِ محبت کی کسوٹی  
 اس راہ میں ہر گام پہ کرتا ہے جگر آہ خود موت ، مسافر کے رہا کرتی ہے ہمراہ  
 ہیں ایک ہی منزل پہ گدا ہوں کہ شہنشاہ ہے خون کے دھارے پہ محبت کی گزرگاہ  
 پیشانی پہ خود اپنی لہو ملتے ہیں عشاق  
 سر لے کے ہتھیلی یہ یہاں چلتے ہیں عشاق  
 دل کا ہے لہو انجمنِ آرائے محبت طوفان کی موجوں میں ہے دریائے محبت  
 گل کہتے ہیں پُر خار ہے صحرائے محبت آئینہٴ منزل ہے کفِ پائے محبت  
 منزل سے ہوا آتی ہے ایک ایک قدم پر  
 لوعزم کی تھرتھاتی ہے ایک ایک قدم پر



اس راہ میں چلنے کے لیے دل ہو شادہ ثابت قدمی کی ہے یہاں ساکھ زیادہ  
انساں کا یہاں چاہئے پختہ ہو ارادہ کہتے ہیں محبت جسے کانٹوں کا ہے جادہ  
کرتی ہے مظفر دل الفت کی صداقت  
منزل کو بتاتی ہے محبت کی صداقت

محبوب سے محبوب خدا کے جوہر الفت مومن کی نگاہوں میں ہو خود اپنی ہی رفعت  
دل بن کے ہو سینے میں اگر اجر رسالت ہر سانس میں تحلیل ہو حیدر کی محبت  
آئینہ اخلاص میں الفت کا ہو جوہر  
نبضوں کی روانی میں محبت کا ہو جوہر

حیدر کی محبت میں نہاں جوہر جنت حیدر کی محبت کا سبق دفتر جنت  
حیدر کی محبت میں ہے اک منظر جنت حیدر کی محبت ہے کلید در جنت  
اس باغ میں ایمان کا شاداب شجر ہے  
گلوں جنال الفت حیدر کا ثمر ہے

رکھی دل عرفان کی بنا حُبِ علیؑ نے ایمان کو ایمان کیا حُبِ علیؑ نے  
دل کو شرف کعبہ دیا حُبِ علیؑ نے لکھا سبق حُبِ خدا، حُبِ علیؑ نے  
صورت سے منافق کی نقاب اس نے اٹھادی  
کی ہیزم عصیاں پہ نظر آگ لگا دی

ہر شے میں یہی حُبِ علیؑ جلوہ نما ہے اس کے ہی سہارے سے تو ایمان کی بقا ہے  
یہ ماحصل جذبہ عرفان خدا ہے حیدر کی ولایت کا سبق اس نے پڑھا ہے  
معبود کی مرضی ہے، رضا حق کے ولی کی  
اسلام کی تکمیل، ولایت ہے علیؑ کی



اقرارِ ولایت سے صدف میں بنے گوہر اقرارِ ولایت ہی سے خنداں ہے گل تر  
 اقرارِ ولایت سے بنا سنگ میں جوہر اقرار کا حاصل ہیں اولو العزم پیہر  
 موسیٰ کو عصا حق نے دیا اس کے صلے میں  
 تمنغہ ید بیضا کا ملا اس کے صلے میں  
 بستر پہ نبیؐ کے ہوا اظہارِ ولایت سوتا تھا وہاں طالع ، بیدارِ ولایت  
 ہاتھوں پہ پیہر کے تھا شہکارِ ولایت میدان میں خُم کے ہوا اقرارِ ولایت  
 ساغر کو موذت کے لیا دستِ ولی سے  
 وہ پل گئے اخلاص جو رکھتے تھے علیؑ سے  
 میخوار ہیں میخانہ خُم کے یہ سراسر مقدادِ خوش انجام ، کمال اور ابوزر  
 حجر و بن یاسر سے جری میثم و قنبر سلمان و رشید ہجری ، مالک ابشر  
 کس اوج پہ ہے خلد کے میخوار کا رتبہ  
 کیا پوچھتے ہو حضرت عتار کا رتبہ  
 تاریخ یہ کہتی ہے یمن تھا وطن ان کا لکھا ہے کہ تھا والدہ کا نام سُمتا  
 یاسر تھے پدر ان کے جو تھے صاحب رُتبا کفار سے تا عمر پہنچتی رہی ایذا  
 ایسے ہیں مصائب کہ نہیں تاب بیاں میں  
 ٹوٹے ہیں پہاڑ ان پہ مظالم کے جہاں میں  
 گُفار نے یاسر کو وہ پہنچائی اذیت جس سے ہوئے اس عالم فانی سے وہ رخصت  
 بوجہل نے پہنچائی سُمتہ کو جراحت نیزے سے کیا وار ہوئی ان کی بھی رحلت  
 اسلام کی تھی روح سُمتہ کے بدن میں  
 یہ پہلی ہیں خاتون شہادت کے کفن میں



عمار کو دیتے تھے اذیت ستم آرا کوڑوں سے انھیں جلتی ہوئی ریت پہ مارا  
خالق کے سوا کوئی نہ تھا ان کا سہارا وہ ظلم تھا ان پر کہ نہ تھا ضبط کا یارا  
دامن میں اجل کے وہ نظر آتے تھے اکثر  
اس ظلم سے بے ہوش وہ ہو جاتے تھے اکثر

اک دن انھیں کفار نے ریتی پہ لگا کر سینہ پہ رکھا آگ سا پتہ ہوا پتھر  
اس حال میں کرتے تھے زد و کوب شنگر مظلوم پہ وہ ظلم کیا بن گئی جاں پر  
اصرار تھا ہو دین کے رہبر کی برائی  
کہتے تھے کرو منہ سے پیمبرؐ کی برائی

آنکھوں میں تھی عمار کے ایمان کی خویر کی جان بچانے کے لیے آپ نے تدبیر  
بدگوئی اسلام تو کی دل میں تھی تو قیروں یوں قصرِ ثقیہ کی ہوئی قلب میں تعمیر  
اس قصر پہ قرآن کے احکام تھے کندہ  
دروازوں پہ اللہ کے سب نام تھے کندہ

دریائے وفا خون تھا طوفان تھا دل میں بت، بیچ تھے اللہ کا عرفان تھا دل میں  
اسلام کے حق ہونے کا یقین تھا دل میں تھا کفر زباں پر مگر ایمان تھا دل میں  
اسلام کے رخ پر دل بیٹا کی نظر تھی  
تکوار نہ تھی ساتھ ثقیہ کی سپر تھی

مطلب جو ستمگاروں کا یوں ہو گیا پورا عمار کو اب ظلم کے زندان سے چھوڑا  
خدمت میں پیمبرؐ کی جو پہنچے یہ قضا را آنکھوں میں تھے اشکوں کے گہر جسم میں لرزا  
فرمایا پیمبرؐ نے کدھر آئے ہو عمار  
کچھ تو کہو، کیا آج خبر لائے ہو عمار



## ۷۷۳ اصحاب امیر المومنین

عمارؓ نے کی عرض ، کہوں کیا خبر بد آقا ہوں خطا کار پشیمان ہوں بے حد  
اب کیجے دعا ، رحم کرے خالقِ امجد دل کو ہے یقیں میں نہیں ہرگز ہوا مُرتد  
جاں بچ گئی میری مرے اندازِ بیاں سے

بدگوئیِ اسلام نہ ہوئی میری زباں سے  
فرمایا نبیؐ نے کہ ترے دل میں ہے اب کیا عمارؓ نے کی عرض ہے ایمان کا جلو  
ارشادِ پیبرؐ ہوا کچھ غم نہ کھا اصلاً آفت یہ پھر آئے تو عمل پھر یہی کرنا  
کی مہر صداقت کی جو قرآنِ میں نے  
دی صاف تقیہ کی اجازت شدہ دیں نے

آیت تو یہ کہتی ہے اگر خوف سے جاں کے الفاظ کوئی کُفر کے دانستے ہی کہہ دے  
اللہ کی درگاہ میں پرش نہیں اس سے ہے شرط کہ ہوں قلب میں ایمان کے جلوے  
احکامِ تقیہ کی جو حامل ہوئی آیت  
خودشان میں عمارؓ کی نازل ہوئی آیت

رکھتے تھے محبت کا جو طوفان وہ عمارؓ جو ہو گئے ایمان پہ قربان وہ عمارؓ  
جس نے لیا صفین کا میدان وہ عمارؓ جو خلق میں چوتھے ہیں مسلمان وہ عمارؓ  
احمدؓ کی زباں نے انھیں پاکیزہ کہا ہے  
پہلے پہل ان سے ہی تو مسجد کی بنا ہے

دل ان کا ذرِ معرفتِ حق کا تھا مخزن بوائے گلِ ایمان سے مہکتا رہا دامن  
ارشادِ پیبرؐ سے ہوا صاف یہ روشن عمارؓ کا دشمن جو ہے وہ حق کا ہے دشمن  
اصلاح کرو دہر میں کردار کی لوگو  
فرمایا روش پر چلو عمارؓ کی لوگو



تھی جس پہ ظفرِ کُفر کو دشوار وہ عمار میدان میں جو تھے آہنی دیوار وہ عمار  
تھے رزمِ اُحد میں جو طرحدار وہ عمار خندق میں جو تھے برسرِ پیکار وہ عمار  
ان کے دلِ مخلص میں تھا ہر رنگ کا جوہر

آئینہٴ غزوات میں تھے جنگ کے جوہر  
فرماتے تھے اصحاب سے مسجد میں پیبرِ مامور ہوں میں چار کی الفت پہ سراسر  
سلمان ہیں اک دوسرے مقداؔ خوش اختر ان ہی میں ہیں عمار بھی اور حیدرِ صُفدر  
پروانے یہ ہیں شمعِ حرمِ حق کے ولی ہیں  
یہ مثل ہیں تاروں کے، قمران میں علیؑ ہیں

نقاشِ ازل نے وہ عطا کی انھیں رفعت کھینچی ورقِ قلب پہ تصویرِ محبت  
حق بات بیاں کرتے ہیں پیغمبرِ رحمت فرمایا کہ مشتاق ہے عمار کی جنت  
ارشاد ہے باطل سے یہ منہ پھیرے ہوئے ہے  
عمار کو ہر سمت سے حق گھیرے ہوئے ہے

جس دن ہوئی اجماعی خلافت پہ چڑھائی اسلام کی بگڑی ہوئی صورت نظر آئی  
دی حق نے جو میدان میں پیبرِ مکی دہائی عمار کی پیری نے بھی شمشیر اُٹھائی  
میدان میں اک آہنی دیوار بنے تھے  
صفین میں حیدرؑ کی یہ تلوار بنے تھے

وہ گندی رنگ اور وہ اُن کا قدِ بالا آنکھیں وہ بڑی بنی الف سینہٴ شادا  
بالوں کی سفیدی میں سحر کا وہ اُجالا نظروں میں وہ صفین کے میدان کا نقشہ  
تصویرِ شجاعت کی وہ ابرو کی شکن میں  
عکسِ رُخِ یوسفؑ کی ضیا چاہِ ذقن میں



عمار کا صفین کے میدان میں وہ آنا سیسے کی طرح رن میں پرا اپنا جمانا  
افواج کی کثرت کو نگاہوں سے گرانا پیری میں جوانی کے وہ انداز دکھانا  
شمشیر کے پانی میں روانی نظر آئی  
صیقل میں زلیخا کی جوانی نظر آئی

دنیا ہے اُھر رن میں اُھر دیں کے دلی ہیں وہ جانِ اُمید ہے، نئی کے یہ انہی ہیں  
وہ شام کا حاکم ہے یہ احمد کے وحی ہیں اک سمت معاویہ ہے اک سمت علی ہیں  
میدان ہے یا جذبہ عرفاں کی کسوٹی  
صفین کی ہے جنگ کہ ایماں کی کسوٹی

عمار کا لکھتا ہے سراپا مرا خامہ بہزاد نے لکھا مجھے توصیف کا جامہ  
اُجلا سا بہت چُست تن پاک میں جامہ روشن وہ جبین، فرق پہ کالا وہ عمامہ  
اُڑتا ہوا کپڑے کا پھریرا وہ سناں پر

حیدر کی ولا قلب میں قرآن زباں پر  
گھوڑا وہ سفید اُس کی وہ شوخی وہ چھلدا میدان ہتھیلی ہے تو یہ اُس پہ ہے پارا  
کہتا ہے فلک عید کے دن کا ہے اُجالا انجم کا بیاں یہ تو سحر کا ہے ستارا  
راکب کی طرح اس کو شہادت کی لگن ہے  
خود اس کی سفیدی سے عیاں رنگ کفن ہے

صفین میں غازی یہ رسالوں کا ہے افسر شمشیر گلے میں تو کماں دوش جری پر  
گر رات کو تلوار چلائے یہ غضنفر تا صبح تڑپتا ہی رہے شام کا لشکر  
رعشہ ہے ضعیفی سے مجاہد کے بدن پر  
وہ دیکھتے حملہ کیا عمار نے رن پر



انصار سے کہہ کر یہ بڑھاتے ہیں وہ ہمت یہ وقت ہے ہو جائے اب اظہار شجاعت  
اے لوگو یہ حیدر کی حمایت میں ہے نصرت تلوار کی ہے باڑھ کے نیچے ہی تو جنت  
سائے میں شہادت کے اماں تم کو ملے گی  
سر اپنا کٹاؤ تو جہاں تم کو ملے گی

فرماتے تھے اعدا سے یہ میدانِ دغا میں غزوات لڑے تین نبوت کی فضا میں  
جنگیں یہ تھیں ہمراہی شاہِ دوسرا میں اب جنگ یہ چوٹی ہے مری راہِ خدا میں  
مطلب یہ تھا ہے شافعِ محشر کی لڑائی  
حیدر کی لڑائی ہے پیمبر کی لڑائی

دیتے تھے وہاں دادِ شجاعت کی جو حیدر اعدا کو دکھاتے تھے یہ شمشیر کے جوہر  
میدان میں حملے وہ کیا کرتے تھے بڑھ کر رہ رہ کے رجز تھے یہی غازی کی زباں پر  
تاویل پہ ہم اس طرح آبِ آکے اڑے ہیں  
تنزیل پہ قرآن کی جس طرح لڑے ہیں

حملہ کیا عمار نے لشکر کو بھگایا ہوتا رہا تلوار سے فوجوں کا صفایا  
میدان میں جو سر کسی خود سرنے اٹھایا سرکٹ کے گرا گود میں پھل جنگ کا پایا  
تیروں کو کیا قطع کمانوں کو بھی کاٹا  
اس بوڑھے صحابی نے جوانوں کو بھی کاٹا

ساقی وہ لگائی ترے غنچوار نے ضربت بسمل ہیں عدد دے مجھے اک جامِ مسرت  
یوں مجھ میں بڑھے کیفِ مئے اجرِ رسالت ساغر میں اترنے لگے عمار کی صورت  
نقشہ میں ترے خاص صحابی کا بیاں ہو  
چلتی ہوئی شمشیر مرے منہ میں زباں ہو



پی کر اے اشعار کہا کرتے تھے حسان پُر کیف جو مالک ہوئے سر کر لیا میداں  
مستی میں ابو ذر بھی ہوئے نزع میں خنداں سلمان کا پینے ہی سے کامل ہوا ایماں  
تنہا تھے کھڑے خون کی منجد ہار پہ میثم

نشہ جو چڑھا، چڑھ ہی گئے دار پہ میثم  
ساقی وہ گھرے نزع افواج میں عمار زخمی ہے بدن چلتی ہے تلوار پہ تلوار  
بہتا ہے لبو زخ پہ نقاہت کے ہیں آثار ہر قطرہ خوں کہتا ہے یا حیدر کرار  
کس طرح لڑے فوج سے جس کو نہ کل آئے

حملہ کیا افواجِ عدو سے نکل آئے  
ٹھہرا نہ گیا ضعف کے عالم میں فرس پر بھر کر، دیا خادم نے انھیں دودھ کا ساغر  
کہنے لگے خادم سے یہ اُس جام کو پی کر صادق تھے وہ کچ کیوں نہ ہوا رشادِ پیغمبر  
بولے تھے نبی شیر کو پی کر ہی مرے گا  
اک فرقہ باغی ہی تجھے قتل کرے گا

یہ کہہ کے سوئے خلد سدھارا وہ غضنفر اطراف تھے میت کے سب انصار کھلے سر  
مولا سے کہا حال یہ اسوار نے جا کر پاتے ہی خبر لاش پہ خود آگئے حیدر  
زانو پہ رکھا فرق کو خالق کے ولی نے

عمار کو میدان میں کیا دفن علیؑ نے  
باقر دل اصحاب میں عمار کا غم ہے حیدر کی حمایت میں یہ اعدا کا ستم ہے  
صفین کے میدان میں طوفانِ الم ہے خود حیدر کرار کی اب چشم بھی نم ہے  
مرثگان پہ بھی اب جانِ نبوت کی ہیں آنسو  
کیا غم ہے کہ آنکھوں میں امامت کی ہیں آنسو

## حذیفہ بنتِ حلیمہ سعدیہ

### امیر المومنین حضرت علیؑ کے کمالات کی ایک شیدائی

#### نسبی و ادبی اصول:

حذیفہ کے نام سے بہت کم لوگ آشنا ہوں گے لیکن ان کی ماں کے نام سے شاید ہی کوئی مسلمان ناواقف ہو۔ ان کی والدہ حلیمہ سعدیہ بنت ابوذریب (عبداللہ بن حارث بن شجنہ بن زرام بن ناضرہ بن سعد بن بکر بن ہوازن) کافی مشہور ہیں۔ عرب کے قدیم دستور کے مطابق شہری بچوں کی ابتدائی تربیت دیہات میں ہوتی تھی۔ جناب رسولؐ خدا نے بھی چھ سال تک حلیمہ کی آغوش کو سرفراز فرمایا۔ یہ نسبت قبیلہ ہوازن کے لیے ایک پروانہ شرف بن گئی۔ جناب رسولؐ خدا حلیمہ کا ادب کرتے۔ ایک بار وہ حضرت سے ملنے آئیں۔ حضرت اطلاع پاتے ہی اُٹی اُٹی فرماتے ہوئے دوڑے اور ان کے لیے اپنی عبا بچھادی (طبقات بن سعد)

ایک بار حلیمہ کو جناب رسولؐ خدا کی تاملی زندگی کے دیکھنے کا بھی موقع ملا۔ حضرت خدیجہ کا شانہ رسالت کا چراغ بن چکی تھیں۔ قبیلہ ہوازن قحط کا شکار ہوا، حلیمہ کے جانور بھی مر گئے۔ وہ جناب رسولؐ کے پاس آئیں تو حضرت نے ان کو جناب خدیجہ کے پاس بھیج دیا۔ حضرت خدیجہ نے اس نسبت کی وجہ سے انھیں



عقیدت و اخلاص کی نگاہ سے دیکھا۔ انھیں چالیس (۴۰) بکریاں، چالیس قیمتی اونٹ پورے ساز و سامان کے ساتھ دیئے (طبقات بن سعد)

”مورخ مغلطائی“ کا خیال ہے کہ انھیں اسلام کی دولت نصیب ہوئی۔ حلیہ پر موصوف نے ایک رسالہ بھی لکھا ہے۔ حذیفہ کی ماں کا نام جس قدر مشہور ہے اتنا ہی ان کے والد حرث عبدالعزی بن رقاءہ مضری (۱/۱۹ مناقب ماثند رانی) کا نام گوشہ گننامی میں ہے۔ اصحابہ ابن حجر سے صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ موصوف نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ حذیفہ کے ایک بھائی اور تین بہنیں تھیں (۱) عبداللہ (۲) اہلیہ (۳) حذیفہ (۴) حذافہ (شیما) (طبقات بن سعد ۹/۱۲۳ اصحابہ بن حجر عسقلانی) ابن سعد عبداللہ اور شیما کے اسلام کا ذکر کرتے ہیں۔ حذافہ جن کو شیما بھی کہتے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ سب سے بڑی تھیں یہ ماں کے ساتھ رسول خدا کی تربیت میں حصہ لیتی تھیں، تاریخ میں ان کی لوریاں ابھی تک محفوظ ہیں، وہ جناب رسول کی دلچسپی کے لیے کہا کرتی تھیں۔

(ترجمہ) یہ میرے رضاعی بھائی ہیں۔ میری ماں کے شکم اور میرے باپ اور چچا کے صلب سے نہیں ہیں۔ (زرقالی مواہب مدینہ ۱۷۶) ایک اور لوری میں یہ شعر ہیں۔ (ترجمہ) پروردگار محمد کو زندہ رکھ، میں ان کو جوان دیکھوں، پھر میں ان کو سردار دیکھوں، پروردگار اس کولافانی عزت عطا کر۔ ان لوریوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ حذافہ میں اجابیت کا عنصر کافی تھا فتح مکہ کے بعد قبیلہ ثقیف و ہوازن نے متحدہ محاذ بنایا اور مسلمانوں پر حملہ کیا۔ اس معرکہ کو جنگ حنین کہتے ہیں۔ یہ قبائل مغلوب ہو گئے۔ اسیروں میں شیما (حذافہ) کا نام بھی آتا ہے۔ کافی عرصے کے بعد ملاقات ہوئی۔ انھوں نے خود ہی جناب رسول سے اپنا تعارف کرایا۔ حضرت نے عزت سے انھیں اپنی چادر پر بٹھایا۔ قبیلہ ہوازن کے بعض



افراد نے جناب رسولؐ سے کہا۔ اسیروں میں آپ کی خالائیں، پھوپھیاں اور بہنیں ہیں۔ حضرت نے اپنا اور بنی عبدالمطلب کا حصہ واپس کر دیا۔ مسلمانوں نے بھی اس نسبت کا احترام کیا اور اپنے حصے واپس کر دیے۔ (۱/۳ طبقات بن سعد)

جناب رسولؐ نے شیما (خُذافہ) کو تین لونڈی غلام، کچھ روپیہ اور چند بکریاں دے کر رخصت کیا ۷۲/۲ ”استیعاب“ ابن عبد البر اس موقع پر بھی عبد اللہ اہلیہ کے نام تاریخ کی زبان پر نہیں آئے۔ غالباً شیما (خُذافہ) میں سب میں بڑی تھیں۔ انھیں سے جناب رسولؐ سے گفتگو ہوئی اور تاریخ کو ان کا نام یاد رہ گیا۔ علامہ ابن شہر آشوب نے (۱/۸۶) یہ لکھا ہے کہ جناب رسولؐ خدا کے رضائی بھائی بہن حُرث کی اولاد سے عبد اللہ و اہلیہ اور خُذافہ تھے۔

میرا خیال ہے کہ حلیمہ کی اولاد میں خُذیفہ ذہنی صلاحیتوں کے لحاظ سے سب میں ممتاز تھیں۔ انھوں نے اسلام کا آغاز دیکھا، ان کے سامنے جناب رسولؐ خدا کی مکی، مدنی زندگی اور خلفا کا دور اور امیر المومنینؑ اور امام حسنؑ کا زمانہ خلافت، اموی دور کا اچھا خاصہ حصہ گزرا، انھوں نے عمر بھی کافی پائی۔ تاریخی تبدیلیوں پر ان کی نظر معلوم ہوتی ہے۔ حالات کے مطالعے نے ان میں بصیرت پیدا کر دی تھی۔

## خُذیفہ کے نام میں تفحیف:

حلیمہ کی ایک صاحبزادی کا نام بحار الانوار مجلسی (۱۱/۲۹) میں حرہ بنت حلیمہ مذکور ہے اور علامہ بیہانی نے منہج المقال (۴۰۰) میں حریرہ اور حویرہ لکھا ہے لیکن حلیمہ کی اولاد میں کسی کا نام حرہ یا حویرہ نہیں ملتا۔ غالباً خُذیفہ بگز کر حویرہ یا حریرہ اور حرہ ہو گیا ہے یا جس طرح خُذافہ کا ایک نام شیما بھی تھا خُذیفہ ہی کا نام حرہ بھی ہو سکتا ہے۔



## حذیفہ اپنی تقریر کے آئینے میں

زندگی کے آخری دور میں حذیفہ نے حجاج بن یوسف ثقفی کے سامنے جناب امیر المومنین کے متعلق جو دلیرانہ بیان دیا ہے اس سے حذیفہ کی شخصیت کے خاکے میں رنگ بھرا جاسکتا ہے۔ حذیفہ کا یہ کارنامہ حلیمہ کی نسل کے لیے سرمایہ شرف ہے۔ اور تاریخ اسے ہمیشہ آنے والی نسلوں کے سامنے رکھے گی۔ حجاج نے اچانک حذیفہ کے سامنے ایک مسئلہ رکھا۔ یہ مسئلہ پیچیدہ تھا۔ اس کا صحیح جواب حجاج کے لیے ایک تلخ حقیقت تھا۔ ناگوار حالات میں حذیفہ نے اپنے عقیدے کو جس طرح استدلال سے مسلح رہ کر پیش کیا ہے دل اس پر بے ساختہ آفرین کہنے لگتا ہے۔

بے شک وہ طلیق اللسان، جری، مخلص، وفادار تھیں۔ بادۂ ولایت آل محمدؐ سے سرشار تھیں۔ حجاج بن یوسف ثقفی ۹۵ھ ایک تاریخی ظالم تھا۔ سادات کرام اور آل محمدؐ کے شیدائیوں کو جس قدر اس نے تہ تیغ کیا ہے ایک قصاب اپنی پوری زندگی میں اتنے جانور نہ ذبح کر سکا ہوگا۔

علامہ فرید وجدی مصری نے دائرۃ المعارف القرآن القرین (۳/ ۵۳) میں لکھا ہے حجاج نے قتل و خون ریزی میں ایسے نئے ڈھنگ نکالے جس کی مثال دوسری جگہ نہیں ملتی۔

عہدِ اموی کے وحشیانہ تشدد نے سرفروشوں کی نظر میں ظلم کی دہشت کم کر دی تھی۔ واقعہ کر بلانے دل و جگر میں ہمت و جرات کا خون دوڑا دیا تھا۔ ایک قرشی سے جب کہا گیا کہ یزید کی غلامی کا اقرار نہ کرو ورنہ قتل کر دیئے جاؤ گے تو اس نے یہ کہتے ہوئے جان دے دی کہ حسین بن علی بن رسول اللہ کے قتل کے بعد میرے قتل کی کیا حیثیت ہے۔ (۱/ ۱۱۰) (روضۂ کافی کلینی بحار الانوار مجلسی ۱۱/ ۴۰)

حذیفہ حجاج کے سامنے آئیں۔ اس نے دیکھتے ہی کہا تم ہو (حذیفہ) حذیفہ



نے کہاں ”ہاں میں وہی ہوں“۔ یہ ایک غیر مومن کی فراست ہے۔ حجاج کے طرزِ خطاب میں استبداد و آمریت کی بوہٹی۔ حذیفہ نے محسوس کیا کہ اس کی رگِ نخوت پر نشتر زنی کا صحیح وقت یہی ہے۔

## قتل کی دھمکی:

حجاج نے فوراً کہا خدا نے تم کو میرے پاس بھیجا ہے ان لفظوں میں حجاج نے قتل کی دھمکی دی۔ حجاج نے پھر کلام شروع کیا ”مجھے تمہارے متعلق یہ معلوم ہوا ہے کہ تم علی ابن ابی طالب کو ابو بکر و عمر و عثمان پر فضیلت دیتی ہو“۔

شوقِ شہادت نے حذیفہ کے عقیدت و عمل کے شعلے کو بھڑکا دیا۔ وہ عہدِ رسولؐ اور عہدِ خلفاء اور خود حضرت علیؑ کے دور میں ان کی زندگی کے مطالعے کا پورا پورا موقع پا چکی تھیں۔ حجاج کے اس سوال کے بعد ان کے سامنے موت مجسم ہو کر آگئی لیکن ان کا اطمینان اور انجامِ آخرت پر یقین دیکھنے کے قابل ہے۔

خوف و ہراس کا نام و نشان نہیں۔ نہ جسم میں تھرتھراہٹ نہ زبان میں لکنت، نہ آواز میں ارتعاش، وہ ہمہ تن سکون بنی ہوئی ہیں، وہ غور و فکر کے وقفے بھی نہیں چاہتی۔ ایسے پرخطر موقع کے لیے جس میں خوف اور حقیقت سامنے آجائے دو چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ فرض شناسی اور وسیع علم، حذیفہ ان دونوں زیوروں سے مریض معلوم ہوتی ہیں۔

## استدلال و منطق و حاضر جوابی:

حذیفہ نے جواب میں استعجابی پہلو پیدا کرتے ہوئے کہا ”جن لوگوں نے بالخصوص ان لوگوں پر حضرت علیؑ کی تفضیل کو میری طرف منسوب کیا ہے وہ جھوٹے ہیں“۔ حجاج کے گمان میں بھی نہ تھا کہ حذافہ اس سے کچھ آگے کہہ سکیں گیں۔



جب حذافہ نے خود دعوے کو وسیع کیا تو حجاج نے کہا (میرے خیال میں حیرت سے کہا) کیا خلفا کے علاوہ اور بھی کسی پر ان کو فضیلت ہے۔

حذیفہ نے کہا۔ ”میں نہیں کہتی بلکہ خدا نے ان کو فضیلت دی۔ آدم و نوح و ابراہیم و داؤد و عیسیٰ بن مریم پر“۔ حجاج نے خیال کیا کہ حذیفہ نے طیش میں آکر یہ دعویٰ کیا ہے وہ ثابت نہ کر سکیں گی۔ اس نے غالباً تشدد آمیز لہجے میں کہا اگر تم ثابت نہ کر سکیں تو قتل کر دی جاؤ گی۔ حذیفہ نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا کہ اگر تم ثابت نہ کر سکیں تو قتل کر دی جاؤ گی گویا ظاہر کیا کہ قتل کی دھمی سے وہ متاثر نہیں لیکن دعوے کے اثبات کو وہ بھی اہمیت دیتی ہیں۔ حذیفہ نے استدلال کی تمہید شروع کی۔ ”قرآن میں حضرت آدم و ابراہیم و داؤد و سلیمان و عیسیٰ بن مریم کا ذکر آیا ہے اور حضرت علی کا بھی ذکر ہے۔ ان مقامات کے مطالعے سے حضرت علی کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ حذیفہ نے استدلال شروع کیا اور کہا“۔

(۱) قرآن میں حضرت آدم کے متعلق ہے آدم نے امر الہی کی مخالفت کی (ترکِ اولیٰ کیا) (۱۶/۱۶ طہ) اور حضرت علی کے متعلق ہے تمہاری سعی مقبول ہوئی (۹۱/۳۹ ہر)

(۲) حضرت نوح و لوط کی بیویوں نے اپنے شوہروں سے دغا کی

(۱۰/۲۸ تحریم ۶۶)

حضرت علی کی بیوی حضرت فاطمہ زہرا کے متعلق جناب رسول خدا کی حدیث ہے۔ فاطمہ کی رضا خدا کی رضا ہے۔ فاطمہ کی خفگی خدا کی خفگی ہے۔ (۸/۱۵۸) اصحابہ ابن حجر عسقلانی)۔

(۳) حذیفہ نے کہا ابوالانبیاء حضرت ابراہیم کا قول ہے قرآن میں نے نقل کیا ہے۔ معبود مجھے دکھا دے تو کس طرح مردوں کو زندہ کرتا ہے۔ خدا نے فرمایا کیا تم



ایمان نہیں لائے۔ کہا ہاں لیکن اطمینانِ قلب چاہتا ہوں۔ (۲/۳ بقرة) اور حضرت علیؑ کا ارشاد ہے اگر پردے میری نگاہ سے ہٹا دیے جائیں تو میرے یقین میں اضافہ نہ ہوگا۔ یقین کی آخری حد تک پہنچ گیا ہوں۔

(۴) حضرت موسیٰؑ کلیم اللہ کے متعلق قرآن میں ہے۔ وہ شہر سے امید و بیم کی حالت میں نکل پڑے (۲۱/۲۰ قصص) اور حضرت علیؑ شبِ ہجرت (ہجومِ مشرکین) میں بسترِ رسولؐ پر سوئے اور خدا نے ان کی مدح میں فرمایا کچھ لوگ ایسے ہیں جو خدا کی مرضی کے عوض اپنے نفس کو بیچ دیتے ہیں (۶/۲ بقرة)۔

(۵) حضرت داؤدؑ و سلیمانؑ کے متعلق قرآن میں ہے۔ اے داؤدؑ ہم نے تم کو زمین پر خلیفہ بنایا تم لوگوں میں حق کے ساتھ فیصلہ کرنا۔ (۱۲/۱۷ انبیاء) حضرت داؤدؑ کے پاس ایک مقدمہ آیا ایک کی بھیڑ نے دوسرے کے انگور کے درخت کھائے، حضرت داؤدؑ نے فرمایا بھیڑوں کو فروخت کر کے ان کی قیمت سے انگور کی کاشت کی جائے۔ حضرت سلیمانؑ بھی موجود تھے آپ نے یہ جواب سن کر فرمایا ان بھیڑوں کے دودھ اور صوف سے تاوان ادا کیا جائے۔ خدا نے حضرت سلیمان کے جواب کو القاءِ ربانی کہا۔

حضرت علیؑ علیہ السلام فرمایا کرتے تھے کہ مجھ سے عرش کے اوپر کی باتیں پوچھو، عرش کے نیچے کی باتیں پوچھو، قبل اس کے کہ میں دنیا سے اٹھ جاؤں مجھ سے پوچھ لو۔ فتحِ خیبر کے موقع پر جنابِ رسولؐ خدا نے مجمعِ عام میں فرمایا تھا۔ علیؑ تم میں سب سے زیادہ عالم و فاضل اور سب سے بہتر فیصلہ کرنے والے ہیں۔

(۶) حضرت سلیمانؑ کا قول قرآن میں ہے۔ پروردگار مجھے وہ ملک دے کہ میرے بعد کسی کو نہ شایاں ہو۔ (۱۱/۲۳ ص)

اور حضرت علیؑ نے فرمایا میں نے دنیا کو تین بار طلاق دی اور ان کی فضیلت



میں یہ آیت ہے آخرت کا گھر ہم نے ان لوگوں کے لئے قرار دیا ہے جو زمین پر استیلا نہیں چاہتے۔ اور نہ فساد برپا کرتے ہیں۔ (۲۰/۱۱) (قصص)

(۷) حضرت عیسیٰ کے متعلق قرآن میں ارشاد ہے۔ کیا تم نے کہا ہے کہ خدا کے مقابلے میں مجھے اور میری ماں کو خدا کہو۔

حضرت عیسیٰ نے کہا سبحان اللہ میں ایسی بات کیسے کہہ سکتا ہوں۔ اگر میں کہتا تو تجھے ضرور علم ہوتا۔ (۵/۷۷) (مائدہ)

حضرت عیسیٰ کی شان میں جن لوگوں نے مبالغہ کیا آپ نے ان کا فیصلہ حشر پر اٹھا رکھا اور حضرت علیؑ نے نصیری کو سزا دی۔ حجاج یہ استدلال سن کر مبہوت ہو گیا۔ اس کا اظہار اس کے طرزِ عمل سے ہوتا ہے کہ اس کی وہ تلوار جو آلِ محمدؐ کے ہزاروں فداؤں کا خون پی چکی تھی آج نیام میں منہ چھپائے ہوئے ہے۔ حذیفہ کی قوتِ ایمان اور جرأتِ اظہار حجاج کے ارادہ قتل پر غالب آگئی۔

## حذیفہ کے استنباط کی بنیاد:

قرآن میں جو آیتیں انبیاء علیہم السلام کے متعلق ہیں حذیفہ نے ان کو سامنے رکھا اور حضرت علیؑ کے متعلق جو آیات و احادیث تھیں انھیں سامنے رکھا اور ان کو میزانِ فضیلت میں تولوا اور اس کے نتائج حجاج کے سامنے رکھ دیے لیکن یہ استنباط قیاس پر مبنی نہ تھا۔ حدیثِ تشبیہ میں جنابِ رسولِ خدا نے انبیاء کرام کی اعلیٰ صفات کا حضرت علیؑ میں پتہ دیا ہے اور ارشاد فرمایا ہے کہ انبیاء کرام کی انفرادی صفات حضرت علیؑ کی ذات میں جمع ہو گئی تھیں۔ حدیثِ صنفِ انبیاء میں حضرت علیؑ کو سر بلند کرتی ہے۔ علامہ فخر الدین رازیؒ نے (اربعین فی اصول الدین میں) اس حدیث کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ علیؑ انبیاء کی ان صفات میں مساوی تھے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ انبیاء کُل صحابہ سے افضل



تھے اور فضل کا مساوی افضل ہوتا ہے لہذا لازم آیا کہ علیؑ کل صحابہ سے افضل ہوں۔  
امام احمد بن حنبل نے ”کتاب المناقب“ میں لکھا ہے کہ جب جابر بن عبد اللہ  
انصاری کافی بڑھے ہو چکے تو ان سے عقبہ بن سعد عوفی نے حضرت علیؑ کے متعلق  
سوال کیا تو انھوں نے یہ کہا یہ خیر البشر ہیں۔

حذیفہ صحابی رسول سے روایت ہے کہ جناب رسول خداؐ نے فرمایا۔ علیؑ  
خیر البشر من ابی فقد کفر۔ (ابن مردود یہ)

حذیفہ صحابی رسولؐ نے جناب رسولؐ سے جو حدیث نقل کی حذیفہ صحابیہ۔  
حلیمہ سعدیہ کی دختر نیک اختر نے اسے قرآن و احادیث سے اور مدلل کیا۔ حقیقت  
یہ ہے کہ فضیلت کے اقسام نفس رسول حضرت علیؑ میں اس طرح سمو گئے تھے جس  
طرح برگ گل میں خوشبو ہوتی ہے۔ خواہ نفسانی فضیلت ہو یا جسمانی یا خارجی  
حضرت علیؑ ان تینوں کا مرکز تھے اس لیے کہا جاتا ہے کہ حضرت علیؑ جناب رسولؐ  
خدا کا معجزہ ہیں یعنی حضرت رسولؐ خدا نے امیر المومنینؑ کی تربیت و تکمیل اس  
طرح کی کہ وہ تاریخ بشریت کے منفرد انسان بن گئے۔ حذیفہ بنت حلیمہ سعدیہ  
حضرت علیؑ کے کمالات کو امانت الہی سمجھتی تھیں۔ انھوں نے حجاج کی خوں آشام  
تلوار کے سامنے انتہائی جرأت کے ساتھ ان کمالات کو پیش کیا جنھوں نے اس  
کے ظلم کی تلوار کے لوہے کو پگھلا دیا۔ سچائی کے ساتھ ایسا خلوص بے حد گراں قدر  
ہے اور اعلیٰ معاشرے کی تعمیر کے لیے ہمیشہ اس کی ضرورت رہے گی۔

حذیفہ نے اس موقع پر ثبات قدم دکھا کر تاریخ میں اپنی جگہ بنالی۔ حریت،  
آزادی ضمیر، وفاداری و اظہار حق کی صراحت و شہادت و جرأت کے لیے جب  
بھی زندہ مثالوں کی ضرورت ہوگی تو حذیفہ کا کردار شمع بن کر اندھیرے میں اجالا  
پیدا کرے گا۔

## صحابیات امیر المومنینؑ

حق و صداقت کی پرستاری، اعلائے کلمۂ حق کے لیے جان کی پروا نہ کرنا اور خون کے پیارے دشمنوں کے سامنے بھی حق کا اعلان کرنے سے باز نہ رہنا صرف مردوں ہی سے مخصوص نہیں بلکہ عورتوں نے بھی اس میں کافی حصہ لیا۔ پیغمبر کے عہد میں جہاں وہ مخلص اصحاب تھے جنہوں نے مشرکین کی انتہائی ایذا رسانیوں کے باوجود کلمۂ اسلام کی اشاعت میں کمی نہ کی وہاں بہت سی خواتین بھی تھیں جنہوں نے قید و بند، مصائب و آلام، تباہی و بربادی سب کچھ برداشت کیا مگر پیغمبر اسلام کی اطاعت سے منہ نہ موڑا۔ یہی کیفیت عہد امیر المومنینؑ میں بھی رہی۔ شیعہ امامت کے پروانے اور جانشین رسولؐ کے فدائی جہاں ہزاروں اصحاب تھے وہاں سینکڑوں خواتین بھی اور وہ جو مثل ہے اول باختر نسبتے دارد جس طرح صحابیان پیغمبر کو مشرکین قریش اور سرداران بنی امیہ کے ہاتھوں مصائب و شدائد اٹھانے پڑے صحابیات امیر المومنین کو بھی ان ہی کی اولاد کے ہاتھوں ہر ممکن ذلت و اہانت اور مصیبت و پریشانی اٹھانی پڑی۔ ہم یہاں صرف آٹھ خواتین کا ذکر کرتے ہیں تاکہ سرفراز کا یہ اصحاب امیر المومنینؑ نمبر صحابیات کے تذکرے سے خالی نہ رہ جائے۔ موقع ملا تو ہم انشاء اللہ جلد ہی اس موضوع پر تفصیلی حیثیت سے لکھیں گے۔

**زرقاء بنت عدی:**

زرقاء بنت عدی بن غالب، امیر المومنینؑ کی مشہور دوست دار اور پُر خلوص



صحابیہ اور فصاحت و بلاغت اور عقل و خرد میں ممتاز ترین خاتون تھیں۔ جنگِ صفین میں اپنی آتش فشاں تقریروں سے لوگوں کو امیر المومنینؓ کی حمایت کی ترغیب دلاتیں اور دشمن سے جنگ کرنے پر ابھارا کرتیں۔ جب امیر المومنینؓ کی شہادت ہوگئی اور نیرنگی زمانہ کی بدولت معاویہ مملکتِ اسلامیہ کے مالک بن گئے تو انھوں نے حاکم کوفہ کو خط لکھا کہ زرقاء کو فوراً ہمارے پاس روانہ کر دو۔ امیر معاویہ کے کانوں میں زرقاء کی آتشیں تقریریں ابھی تک گونج رہی تھیں بلا شرکتِ غیرے اتنی بڑی سلطنت کے مالک ہونے کے بعد بھی زرقاء کے لگائے ہوئے زخم ان کے دل پر تازہ تھے۔ حاکم کوفہ نے حکم کی تعمیل کی اور زرقاء، سپاہیوں کی نگرانی میں شام روانہ کر دی گئیں۔ جب دربار میں داخل ہوئیں تو معاویہ نے پوچھا۔

”جانتی ہو میں نے تمہیں کس لیے بلایا ہے؟“

زرقاء: ”سبحان اللہ! مجھے غیب کی باتوں کی کیا خبر؟ دل کی باتیں تو اللہ ہی جانتا ہے“ معاویہ: ”میں نے تمہیں یہ پوچھنے کے لیے بلایا ہے کہ کیا تم ہی وہ نہیں ہو جو جنگِ صفین میں صفوفِ لشکر کے درمیان سرخ اونٹ پر سوار ہو کر اپنی شعلہ فشاں تقریروں سے لڑائی کی آگ بھڑکاتیں اور مجھ سے جنگ کرنے کے لیے لوگوں کو آمادہ کرتیں؟“

زرقاء: ”حضور۔ وہ شاخ ہی نہ رہی جس پر آشیانہ تھا۔ یہ دنیانت نئے رنگ بدلتی رہتی ہے ایک بات کے بعد دوسری بات پیدا ہوتی رہتی ہے۔“

معاویہ: ”سچ کہتی ہو۔ اچھا یہ بتاؤ صفین کے دن کی اپنی وہ تقریر بھی تمہیں یاد ہے؟“ زرقاء: ”نہیں حضور میں نے یاد رکھنے کی کوشش ہی نہ کی۔“

معاویہ: ”لیکن مجھے خدا کی قسم حرف بہ حرف یاد ہے، میں نے تمہیں کہتے سنا تھا۔“

”اے لوگو! تم بہت بڑے فتنے سے دوچار ہو جس نے تم



لوگوں کو ظلم و جور اور تاریکی کی چادریں اڑھادی ہیں اور جس نے تم لوگوں پر ضلالت و شیطنت کے پردے ڈال دیئے ہیں اور تم کو سیدھے صاف راستے سے موڑ کر گمراہی کے گڑھے میں گرا دیا ہے۔ ہائے کتنی اندھی اور بہری یہ آزمائش و مصیبت ہے جو نہ اپنے پکارنے والے کی سنتی ہے اور نہ اپنے سوار کے قابو میں آتی ہے۔ چراغ آفتاب کے سامنے نہیں جلتا نہ ستارے چاند کے سامنے روشنی دیتے ہیں، حجر گھوڑے سے آگے نہیں بڑھ سکتا نہ ذرہ پتھر کے برابر ہو سکتا ہے، لوہے کو لوہا کا ٹٹا ہے دیکھو جو ہم سے فلاح کا راستہ پوچھے گا ہم اس کی رہبری کرنے کو تیار ہیں، جو ہم سے حقیقتِ حال کا پتہ چلانا چاہے ہم اسے صحیح حالات بتانے کو آمادہ ہیں۔ حق اپنے کھوئے ہوئے مقصد کو ڈھونڈ رہا تھا اب اس نے اپنے مقصد کو پالیا ہے۔ گروہِ مہاجرین و انصار! صبر و استقلال کا دامن ہاتھ سے جانے نہ پائے۔ اب یہ پراگندگی دور ہی ہونے والی ہے، عدل و انصاف کا بول بالا ہونے والا ہے اور حق باطل پر غالب آنے کو ہے۔ دیکھو عورتوں کا خضاب مہندی ہے اور مردوں کا خضاب خون ہے اور صبر بہترین انجام کار! بڑھو لڑائی کی طرف بڑھو، پیر پیچھے نہ ہٹیں نہ عزم و ارادے میں کمزوری آنے پائے۔ آج کی مشقتوں کا بڑا اچھا صلہ آگے چل کر تمہیں نصیب ہوگا۔“

معاویہ یہ تقریر نقل کرتے جاتے اور غیظ و غضب سے چہرہ سرخ ہوتا جاتا۔ غصے میں بھر کر بولے۔



”خدا کی قسم علیؑ نے جتنے خون بہائے تم ہر خون میں اُن کی شریک رہیں۔“  
 زرقاء: ”خدا آپ کا بھلا کرے اور آپ کو صحیح و سالم رکھے۔ آپ ایسے لوگوں کو  
 بھلائی ہی کی خوش خبری ملتی رہے اور ان کے مصاحبوں کو خوشی ہی حاصل ہوتی رہے۔“  
 معاویہ: ”کیا اس بات سے تمہیں خوشی ہوئی؟“

زرقاء: ”ہاں خدا کی قسم آپ نے میری باتیں سنا کر مجھے نہایت درجہ خوش کیا  
 اے کاش میں اپنے عمل سے بھی اپنی تقریر کی تصدیق کر دیتی (یعنی اس روز آپ  
 کی فوج کے خلاف لوگوں کو ابھارنے کے علاوہ اپنے ہاتھ سے آپ کے لشکر والوں  
 کو قتل بھی کیا ہوتا)۔“

معاویہ: امیر المومنین سے زرقاء کے اس بے پناہ خلوص اور حیرت انگیز  
 وفاداری پر مبہوت ہو کر رہ گئے بولے۔

”خدا کی قسم علیؑ کے مرنے کے بعد بھی ان سے تمہاری اتنی شدید وفاداری  
 مجھے زیادہ پسند آئی بہ نسبت تمہاری اس محبت کے جو اُن کے جیتے جی ہوا کرتی تھی  
 اچھا بتاؤ تمہاری کیا حاجت ہے؟“

زرقاء: میں نے قسم کھا رکھی ہے کہ کسی ایسے امیر سے جس کی میں مخالف رہ چکی  
 ہوں ہر گز سوال نہ کروں گی آپ کے ایسے آدی کو تو بے مانگے ہی دینا چاہیے۔

(بلاغات النساء طبع نجف صفحہ ۳۲ مسطر ف صبح اعشی وغیرہ)

## اُمّ الخیر بارقیہ:

اُمّ الخیر بنت حریش بارقیہ بھی بڑی معزز و محترم خاتون تھیں اور امیر المومنینؑ کی  
 فدائی تھیں۔ جنگ صفین میں یہ بھی اپنے کمالِ خطابت سے لوگوں کو جوش دلاتیں  
 اور معاویہ سے جنگ پر آمادہ کرتیں۔ معاویہ ان کی سرگرمیِ عداوت سے انتہائی  
 نالاں رہے۔ امیر المومنینؑ کی شہادت اور اپنے اقتدار کے جم جانے کے بعد



انھوں نے اپنے گورنر کو لکھا کہ اُمّ الخیر کو ہمارے پاس روانہ کر دو چنانچہ یہ بھی شام لائی گئیں۔ دربار میں پہنچیں تو سطوت شاہی سے مرعوب ہو کر امیر المومنین کہہ کے سلام کیا۔ معاویہ نے جواب سلام کے بعد کہا۔

معاویہ: ”امیر المومنین کہہ کر پکارتے ہوئے تو تمہیں بڑا کھلا ہوگا۔“  
 اُمّ الخیر: ”ایسی باتیں نہ کیجئے بادشاہ کے لیے زیبا نہیں۔“  
 معاویہ: ”خالہ! ٹھیک کہتی ہوا چھایہ بناؤ تمہارا سفر کیسا رہا۔“  
 اُمّ الخیر: ”بڑے آرام و سلامتی کے ساتھ میں یہاں تک آئی۔“  
 معاویہ: ”میں اپنی نیت ٹھیک ہونے ہی کی وجہ سے تم لوگوں پر فتح یاب ہوا۔“  
 اُمّ الخیر: ”آپ غلط سلط باتیں ہی کرنے پر تلے ہوئے ہیں نتیجہ کیا ہوگا اس کی پروا نہیں کرتے۔“

معاویہ: ”میرا یہ مقصد نہ تھا اور نہ اس پر بحث کرنے کے لئے تمہیں بلایا ہے۔“  
 اُمّ الخیر: ”میں تو آپ ہی کی چال چلتی ہوں جیسا آپ نے کہا ویسا میں نے جواب دیا آپ کو جو پوچھنا ہو پوچھیے۔“

معاویہ: ”جس دن عمار قتل ہوئے اس دن کیا تقریر کی تھی تم نے۔“  
 اُمّ الخیر: ”حضور! نہ تو تقریر کرنے کے پہلے میں نے وہ تقریر بنائی تھی نہ تقریر کرنے کے بعد اسے یاد رکھنے کی کوشش کی۔ چند فقرے تھے جو صدمہ پہنچنے پر زبان سے نکل گئے اگر آپ چاہیں تو دوسرے موضوع پر بات چیت کروں۔“  
 معاویہ: ”نہیں میں کچھ اور نہیں چاہتا۔“

اس کے بعد انھوں نے اپنے ساتھیوں سے مُذکر پوچھا تم لوگوں میں سے کس کس کو اُمّ الخیر کی اس دن والی تقریر یاد ہے؟  
 ایک شخص کھڑا ہوا اور اس نے کہا ”حضور مجھے ان کی تقریر اسی طرح یاد ہے

جس طرح سورہ حمد۔ معاویہ نے کہا سناؤ اس شخص نے کہا۔

”لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو، قیامت کا زلزلہ بڑا ہولناک ہوگا۔ خداوندِ عالم نے حق کو ظاہر، دلیل کو روشن، راستے کو واضح اور ہدایت کے علم کو ایستادہ کر دیا ہے۔ اس نے تمہیں ایسے اندھیرے میں نہیں رکھا جس میں ہاتھ کو ہاتھ بھائی نہ دے۔ خدا تم پر رحم کرے تم کہاں جانا چاہتے ہو؟ کیا امیر المومنین سے فرار اختیار کرنا چاہتے ہو؟ یا معرکے سے پیٹھ موڑنے کا ارادہ ہے یا اسلام سے روگردانی کرنے پر تلے ہو یا حق سے برگشتہ ہو جانے کا ارادہ ہے۔ کیا تم نے خداوندِ عالم کا یہ ارشاد نہیں سنا کہ۔

”ہم تمہیں آزمائش میں ڈالیں گے دیکھنے کے لیے کہ جہاد کرنے والے تم میں کتنے ہیں اور تمہارے نیکو کاروں کو آزمائیں گے.....“

پھر اُمّ الخیر نے اپنا سر آسمان کی طرف اٹھا کر کہا۔ خداوندِ اب تابِ صبر باقی نہ رہی، یقین کمزور ہو گیا، مرغوبیت عام ہو گئی۔ دلوں کی باگ دوڑ تیرے ہاتھوں میں ہے۔ ہمارے شیرازے کو پرہیزگاری پر مجتمع کر دے اور ہدایت کے معاملے میں متحد کر دے اور حق کو حق دار کے پاس واپس لا۔ آؤ، آؤ خدا تم پر رحم کرے امامِ عادل کی طرف آؤ جو وصی پیغمبر ہیں، مجسمہِ وفا ہیں، صدیق اکبر ہیں۔ ارے یہ جنگِ بدر کے کینے، جاہلیت کی عداوتیں اور جنگِ احد کے غم و غصے ہیں

جن کو لے کر معاویہ پھاند پڑے ہیں تاکہ وہ بنی عبد شمس کا انتقام

لیں.....۔“

پھر اُمّ الخیر نے کہا۔

”لوگو! ان کفر کے اماموں سے جنگ کرو، ان کو ایمان سے کوئی واسطہ نہیں اسی طرح یہ لوگ راہِ راست پر آئیں گے، اپنی زیادتیوں سے باز رہیں گے۔ صبر کرو اے گردہ مہاجرین جنگ پر ثابت قدم رہو کہ تمہیں اپنے پروردگار سے بصیرت حاصل ہے۔ تم نے شام والوں کو یوں دیکھا جیسے وہ وحشی گدھے ہیں کہ شیر سے (دم دبا کر) بھاگتے ہیں۔ جنہیں یہ پتہ نہیں کہ زمین کا نشیب و فراز انہیں کہاں جا پہنچائے گا۔ ان لوگوں نے آخرت کو دنیا کے عوض بیچ دیا ہے، ہدایت کے بدلے میں گمراہی خرید لی ہے، بصیرت کے بدلے اندھا بننا اختیار کیا ہے، عنقریب ہی شرمسار اور نادام ہوں گے اور جب ان پر ندامت طاری ہوگی تو معافی کے خواہاں ہوں گے۔ کوئی شک نہیں اس میں کہ جو شخص حق سے بھٹکے گا وہ باطل ہی میں گرے گا اور جو جنت میں مقیم نہ ہوگا وہ جہنم میں جائے گا۔ اے لوگو! عقل والوں نے دنیا کی زندگی کو مختصر سمجھا اس لئے ٹھکرا دیا آخرت کی مدت کو طولانی سمجھا اس لیے اس کے لیے کوششیں کیں۔ خدا کی قسم اے لوگو اگر اس کا خدشہ نہ ہوتا کہ حقوق ضائع ہو جائیں گے، حدود معطل ہوں گے، ظالموں کو غلبہ ہوگا اور شیطان کی بات پوری ہوگی تو ہم راحت و آرام چھوڑ کر موت کے گھاٹ پر آنے کو اختیار نہ کرتے۔“

کہاں کا ارادہ کرتے ہو تم لوگ خدا تم پر اپنی رحمت نازل کرے۔ ارے کیا رسولؐ کے چچا زاد بھائی آپ کی دختر کے شوہر اور آپ کے نواسوں کے باپ سے تم راہ فرار اختیار کر رہے ہو جن کی خلقت پیغمبر کی طینت سے ہوئی، جن کی اصل وہی ہے جو پیغمبر کی اصل تھی، جنہیں پیغمبر نے اپنے رازوں سے مخصوص کیا، اپنے شہر علم کا دروازہ مقرر کیا، جس کی محبت مسلمانوں پر واجب قرار دی ہے، جن سے بغض رکھنے والے کو منافق کہا۔ جو اپنی یاری و نصرت سے ہمیشہ پیغمبر کی مدد کرتے رہے اور پیغمبر کے مقرر کردہ جادہ پر برابر گامزن رہے، دنیاوی مزوں کی طرف کبھی رخ بھی نہیں کیا اسی کے ساتھ وہ سروں کو شگافہ کرنے اور بتوں کو توڑنے والے ہیں انھوں نے اس وقت نماز پڑھی جب سب لوگ مشرک تھے اس وقت پیغمبر کی اطاعت کی جب لوگوں کو آپ کی نبوت ہی میں شک تھا یہی کیفیت ان کی ابتدا سے رہی یہاں تک کہ بدر کے سورماؤں کو قتل کیا احد کے شہسواروں کو خاک میں ملایا، ہوازن کے گردہ پر اگندہ کئے۔ ہائے یہی باتیں تھیں جنھوں نے ان لوگوں کے دلوں میں نفاق و ارتداد اور عداوت کی ختم ریزی کی۔ میں نے بہت کچھ کہا اور امکان بھر نصیحت کی۔ اللہ ہی مددگار ہے، تم پر سلام ہو اور خدا کی رحمتیں اور برکتیں نازل ہوں۔“

معاویہ کا وہ درباری اُمّ الخیر کی یہ تقریر دہراتا جاتا اور معاویہ کے غیظ و غضب کا پارہ چڑھتا جاتا۔ تقریر کے خاتمے پر آگ بگولا ہو کر بولے۔



”خدا کی قسم ام الخیر تم یہی چاہتی تھیں کہ میں مار ڈالا جاؤں، خدا کی قسم اگر میں تمہیں قتل کر ڈالوں تو کوئی حرج نہ ہوگا۔“

اُم الخیر نے بہت بے باکی سے جواب دیا۔  
”ہند کے بیٹے خدا کی قسم مجھے ذرا بھی رنج نہ ہوگا، تمہاری شقاوت کے ذریعے مجھے اور سعادت نصیب ہوگی۔“

معاویہ: ”ہائے ہائے بکواسی عورت اچھا بتاؤ عثمان کے متعلق تم کیا کہتی ہو۔“  
اُم الخیر: ”عثمان کے متعلق میں کیا کہوں۔ عثمان کو بادل ناخواستہ لوگوں نے خلیفہ بنایا اور خوشی خاطر قتل کر ڈالا۔“

اس کے بعد اور بہت سی باتیں ہوئیں آخر میں معاویہ نے ان کی جاں بخشی کی اور انہیں گھر واپس جانے کی اجازت دے دی۔

(اعلام الناصفہ ۳۳۲، بلاغات الناصفہ ۳۶)

### سودہ بنتِ عمارہ:

سودہ بنتِ عمارہ بن اشتر ہمدانی عراق کی بہت معزز و محترم صاحبِ علم و فضل اور فصیح و بلیغ خاتون تھیں۔ محبتِ امیر المومنین ان کی گھٹئی میں پڑی تھی اور حضرت کی جان نثاری و فداکاری اپنے باپ دادا سے میراث میں پائی تھی جن کی غیر معمولی عقیدت اور انتہائی اخلاص امیر المومنین سے مشہور عالم ہے۔ یہ معاویہ کے کسی عامل کی شکایت لے کر معاویہ کے پاس پہنچیں جب یہ دربار میں داخل ہوئیں تو معاویہ نے کہا۔

”بروز جنگِ صفین کیا تم ہی نے یہ اشعار نہیں کہے تھے۔“

شمر کفعل ابیک یا ابنِ عمارۃ

یوم الطعان و ملتقى الاقرآن



والضرر علیا والحسین ورهطه  
 واقصد لهندوابنها بهوان  
 ان الامام اخا النبی محمد  
 علم الهدی و منارة الایمان  
 فقد الجیوش وسر امام لوائه  
 قد ما بابیض صارم سنان  
 اپنے باپ کی طرح اے عمارہ تم بھی اپنے دامن گردان لو  
 جنگ اور بہادریوں سے مڈ بھیڑ کے دن  
 علی اور حسنین اور ان کے ساتھیوں کی مدد کرو  
 اور ہند کے بیٹے کی ہر ذلت و خواری کی کوشش کرو  
 کوئی شک نہیں کہ امام اور حضرت محمد مصطفیٰ کے بھائی  
 ہدایت کا پہاڑ اور ایمان کا منارہ ہیں  
 لہذا لشکر کی قیادت کرو اور امیر المومنینؓ کے علم کے آگے آگے چلو۔ صیقل دار  
 تلوار اور چمکتے ہوئے نیزے کے ساتھ  
 سودہ: ہاں خدا کی قسم یہ اشعار میں نے ہی کہے تھے میرے ایسا آدمی حق  
 سے انکار نہیں کرتا اور نہ جھوٹے بہانے بناتا ہے۔  
 معاویہ: کس چیز نے تم کو یہ اشعار کہنے پر آمادہ کیا۔  
 سودہ: علیؑ کی محبت اور حق کی اطاعت نے۔  
 معاویہ: علیؑ کے احسانات کا تو کوئی اثر میں تم میں نہیں دیکھتا۔  
 سودہ: حضور آں قدح بشکست آں ساقی نمائد۔ جو باتیں گزر چکیں انھیں یاد  
 کر کے یاد ہر اکے کیا کیجیے گا۔





معاویہ: نہیں نہیں تمہارے بھائی کا کردار ایسا نہیں جو بھلایا جاسکے۔ میں نے اتنی مصیبتیں کسی سے نہیں اٹھائیں جتنی تمہاری قوم اور تمہارے بھائی سے اٹھانی پڑیں۔  
سودہ: سچ کہا آپ نے میرا بھائی کوئی ایسا ویسا نہیں تھا وہ تو ویسا ہی تھا جیسا خنساء شاعرہ نے اپنے بھائی کے متعلق کہا ہے۔

وان حضرا لتاتم الهداة به

كانه علم في راسه نار

صخرہ ہے جس کی رہبران قوم اقتدا کرتے ہیں۔ گویا وہ پہاڑ کی بلند چوٹی ہے جس پر آگ روشن ہو۔

معاویہ: سچ کہتی ہو تمہارا بھائی ایسا تھا۔

سودہ: حضور بات رفت گزشت ہو چکی ہے میں آپ کو خدا کا واسطہ دے کر سوال کرتی ہوں کہ اب ان باتوں کو نہ چھیڑیے۔

معاویہ: اچھی بات ہے جانے دو بتاؤ تمہاری حاجت کیا ہے کس لیے آئی ہو۔

سودہ: حضور آپ اب لوگوں کے سردار و حاکم ہو چکے ہیں۔ خداوند عالم بروز قیامت ہماری راحت و تکلیف اور ہمارے حقوق کے متعلق آپ سے باز پرس کرے گا۔ ہم پر ہمیشہ ایسا ہی شخص حاکم بن کر آتا ہے جو آپ کی سطوت و شوکت کے سہارے ہم لوگوں پر جور و ظلم کرتا ہے اور یوں کاٹ ڈالتا ہے جس طرح خوشہ گندم کاٹا جاتا ہے ہمیں ذلیل باتوں پر مجبور اور عزت کے کاموں سے محروم کر دیتا ہے۔ یہ پسر ابنِ اوطا آپ کی طرف سے ہمارا حاکم بن کر آیا ہے، اس نے ہمارے مردوں کو قتل کیا، ہمارا مال چھین لیا۔ اگر ہم اطاعت کا عہد و پیمان نہ کر چکے ہوتے تو ہم میں بھی تابِ مقاومت تھی اور ہم بھی اپنی عزت کے بچاؤ کی صلاحیت رکھتے تھے۔ اگر آپ اسے معزول کر دیں تو ہم شکر گزار ہوں گے نہیں



معزول کریں گے تو آپ جیسے ہیں وہ ہم جانتے ہی ہیں۔  
 معاویہ: تم ہمیں اپنی قوم والوں کی دھمکی دیتی ہو۔ میں تو چاہتا ہوں کہ تمہیں اونٹ  
 پر سوار کر کے اسی بسر کے پاس بھیج دوں کہ جو چاہے سلوک تمہارے ساتھ کرے۔  
 سودہ نے نیچے سر جھکا لیا آنکھوں سے آنسو جاری تھے، صدمے کے مارے  
 دل پھٹا جاتا تھا پھر شعر پڑھنے لگیں۔

صلی الا الہ علی جسم تضمنہ  
 قبر فاصبح فیہ العدل مدفونا  
 قد حالف الحق لا یبغی بہ بدلا  
 فصار بالحق والايمان مقرونا  
 خداوند عالم اپنی رحمتیں نازل کرے اس جسم پر جو اب سپردِ لحد ہے اور جس  
 کے ساتھ عدل و انصاف بھی دفن ہو کر رہ گیا۔ اس نے حق سے عہد و پیمان کر رکھا  
 تھا حق کے سوا اور کچھ چاہتا نہ تھا، وہ اور حق لازم و ملزوم ہو کر رہ گئے تھے۔  
 معاویہ: وہ کون؟  
 سودہ: علی ابن ابی طالبؓ  
 معاویہ: علیؓ نے کیا سلوک تمہارے ساتھ کیا تھا کہ وہ اس درجے کے  
 تمہارے نزدیک مستحق ہوئے۔

سودہ: میں اُن کے پاس ان کے ایک افسر کی شکایت لے کر آئی جنہیں آپ  
 نے زکوٰۃ کی وصولی پر مامور کیا تھا، اس نے ہم پر زیادتی کی اور میں اس کے  
 مظالم کی شکایت لے کر امیر المومنینؓ کی خدمت میں حاضر ہوئی، دیکھا کہ آپ  
 نماز میں مشغول ہیں۔ جب مجھے دیکھا تو آپ نے نماز ختم کر دی اور میری طرف  
 مڑ کر بڑی شفقت اور مہربانی کے لہجے میں پوچھا ”کیا تمہیں مجھ سے کوئی کام



ہے؟“ میں نے واقعہ بیان کیا، آپ سن کر رونے لگے اور آسمان کی طرف سر اٹھا کر کہا۔ ”خداوند! تو میرا بھی گواہ ہے اور ان عاملوں کا بھی، میں نے انھیں ہرگز حکم نہیں دیا کہ وہ تیری مخلوق پر ظلم کریں نہ یہ کہا ہے کہ وہ تیرا حق چھوڑ دیں۔“ پھر آپ نے جیب سے چڑے کا ایک ٹکڑا نکالا اور اس پر لکھا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

”تمہارے پاس اللہ کے پاس سے روشن دلیل آچکی ہے لہذا از روئے انصاف ناپ تول پورا رکھو اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم نہ دو۔ نہ زمین میں فتنہ و فساد پھیلاؤ بقیہ خدا تمہارے لئے بہتر ہے اگر ایمان والے ہو اور میں تمہارا کوئی پاسبان نہیں۔

دیکھو جب تم میرا یہ خط پڑھنا تو جو کچھ اموال و صدقات تمہاری تحویل میں ہیں انھیں محفوظ رکھنا یہاں تک کہ تمہارے پاس کوئی پہنچ کر چارج لے لے۔ میں نے حضرت سے وہ نوشتہ لے لیا، حضرت نے نہ اسے و استلام سر بند کیا، نہ مہر لگائی۔ معاویہ اس واقعے کو سن کر مبہوت رہ گئے پھر اپنے کاتب کو حکم دیا کہ حاکم کو لکھ دو کہ اس عورت کے ساتھ انصاف کیا جائے۔

سودہ: یہ حکم خاص میرے لئے ہے یا میری پوری قوم کے لئے۔

معاویہ: تمہیں اوروں سے کیا سروکار۔

سودہ: تب تو یہ بڑی ذلت و رسوائی ہے عدل و انصاف ہو تو سب کے لئے ورنہ جو سب کا حال وہ میرا حال۔

معاویہ: وائے ہو تم پر علی ابن ابی طالب نے تم لوگوں کو بہت ڈھیٹ اور بادشاہ کے حضور بہت جبری بنا دیا ہے اور ان کے اس قول نے تمہیں مغرور کر دیا ہے۔

فلو كنت بوابا على باب جنة

لقللت لهمدان ادخلو السلام



اگر میں جنت کے دروازے کا نگران ہوتا تو ہمدان والوں سے کہتا کہ سلامتی کے ساتھ اس میں داخل ہو جاؤ۔ (اعلام النساء، جلد ۲ صفحہ ۶۶۳، العقد الفرید ج ۱ صفحہ ۲۱۱، بلاغات النساء صفحہ ۳۰)

## اُمّ البراء بنت صفوان:

یہ معظمہ بھی بڑی معزز و محترم، شستہ زبان، فصیح و بلیغ خاتون تھیں۔ امیر المومنین کی بے حد مخلص و جاں نثار۔ جنگ صفین میں انھوں نے بھی ایسے کارنامے انجام دیے جو آج تک تاریخ کے صفحات پر ثبت ہیں۔ یہ لشکر کو اپنی جوشیلی تقریروں سے جنگ پر ابھارتیں اور معاویہ سے جنگ کی ترغیب دلاتیں۔ معاویہ کے عہد حکومت میں انھیں بھی دربار شام میں آنا پڑا، جب یہ آئیں تو معاویہ نے کہا۔

معاویہ: دختر صفوان کہو کیسی ہو۔!

ام البراء: اچھی ہوں حضور۔

معاویہ: تمہارا حال کیا ہے؟

ام البراء: دلیری کے بعد کمزوری آگئی، چستی و مستعدی کے بعد سستی و کاہلی نے آگھیرا۔

معاویہ: آج کے دن اور اس دن میں تمہارے بڑا فرق ہو گیا ہے جس دن تم نے کہا تھا۔

یا عمرو دونک صارما ذا رونق

غضب المهزة ليس بالخواار

اسرج جوادك مسرعا و مشهراً

للحرب غير معود لفرار



اجب الامام ودب تحت لوائه  
 وافر العدو بصارم بتار  
 يا ليتنى اصبحت ليس بعورة  
 فاذا ب عنه عساكر الفجار  
 اے عمر وچمکدار کاٹنے والی تلوار ہاتھ میں اٹھا لو جو بڑی برق رفتار ہے ست نہیں۔  
 جلدی سے اپنے گھوڑے پر زین کسواور لڑائی کے لیے دامن گردان لو، فرار کا  
 دھیان بھی نہ آنے پائے۔  
 امام کی آواز پر لہیک کہو اور ان کے رایت کے نیچے نیچے چلو اور دشمن کو کاٹنے  
 والی تیز ترین تلوار کے ذریعے بھگاؤ۔  
 کاش میں عورت نہ ہوتی اور فاجروں کی فوجوں کو امیر المومنین سے دفع کر سکتی۔  
 ام البراء: ہاں حضور یہ بات تو صحیح ہے آپ ایسے آدمی کو معاف ہی کر دینا  
 چاہیے خداوندِ عالم کا ارشاد ہے:  
 عفا الله عما سلف گزری ہوئی باتوں کو خدا نے معاف کر دیا۔  
 معاویہ: ناممکن ہے ناممکن ہے اگر پھر ویسا ہی موقع پیش آجائے تو تم پھر ویسی  
 ہی ہو جاؤ گی لیکن پھر بھی میں درگزر کرتا ہوں۔  
 اچھا یہ بتاؤ جب علی شہید ہو گئے تو تم نے کیا کہا تھا۔  
 ام البراء: میں بھول گئی حضور۔  
 اس پر معاویہ کے درباریوں میں سے ایک شخص نے اٹھ کر کہا حضور اس نے کہا تھا۔  
 بالرجال لعظم هول مصيبة  
 فدحت فليس مصابها بالهازل  
 الشمس كاسفة لفقد امامنا  
 خيرا الخلاق والامام العادل



یاخیر من ركب المطی ومن مثنی  
فوق التراب لحتف اونا علی  
حاشا النبی لقد هددت قواء نا

فالحق اصبح خاضعا للباطل  
اے لوگو! کتنی سخت مصیبت ٹوٹ پڑی یہ مصیبت کوئی ایسی ویسی نہیں۔  
ہمارے امام کے آنکھوں سے اوجھل ہو جانے کی وجہ سے آفتاب کو گہن لگ  
گیا، ایسا امام جو بہترین خلاق اور امام عادل تھا۔

اے بہترین ان تمام لوگوں سے جو سوار ہوئے اور پیدل چلے، ہماری طاقتیں  
ختم ہو کر رہ گئیں اور حق باطل کے آگے سرنگوں ہو گیا۔

ان اشعار سے معاویہ کے دل پر بڑی چوٹ لگی بولے ”خدا تمہیں ہلاک  
کرے دختر صفوان تم نے کسی کہنے والے کے لئے کچھ کہنے کی گنجائش ہی باقی نہیں  
رکھی۔ بتاؤ تمہاری حاجت کیا ہے؟ کس لئے آنا ہوا۔

اُمّ البراء اس ذلت و اہانت کے سلوک سے برداشتہ خاطر ہو چکی تھیں، انھوں  
نے زبان سے عرض مدعا کرنا مناسب نہ سمجھا اور بولیں۔

”ان تمام باتوں کے بعد میں آپ سے کسی چیز کا سوال نہیں کرنا چاہتی۔“  
جب یہ اُٹھ کر دربار سے جانے لگیں تو ٹھوکر لگی سنبل کر فرمایا ”خدا دشمن علی کو  
برباد کرے۔“ (بلاغات النساء صفحہ ۷۵ صبح لاشی)

بکارہ ہلالیہ:

یہ معظمہ بھی معزز و محترم خاتون اور ان عورتوں میں سے تھیں جو دلیری و بے  
خونی کا جسمہ اور فصاحت و بلاغت کا نمونہ تھیں جنگ صفین میں امیر المومنینؑ کے  
مددگاروں میں سے تھیں انھوں نے بھی بہت سی جوشیلی تقریریں کی تھیں اور اپنی



ان تقریروں میں لشکر والوں کو غیرت دلائی، امیر المومنین کی نصرت پر ابھارا اور معاویہ سے جنگ کرنے کی ترغیب دی۔ معاویہ کے زمانہ حکومت میں یہ بھی دربار دمشق میں آئیں، بہت بوڑھی اور لاغر ہو چکی تھیں، دونوں کر تھے جن پر سہارا کئے ہوئے تھیں، ہاتھ میں عصا تھا انھوں نے معاویہ کو سلام کیا معاویہ نے کشادہ دلی سے جواب سلام دے کر بیٹھنے کی اجازت دی۔ حاشیہ نشینوں میں مروان بن حکم اور عمرو عاص بھی موجود تھے مروان نے انھیں پہچان لیا اور کہا۔

مروان: حضور آپ انھیں پہچانتے ہیں؟

معاویہ: کون ہیں یہ؟

مروان: یہ وہی ہیں جو جنگ صفین میں لوگوں کو ہم لوگوں کے خلاف ابھارتی تھیں۔ انہی نے یہ اشعار کہے تھے۔

یا زید دونک فاستشر من دارنا

سیفا حساما فی التراب دفینا

قد کان مذخورا لکل عظیمۃ

فالیوم ابرزۃ الزمان مصونا

اے زید دیکھو گھر کے اندر زمین سے شمشیر بڑاں کھود کر نکال لو۔

یہ تلوار بڑی مصیبت کے لیے ذخیرہ کر کے رکھی گئی تھی، آج کے دن زمانے نے اسے ہر طرح محفوظ برآمد کر دیا ہے۔

عمرو عاص نے کہا۔ حضور انھیں نے یہ اشعار بھی کہے تھے۔

اتری ابن ہند للخلافة مالکا

ہیہات ذاک وما اراد بعید

منتک نفسک فی الخلاء ضلالة

اغراک عمرو للشقاء و سعید



## فارجد بانكد طائر بخوسها

لاقت عليا اسعد و سعود

كيا تم سمجھتے هو كه معاوية خلافت پر قائلض هو جائيس گے، ناممكن ہے۔ معاوية جو چاہتے ہیں وہ كبھی نہ هوگا۔

معاوية تمھارے نفس كو گمراہی نے تنھائی میں مبتلائے حرص و آز كيا اور عمرو بن عاص اور سعيد بن عاص نے بد بختی پر ابھارا۔

تم اپنے منخوس پرندے كو اس كی نحوست سمیت لے كر پلٹ جاؤ۔  
نيك ستارے علی سے مل چكے ہیں۔

سعيد نے كہا حضور! انھیں نے یہ اشعار بھی كہے تھے۔

قد كنت امل ان اموت ولا اری

فوق المنابر من امية خاطبا

فانله اخر مدتی فتطاولت

حتى رايت من الزمان عجائبا

في كل يوم لا يزال خطيبهم

وسط الجبوع لال احمد عائبا

میں اس دن کی تمنا كيا كرتی تھی كه مر جاؤں مگر بنی امیہ میں سے کسی آدمی كو منبر پر خطبہ پڑھتے نہ ديكھوں۔

مگر اللہ نے میری زندگی اتنی بڑھادی كه اب میں زمانے کی عجیب عجیب باتیں ديكھ رہی ہوں۔

ہر دن بھرے جمے میں ان كا مقرر اپنی تقریر میں آل محمد پر عیب لگاتا ہے۔

بكارہ ہلالیہ نے معاوية سے كہا:





”آپ کے کتے مجھ پر خوب بھونکے اور پوری یورش کی۔ حیرت کی زیادتی کے سبب بولنے کا یا راکمزور پڑ گیا آنکھوں تلے دھند چھا گئی خدا کی قسم ان لوگوں نے جتنے اشعار پڑھے ہیں وہ سب میں نے ہی کہے ہیں جھٹلانا نہیں چاہتی۔ آپ جو کچھ کرنا چاہیں کریں۔ امیر المومنین علی ابن ابی طالب کے بعد اب زندگی میں مزانہ رہا۔ (بلاغت النساء صفحہ ۳۴ عقد الفرید)

### اروی بنت حُرِیث بن عبدالمطلب:

یہ معظمہ جناب عبدالمطلب کی پوتی حضرت رسول خدا کی چچا زاد بہن اور آپ کی صحابیہ تھیں۔ اپنے وقت کی خواتین کی سید و سردار اور شجاعت و بہادری، فصاحت و بلاغت کے زیوروں سے پوری طرح آراستہ تھیں جنگِ صفین میں امیر المومنین کے لشکر میں زبانی جہاد کے بڑے معرکے انجام دیئے تھے۔ ان کے بارے میں صاحب کتاب ”ثمرات الادواق“ لکھتے ہیں کانت اغلظ الوافدات علی معاویۃ خطاباً۔ معاویہ کے دربار میں جو عورتیں لائی گئیں ان میں معاویہ کے لیے سب سے زیادہ سخت و شدید بھی معظمہ تھیں۔ جب یہ دربار میں پہنچیں تو معاویہ نے فرط مسرت سے کہا۔

معاویہ: آپ بھی آخر میرے یہاں تشریف لائیں۔ خالہ جان بتائیے تو کہ ہماری مخالفت کرنے کے بعد آپ کا کیا حال ہوا، کیسی گزرتی ہے اور مزاج کیسا ہے۔ اروی: میں تو خدا کے فضل و کرم سے بالکل اچھی ہوں مگر تمہارے متعلق البتہ افسوس ہوتا ہے کہ تم نے کفرانِ نعمت کیا اور اپنے ابنِ عم کی صحبت کا تم نے بُرا استعمال کیا اور وہ نام (خلیفہ) اپنے لیے اختیار کیا جو تمہارا نام نہ تھا نہ تم اس کے سزاوار تھے اور اس چیز (خلافت) پر تم نے قبضہ کر لیا جس پر تمہارا کوئی حق نہیں، اسلام میں نہ تو تم ہی نے کوئی سختی جھیلی نہ تمہارے باپ نے بلکہ تم لوگوں نے پہلے



رسول کی رسالت ہی سے انکار کیا مگر خداوندِ عالم نے تمہارے نصیبِ خراب کیے اور تمہارے چہروں کو خاک آلود کیا اور حقِ حقدار کی طرف پلٹ کر رہا اور خدا ہی کی بات اونچی رہی اور ہمارے پیغمبر حضرت محمد مصطفیٰ ہی اپنے دشمنوں پر مظفر و منصور رہے اگرچہ مشرکین جلتے ہی رہے۔ تو ہم اہل بیت پیغمبر دین میں بلحاظِ قدر و منزلت اور نصیب اور قسمت کے تمام لوگوں سے بزرگ و برتر رہے یہاں تک کہ خداوندِ عالم نے اپنے پیغمبر کو اپنے پاس اٹھالیا، ان کے درجے کو بلند کر کے اور بہت ہی عزت و احترام کے ساتھ مگر اب ان کے انتقال کے بعد تم لوگوں کے سامنے ہم لوگوں کی وہی حالت ہو گئی جو فرعون والوں میں بنی اسرائیل کی ہوئی تھی۔ فرعون والے ان کے لڑکوں کو ذبح کر دیتے اور ان کی عورتوں کو زندہ چھوڑ دیتے اور پیغمبر کے ابن عم حضرت امیر المومنین تم لوگوں میں بعد پیغمبر ایسے ہی ہو گئے جیسے جناب ہارون جناب موسیٰ کی قوم میں تھے کہ ہارون کی فریاد تھی یا ابن ام ان القوم استضعفونی وکادوا ان یقتلوننی۔ اے بھائی قوم والوں نے مجھے کمزور سمجھ لیا اور قریب تھا کہ مجھے قتل کر ڈالیں۔ پیغمبر کے انتقال کے بعد ہمارا شیرازہ پھر مجتمع نہ ہو سکا نہ کوئی دشواری ہمارے لئے آسان ہو سکی ہمارا انجام جنت ہے اور تمہارا جہنم۔“

عمر و عاص اس وقت موجود تھے، ارویٰ کی گفتگو سے ان کے ہوش اُڑ گئے، کہنے لگے۔ ”اے گمراہ بوڑھی عورت اپنی باتیں کم کر کہاں تک بکتی جائے گی۔“

ارویٰ: تم کون ہو؟

عمر و عاص: میں عمر و عاص ہوں۔

ارویٰ: اے نابغہ کے بچے تمہاری بھی یہ مجال کہ تم مجھ سے ہم کلام ہو، تم چپکے ہی بیٹھے رہو اور اپنے کام سے کام رکھو، خدا کی قسم قریش میں نہ تو تیری ماں کو کوئی



حَسْب حاصل تھا نہ اس کی کوئی منزلت و توقیر تھی۔ تمہارے باپ ہونے کا دعویٰ چھ  
 شخصوں نے کیا ہر شخص مدعی تھا کہ وہی تمہارا باپ ہے میں نے حج کے زمانے میں  
 مقام منیٰ میں تیری ماں کو ہر بدکار غلام کے ساتھ پھرتے دیکھا ہے۔

تو تم انھیں غلاموں کی طرح رہو کہ انھیں سے تم مشابہ ہو۔

مردان بھی وہاں موجود تھا اس نے کہا۔

”ارے گمراہ عورت تیری آنکھوں کی روشنی جاتی رہی۔ اسی کے ساتھ عقل بھی  
 رخصت ہو گئی ہے جس کی وجہ سے کسی معاملے میں تیری گواہی بھی جائز نہیں۔

اروئی نے کہا۔

”صاحبزادے تم کیا بول رہے ہو تم حکم کی بہ نسبت سفیان بن حارث بن کلدہ  
 سے زیادہ مشابہ ہو، تم آنکھوں کے نیلے پن، بالوں کی سرخی میں اس سے ملتے  
 جلتے ہو اسی کے ساتھ تمہاری قامت بھی کوتاہ ہے اور کر یہ المنظر بھی ہو۔ میں نے  
 حکم کو بھی دیکھا تھا کہ طویل القامت ضعیف و حقیر اور پراگندہ موتھا۔ تم میں اور اس  
 میں ایسی ہی مشابہت ہے جیسے گھوڑے اور گدھے میں جی چاہے تو اپنی ماں سے  
 جا کر پوچھ لو۔

پھر اروئی نے معاویہ کی طرف مڑ کر کہا۔

”خدا کی قسم ان لوگوں کو تم نے ہی اس قدر شوخ اور گستاخ بنا دیا ہے اور تم ہی  
 نے انھیں جرات دلائی ہے کہ مجھ سے بدزبانی کریں۔ تمہیں یاد ہے کہ تمہاری ہی  
 ماں ہند نے بروز جنگ احد حمزہ کی شہادت پر یہ اشعار کہے تھے۔“

نحن جزینا کم یوم بدر

والحرب یوم الحرب دات سحر



ماكان عن عتبة لی من صبر  
 ابی واهی واهی و صهری  
 شفیت وحشی غلیل صدی  
 شفیت نفسی و فضیلت نذری  
 فشکرو حشی علی عمری  
 حتی تغیب اعظی فی قبری  
 ہم نے تم لوگوں سے جنگ بدر کا پورا پورا بدلہ لے لیا اور ایک لڑائی کے بعد  
 دوسری لڑائی آگ بھڑکانے والی ہوتی ہی ہے۔ عتبہ کی ہلاکت پر مجھے صبر تو ہو ہی  
 نہیں سکتا، نہ اس پر نہ اپنے باپ اپنے چچا اور اپنے داماد پر۔  
 اے وحشی (قاتل حمزہ) تو نے میرے سینے کی آگ بجھا دی، میرا جی ٹھنڈا کر  
 دیا اور میری نذر پوری کر دی۔  
 تو اب زندگی بھر وحشی کا شکر ادا کرتے رہنا میرا فریضہ ہو گیا یہاں تک کہ  
 میری ہڈیاں قبر میں پوشیدہ ہو جائیں۔  
 تو میں نے تیری ماں کے ان اشعار کا جواب دیا تھا۔  
 یا بنت رفاع عظیم الکفر  
 خزیّت فی بدر و غیر بدر  
 صبحک اللہ قبیل الفجر  
 بالہا شمیں الطول الذھر  
 ہتک وحشی حجاب الستر  
 ما للبلغایا بعدها من فخر  
 اے ہند اے بڑے کفر والے سرکش کی بیٹی تو ہمیشہ ذلیل و خوار رہے گی جنگ



بدر میں بھی اور دوسری جنگوں میں بھی

سپیدہ سحر نمودار ہوتے ہی خدا ہاشمیوں سے تیرا سامنا کرائے گا جو دراز قامت اور تابندہ رخ ہیں۔

وحشی نے پردہ دری کردی اس کی بدکار عورتوں کے لیے کوئی فخر کی گنجائش نہیں۔  
 معاویہ بدحواس ہو گئے اور عمرو عاص اور مروان کی طرف مُڑ کر بولے۔  
 ”تم ہی لوگوں نے انھیں بولنے کا موقع دیا ایسی باتیں مجھے سنوائیں جن کا  
 سننا مجھے گوارا نہ تھا۔

پھر اروئی کی طرف مُڑ کر کہا۔

آپ اپنی ضرورت بیان کریں عورتوں کی باتیں جانے دیں۔  
 اروئی نے اپنی ضرورت بیان کی جسے معاویہ نے پورا کر دیا۔ پورا کرنے کے بعد کہا۔  
 معاویہ: خدا کی قسم اگر علیؑ ہوتے تو کبھی نہ دیتے۔

اروی: سچ کہتے ہو علیؑ نے امانت داری کی اور خدا کے حکم پر عمل کیا اور اسی کے  
 حکم کے پابند رہے اور تم نے امانت ضائع کی، خدا کے مال میں خیانت کی اور خدا  
 کا مال ایسے لوگوں کو دیا جو اس کے مستحق نہ تھے۔ خداوندِ عالم نے اپنی کتاب میں  
 صاحبانِ حقوق کے حقوق واضح طور پر بیان کر دیے ہیں تم نے اس پر عمل نہ کیا۔ علیؑ  
 نے ہم لوگوں کو دعوت دی کہ ہم اپنے اس حق کو حاصل کریں جو خداوندِ عالم نے  
 ہمارے لیے مقرر کیا ہے مگر تمہاری لڑائی کی وجہ سے وہ ہر چیز کو اس کے مقام پر نہ  
 پہنچا سکے اور میں نے یہ جو کچھ تم سے مانگا ہے یہ تمہارے مال سے نہیں مانگا کہ تم  
 اپنا احسان جتاؤ۔ یہ ہم نے اپنا حق طلب کیا ہے۔ اپنے حق کے ماسوا دوسری چیز کا  
 لینا ہم جائز نہیں سمجھتے۔ کیا تم علیؑ کا ذکر کرتے ہو خدا تمہارے منہ کو توڑے اور تمہاری  
 مصیبت کو سخت کرے۔ پھر روئے لگیں اور امیر المومنین کا یہ دل دوز مرثیہ پڑھا۔



الا یا عین و یحک اسعدینا  
 الا و ابکی امیر المومنینا  
 رزینا خیر من ركب المطایا  
 وفارسها ومن ركب السفینا  
 ومن لیس النعال او احتذاها  
 ومن قرع البثانی والمشینا  
 اذا استقبلت وجه ابی حنین  
 رایت البدر راع الناظرینا  
 ولا والله لا انسی علیا  
 وحسن صلاته فی الراکعینا  
 افی الشهر الحرام فجمعونا  
 بخیر الناس طرا اجمعینا

اے آنکھ ہمیں نیک بخت بنا امیر المومنینؑ پر اشک فشاں ہو۔  
 ہم ایسے شخص کے غم میں مصیبت زدہ ہوئے جو ان تمام لوگوں سے بہتر تھا جو  
 سواری پر سوار ہوئے یا کشتی پر بیٹھے۔

اور ان تمام لوگوں سے بہتر تھا جنہوں نے نعلین پہنی یا ننگے پیر رہے اور جنہوں  
 نے قرآن کی تلاوت کی۔

اگر تم ابو الحسن کے چہرے کا سامنا کرو تو چودھویں رات کا چاند پاؤ گے جو  
 ناظرین کی آنکھوں کو خیرہ کر دے۔

خدا کی قسم میں نہ تو علیؑ کو بھول سکتی ہوں اور نہ ان کی نمازوں کی عمدگی کو۔  
 ارے شہر حرام میں تم نے ہمیں صدمہ پہنچایا ایسے شخص کو ہلاک کر کے جو تمام



لوگوں سے بہتر و افضل تھا۔ (بلاغات النساء، صفحہ ۲، عقد الفرید، جلد ۱، صفحہ ۲۱۹)  
 معاویہ نے اردوئی کی تعظیم و تکریم کر کے چاہا تھا کہ ان کے دل کو اپنی طرف  
 مائل اور علی سے برگشتہ کر دیں لیکن ان کی یہ کوشش ذرہ برابر کامیاب نہ ہوئی اور  
 جس کے خمیر میں علیؑ کی محبت اور ان سے خلوص داخل ہو مال دنیا اس کی محبت کو  
 کیوں کر زائل کر سکتا ہے۔

ایسے ہی جذبات و احساسات ابوالاسود دؤلی کی لڑکی سے ظہور میں آئے۔  
 معاویہ نے بطور تحفہ ابوالاسود دؤلی کے پاس حلوا بھیجا، ابوالاسود دؤلی کی لڑکی نے  
 اس میں سے تھوڑا سا منہ میں رکھ لیا۔ ابوالاسود نے کہا ”بیٹا اسے تھوک دو یہ زہر  
 ہے معاویہ نے فریب سے بھیجا ہے اور وہ ہمیں محبت اہل بیتؑ سے باز رکھنا چاہتے  
 ہیں۔“ لڑکی نے جب یہ فقرہ سنا تو بولی۔

”خدا ان کا ناس کرے۔ زعفرانی شہد دے کر پاک و پاکیزہ سید و سردار سے  
 ہمیں برگشتہ کرنا چاہتے ہیں۔“

پھر اس نے دو (۲) شعر پڑھے۔

ابا لشهد المزعفر یا ابن هند

نبيع عليك احسابا و دينا

معاذ الله كيف يكون هذا

ومولينا امير المومنینا

زعفرانی شہد کے عوض اے فرزند ہند ہم اپنی خاندانی شرافت اور اپنی دین  
 داری تمہارے ہاتھ بیچ ڈالیں۔

خدا کی پناہ ایسا کیوں کر ہو سکتا ہے دراصل ایکہ ہمارے مولا امیر المومنینؑ ہیں۔

(الکتی والقب، ج ۱، صفحہ ۸)



## عکرشہ بنت الاطرش:

یہ معظمہ بھی عرب کی خواتین میں بڑی جلیل القدر خاتون، دلیری و بے خوفی اور قوتِ تقریر میں مشہور عالم تھیں۔ جنگِ صفین میں انھوں نے بڑے کارہائے نمایاں انجام دیے، امیر المومنین کی حمایت اور معاویہ کی مخالفت میں بڑی جوشیلی تقریریں کیں۔ قسمت نے انھیں یہ دن بھی دکھلایا کہ معاویہ پوری مملکت اسلامیہ کے مالک بن بیٹھے اور انھیں دربار میں آنا پڑا اور اس طرح سلام کرنا پڑا جس طرح امیر المومنین کو سلام کیا کرتیں تھیں۔ معاویہ کے دل میں صفین کی یاد تازہ ہو گئی اور بولے۔

معاویہ: اب تو میں امیر المومنین ہو ہی گیا۔

عکرشہ: جی ہاں کیونکہ اب علی زندہ نہیں رہے۔

معاویہ خاموش نہیں رہے انھوں نے صفین کی باتیں چھیڑ دیں اور بولے۔  
 ”کیا تم وہی نہیں ہو جو جنگِ صفین میں عمار کی طرح سر پر کپڑا لپیٹے جس کے دونوں سرے ادھر ادھر لٹکے ہوئے تھے، کمر کے ہوئے اور تلوار کی نیام پر سہارا کیے دونوں صفوں کے درمیان کھڑی تھیں اور یہ تقریر کر رہی تھیں!

”اے لوگو! تم اپنے نفس کی خبر لو۔ اگر تم نے جنت کی راہ پالی

تو گمراہ انسان تمہیں کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتا اور جو جنت کا ساکن

ہو گا وہ کبھی نہ تو اس سے نکلے گا اور نہ کبھی زنجیدہ و مغموم ہو گا۔ تم

اس جنت کو خرید لو اس دارِ دنیا کے عوض جس کی نعمتیں ہمیشہ رہنے

والی نہیں، نہ جس کے آلام ختم ہونے والے ہیں۔ تم دور اندیش

جماعت بنو۔ دیکھو معاویہ تم پر عرب کے ان اوباشوں کو لے کر

چڑھ دوڑے ہیں جو نہ یہ سمجھتے ہیں کہ ایمان کیا ہے نہ یہ جانتے





ہیں کہ حکمت کیا ہے۔ معاویہ نے انھیں دنیا کی لالچ دی اور وہ دوڑ پڑے، باطل کی طرف بلایا اور وہ چل کھڑے ہوئے۔ بزرگانِ خدا اللہ سے ڈرو اور اس کے دین کا خیال کرو۔ خبردار تم میں سستی نہ آنے پائے کہ اس طرح اسلام کی رسی ٹوٹ جائے گی اور ایمان کا نور بجھ جائے گا، سنت زائل اور باطل غالب آجائے گا۔ یہ جنگ بدر صغریٰ ہے، یہ دوسرا واقعہ عقبہ ہے۔ اے گروہ مہاجرین و انصار پوری دینی بصیرت کے ساتھ ان شامیوں سے جنگ کرو اور اپنے عزم و ارادے پر ثابت قدمی سے جے رہو۔ مجھے تو آنے والے کل کا یہ منظر دکھائی دے رہا ہے کہ تم نے عرصہ جنگِ صفین میں ان شامیوں کو اس طرح پایا جیسے وہ گدھے، خچر اور گائیں ہوں جو چنچیں، چلائیں اور لید کریں.....“

معاویہ عکرشہ کی جب یہ تقریر دہرا چکے تو غصے میں بھر کر بولے۔  
 ”خدا کی قسم اگر قضا و قدر الہی نہ ہوتی اور اسے یہ پسند نہ ہوتا کہ یہ حکومت ہمارے ہاتھوں میں آئے تو تمہاری تقریر کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ دونوں لشکر مجھ پر ٹوٹ پڑیں۔ کس چیز نے آخر تمہیں اس پر آمادہ کیا۔“

عکرشہ نے بات کاٹتے ہوئے کہا۔

”عقل مند جب کوئی بات ناپسند کرتا ہے تو پھر اسے دہراتا نہیں۔“

معاویہ: ٹھیک ہے اچھا بتاؤ کس غرض سے تمہارا آنا ہوا۔

### دارمیہ تجوئیہ:

یہ معظمہ بھی وہ نیکو کار خاتون تھیں جن کی فصاحت و بلاغت، دلیری و بے باکی اور محبت امیر المومنینؑ سے عرب کا بچہ بچہ واقف تھا۔ معاویہ اپنے زمانہ حکومت میں حج کے ارادے سے جب مکہ معظمہ آئے تو بنی کنانہ کی اس خاتون دارمیہ تجوئیہ کے متعلق پوچھا کہ آج کل کہاں ہیں۔ یہ دارمیہ تجوئیہ سیاہ رنگ کی کچم و شیم خاتون تھیں، لوگوں نے بتایا کہ وہ زندہ ہیں، معاویہ نے پیادہ بھیج کر طلب کیا جب وہ آئیں تو پوچھا۔

معاویہ: اے حام کی بیٹی کیسے آنا ہوا (جناب نوحؑ پیغمبر کے تین فرزند تھے حام و سام و یافث دنیا انھیں تین کی نسل سے ہے) سیاہ رنگت کی تو میں حام کی نسل سے ہیں معاویہ نے ان کی کالی رنگت پر طنز کرتے ہوئے انھیں دختر حام کہا۔  
دارمیہ: اگر ازراہ استہزاتم مجھے حام کی بیٹی کہتے ہو تو میں حام کی نسل سے نہیں ہوں میں تو قبیلہ کنانہ کی ایک عورت ہوں۔

معاویہ: سچ کہتی ہو۔ اچھا یہ جانتی ہو میں نے تمہیں کیوں بلایا ہے؟

دارمیہ: غیب کی باتیں تو بس اللہ ہی جانتا ہے۔

معاویہ: میں نے تمہیں یہ پوچھنے کے لیے بلایا ہے کہ آخر تم علیؑ سے اتنی محبت کیوں کرتی تھیں اور مجھ سے اتنی عداوت تمہیں کیوں تھی؟

دارمیہ: اس سوال کے جواب سے مجھے معاف ہی کر دیتے تو اچھا تھا۔

معاویہ: نہیں یہ نہیں ہو سکتا تمہیں بتانا ہی پڑے گا۔

دارمیہ: اچھا جب آپ جواب پر مجبور ہی کرتے ہیں تو سنئے۔ میں علیؑ سے اس لیے محبت کرتی تھی کہ وہ رعیت میں عدل و انصاف برتتے تھے اور سب کو برابر برابر دیتے تھے اور آپ کی دشمن اس لیے تھی کہ آپ اس شخص سے برسرِ پیکار تھے



جو آپ سے زیادہ حکومت کا سزاوار تھا اور آپ ایسی چیز کے خواہاں تھے جس کی اہلیت آپ میں قطعاً نہ تھی۔ میں علیؑ کی اطاعت اس لیے کرتی تھی کہ پیغمبر نے انہیں ہمارا حاکم و امیر مقرر کیا تھا اور علیؑ فقر و مساکین کو دوست رکھتے تھے، اہل دین کی عزت کرتے اور آپ سے دشمنی و بیزاری کی وجہ یہ تھی کہ آپ مسلمانوں کی خوں ریزی کرتے، فیصلوں میں نا انصافی برتتے اور اپنی خواہش نفسانی کے مطابق فیصلہ کرتے ہیں۔

معاویہ: اچھا! تو اسی وجہ سے تمہارا پیٹ پھول گیا ہے، سینہ بڑھ گیا اور سرین اتنی پر گوشت ہو گئی ہے۔

دارمیہ: خدا کی قسم یہ باتیں تو آپ کی اماں جان ہند کی بطور ضرب المثل بولی جاتی تھیں میرے متعلق بالکل نہیں۔

معاویہ: بھڑبھڑو بھڑو ہم نے تو اچھی ہی بات کہی ہے جب عورت کا پیٹ بڑا ہوتا ہے بچہ مکمل ہاتھ پیروں کا پیدا ہوتا ہے، جب سینہ بڑا ہوتا ہے تو بچے کو دودھ پورا پورا پلاتی ہے اور جب سرین پر گوشت ہوتے ہیں تو اس کی نشست خوشنما معلوم ہوتی ہے۔

معاویہ: اچھا یہ بتاؤ تم نے کبھی علیؑ کی زیارت بھی کی ہے؟

دارمیہ: ہاں ہاں خدا کی قسم میں نے انہیں دیکھا ہے۔

معاویہ: انہیں کیسا دیکھا؟

دارمیہ: میں نے خدا کی قسم انہیں اس طرح دیکھا کہ حکومت نے انہیں سرگشتہ نہیں کیا جیسا کہ آپ حکومت کے نشے میں سرگشتہ ہو رہے ہیں اور منصب خلافت نے انہیں ایسا بے خود نہیں بنادیا تھا جیسا کہ آپ آپے سے باہر ہو رہے ہیں۔

معاویہ: تم نے اُن کی گفتگو بھی کبھی سنی؟

دارمیہ: ہاں خدا کی قسم وہ اپنی باتوں سے دل کی تاریکیوں کو یوں روشن



کر دیتے تھے جیسے قلعی برتن کو چمکا دیتی ہے۔

معاویہ: سچ کہتی ہوا چھاپتاؤ مجھ سے کیا چاہتی ہو؟

دارمیہ نے اپنی حاجت بیان کی، معاویہ نے پوچھا ”اگر میں تمہاری حاجت پوری کر دوں تو علیؑ ہی کے اتنا مجھے بھی مانو گی“۔ دارمیہ نے برجستہ کہا ”علیؑ کی بات تمہیں کہاں نصیب“۔ معاویہ نے اُن کا کام کر دیا اور کہا ”خدا کی قسم اگر علیؑ زندہ ہوتے تو کبھی تمہیں اتنا مال نہ دیتے۔ دارمیہ سچ کہتے ہو علیؑ ہر گز نہ دیتے وہ مسلمانوں کے مال سے ایک درہم بھی کسی کو ناجائز نہیں دیتے تھے“۔

(بلاغات النساء، صفحہ ۷۲، عقد فرید، ج ۱، صفحہ ۲۱۶)



jabir.abbas@yahoo.com

## کنانہ بن بشر بن عتبہ بن نجیبی

مصر میں جب محمد بن ابی بکر کے خلاف مسلمہ بن مخلدہ انصاری اور معاویہ بن خدیج نے بغاوت کی اور نوبت جنگ و جدال تک آگئی انھوں نے حضرت علیؓ کو اطلاع دی حضرت علیؓ نے محمد ابن ابی بکر کو جواب میں تحریر فرمایا کہ جو لوگ تمہارے ہم خیال ہیں ان کو اپنے ساتھ لے کر جنگ کرو اور اپنی امداد کے لیے کنانہ ابن بشر کو طلب کرو اس لیے کہ وہ خلوص نیت و شجاعت و بہادری میں مشہور و معروف ہیں۔ (طبری جلد ۲، صفحہ: ۵۸)

کنانہ بن بشر کے بارے میں حضرت علیؓ کا یہ ارشاد کنانہ کی عظمت و جلالت پر روشنی ڈالتا ہے۔

محمد بن ابی بکر نے اس کے بعد لوگوں کو جمع کیا ان کے سامنے ایک فصیح و بلیغ خطبہ پڑھا اور حسب ہدایت حضرت علیؓ دو ہزار کی فوج کنانہ کے ساتھ روانہ کی اور دو ہزار افراد کو لے کر خود مقابلہ میں آگئے۔

عمر بن عاص کی پہلے کنانہ ابن بشر کی فوج سے ٹکرا ہوئی کنانہ نے ایسی شجاعت و بہادری سے جنگ شروع کی کہ جو فوج مقابل میں آتی تھی اسے عمرو کے پاس مار بھگاتے تھے اور عمرو بن عاص ان کے مقابلے میں فوج کے بعد فوج روانہ کرتا تھا، جب عمرو بن عاص نے یہ کیفیت دیکھی تو معاویہ ابن خدیجؓ پاس کہلا بھیجا معاویہ بن خدیجؓ ایک فوج کثیر لے کر کنانہ بن بشر کے مقابل آگیا اور اس نے کنانہ کے ساتھیوں کو اپنے گھیرے میں لے لیا۔ پھر بھاگی ہوئی شامی فوج بھی



اس کی کمک کو آگئی جب کنانہ نے یہ کیفیت دیکھی تو خود اور ان کے ساتھی گھوڑوں سے اتر پڑے اور جنگ شروع کی کنانہ یہ آیت پڑھتے جاتے تھے۔  
 ”جس کو بھی موت آئے گی خدا کے حکم سے آئے گی یہ خدا کی طرف سے تحریر ہے جو دنیا کا عوض چاہے گا اس کو عوض دنیا دیں گے اور جو ثواب آخرت چاہتا ہے ہم اس کو ثواب آخرت دیں گے ہم عنقریب شکر کرنے والوں کو جزا دیں گے۔“  
 یہ کہتے رہے اور جنگ کرتے رہے اور درجہ شہادت پر فائز ہوئے کنانہ کی موت کا اثر یہ ہوا کہ محمد ابن ابی بکر کے ساتھی ساتھ چھوڑ کر فرار ہو گئے اور محمد ابن ابی بکر کی بھی شہادت ہو گئی (طبری جلد ۲ صفحہ: ۵۹)

## اعین بن ضبیہ مجاشعی

جب مصر میں محمد بن ابی بکر کی شہادت ہو گئی تو معاویہ نے عبداللہ بن عمرو بن حضرمی کو بصرہ روانہ کیا تاکہ وہ لوگوں کو اس کی ترغیب دلائے کہ عمرو بن عاص نے جو فیصلہ حکمین کا صادر کیا ہے اس کے پابند ہو جائیں قصہ یہ تھا کہ محمد ابن ابی بکر کی شہادت کے بعد عبداللہ بن عباس بصرہ سے کوئے محمد ابن ابی بکر کی تعزیت کے لیے آئے اور زیاد کو اپنا قائم مقام معین کر گئے جب عبداللہ بن عمرو بن حضرمی بصرہ آیا اور بنو تمیم میں آکر قیام کیا زیاد نے ابن حضرمی کے میزبان مالک بن سح کو جو بنو امیہ کی طرف مائل تھا اپنے امداد کی دعوت دی اس نے تامل کیا زیاد کو اندیشہ ہوا کہ کہیں قبیلہ ربیعہ کے لوگ بھی اس کی طرف مائل نہ ہو جائیں اس لیے وہ نافع کو مشورے سے صبرہ بن شیمان حدانی سے طالب اعانت ہوا زیاد نے اس سے کہلا بھیجا کہ جب تک امیر المومنین علیہ السلام کا حکم نہ آجائے مجھے اور بیت المال کو



اپنی پناہ میں لے لو اس نے اپنی پناہ میں لے لیا زیادہ بیت المال و منبر کے صبرہ کے یہاں آ گیا اور مسجد حدان میں نماز جمعہ پڑھنا شروع کیا اور اس کی اطلاع امیر المومنین علیہ السلام کو دی اور یہ بھی تحریر کیا کہ اکثر اہل بصرہ اس کی طرف مائل ہیں اور جنگ پر آمادہ ہیں میرے ساتھ تھوڑے سے لوگ ہیں جس سے میں اپنی بھی حفاظت نہیں کر سکتا ہوں اس لیے میں نے اپنے اور بیت المال کو صبرہ بن شیمان کی پناہ میں دے دیا ہے حضرت نے ہدایت دے کر اعیان بن ضبیعہ مجاشعی کو روانہ کیا اس نے بصرہ پہنچ کر زیاد کے ساتھ قیام کیا پھر اپنے قبیلہ یعنی بنو تمیم میں آ گیا لوگوں کو بلایا ابن حضرمی کے پاس بھی آئے لیکن ان لوگوں نے ان کو برا بھلا کہا پھر قتل کر دیا زیاد نے اس کی اطلاع حضرت علی علیہ السلام کو دی آپ نے جاریہ بن قدامہ اور شریک بن اعمور کو روانہ کیا بالاخر ابن حضرمی اپنے ساتھیوں کے ساتھ ایک گھر میں پناہ گزیں ہوا اور وہیں بری طرح قتل کر دیا گیا۔ (طبری جلد ۶، صفحہ: ۶۳ و ۶۴) (مقتول ۵۱ھ)

## شریک بن شداد حضرمی

جناب شریک بن شداد حضرمی کی گرفتاری وغیرہ کے حالات کتب تاریخ و رجال میں مجھے نہیں ملے لیکن مورخین کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ بھی جناب حجر کے رفقاء میں تھے انھیں کے ساتھ گرفتار کر کے شام بھیجے گئے بارہ افراد میں یہ بھی شامل تھے اور ساتھ آدمی جو مقام مرج عذراء میں شہید کیے گئے ان میں یہ بھی داخل تھے (طبری جلد ۶ صفحہ: ۴۹)

جناب حجر کے ساتھ محبت حضرت علیؑ میں گرفتار ہونا اور شہید ہونا بہترین شرف ہے۔ (مقتول ۵۱ھ)



## محرز بن شہاب سعدی

جناب محرز بھی جناب حجر بن عدی کے رفقاء میں داخل تھے امیر المومنین علیہ السلام کے سچے دوست تھے جناب حجر بن عدی کے ساتھ جو بارہ آدمی گرفتار کر کے شام بھیجے گئے ان میں جناب محرز بھی تھے اور شہید محبت علی ہونے والوں میں یہ بھی داخل تھے۔

کتب تاریخ و رجال میں ان کے حالات زندگی مرقوم نہیں ہیں۔

## عبدالرحمان بن حسان عسثری

جناب عبدالرحمان جناب حجر بن عدی کے ہم مسلک اور ساتھی تھے اور انھیں کے ساتھ جرم محبت امیر المومنین علیہ السلام میں گرفتار کر کے شام روانہ کئے گئے جب یہ قافلہ شام پہنچا اور مقام عذراء میں جو دمشق سے دو فرسخ دور تھا ٹھہرایا گیا تو معاویہ نے ان لوگوں کے پاس ہدبہ بن فیاض قضاعی حصین بن عبداللہ کلابی اور ابوشریف بدی کو سمجھانے بھجانے کے لیے شام کے وقت روانہ کیا ان میں ایک شخص یک چشم تھا رفقاء حجر میں سے کریم بن عقیف خثعمی نے ایک یک چشم کو بھی آتے دیکھ کر کہا کہ ہم میں سے نصف قتل کیے جائیں گے نصف کو نجات مل جائے گی سعد بن نمران جو جرم محبت کے گرفتاروں میں داخل تھے یہ سنتے ہی کہنے لگے پالنے والے مجھے نجات مل جائے لیکن تو راضی و خوشنودر ہے اور عبدالرحمان بن





حسان نے کہا کہ پالنے والے مجھے تو معزز و محترم قرار دے اور ان کو ذلیل و رسوا کرادو تو مجھ سے راضی رہے پالنے والے میں نے بسا اوقات اپنے کو ہلاکت میں ڈالا ہے لیکن ہوا وہی جو تو نے چاہا۔

یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ پیامبر آگئے اور معاویہ کا یہ حکم ان لوگوں کو سنایا (فلاں فلاں) چھ آدمی رہا کیے جاتے ہیں اور (فلاں فلاں) آٹھ آدمی قتل کیے جائیں گے اس کے بعد دوسرے دن بعد نماز صبح قتل ہونے والوں میں سے ایک ایک آدمی کو قتل کرنا شروع کیا یہاں تک کہ چھ آدمی جام شہادت پی کر راحی جنت ہو گئے۔ اور صرف عبدالرحمان بن حسان اور کریم بن عقیف باقی بچے ان لوگوں نے قاصدوں سے کہا کہ ہم لوگ علی بن ابی طالب کے بارے میں وہی کہتے ہیں جو معاویہ کہتا ہے پیامبروں نے ان کی گفتگو معاویہ کے پاس کہلا بھیجی معاویہ نے حکم دیا کہ ان دونوں کو ہمارے پاس لاؤ چنانچہ یہ دونوں بزرگوار معاویہ کے پاس آئے جب سامنے پہنچے تو کریم بن عقیف خمی نے کہا کہ اے معاویہ خوف خدا کر کے تو بھی اس فانی گھر سے آخرت کے باقی گھر جائے گا تجھ سے ہمارے قتل کے بارے میں کیا کہتے ہو کریم نے جواب دیا جو تم کہتے ہو وہی میں کہتا ہوں معاویہ نے کہا علی جس دین پر تھے اس سے براست کرتے ہو کریم نے یہ سوال سن کر کچھ جواب نہیں دیا معاویہ نے بھی یہ پسند نہیں کیا کہ وہ جواب دیں الغرض اپنے بعض اعزاء کی سفارش سے وہ اس شرط سے رہا کر دیئے گئے کہ کوفہ واپس نہ جائیں۔

معاویہ اس کے بعد جناب عبدالرحمان کی طرف متوجہ ہوا اور کہنے لگا کہ اے قبیلہ ربیعہ کی فرد تم علی کے بارے میں کیا کہتے ہو عبدالرحمان نے کہا اس کے بارے میں مجھ سے دریافت کرنا ہی تمہارے لیے بہتر ہے معاویہ نے کہا بتانا پڑے گا کہ علی کے بارے میں کیا کہتے ہو عبدالرحمان نے کہا جب حضرت علی کے



متعلق اظہار خیال ضروری ہے تو سنو میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت علیؑ ذکرِ خدا بہت کرتے تھے حق کا حکم دیتے تھے عدل و انصاف کو قائم کرتے تھے لوگوں کی خطائیں معاف کرتے تھے معاویہ نے کہا عثمان کے متعلق کیا کہتے ہو جناب عبدالرحمان نے کہا عثمان پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے ظلم کا دروازہ کھول دیا حق کا دروازہ بند کیا معاویہ نے کہا عبدالرحمان تم نے اپنے کو قتل کر دیا۔ عبدالرحمان بولے نہیں میں نے تجھ کو قتل کیا الغرض معاویہ نے عبدالرحمان کو زیاد کے پاس واپس کر دیا اور اسے تحریر کیا کہ تو نے جتنے افراد کو یہاں بھیجا تھا ان میں سب سے زیادہ برے عبدالرحمان ہیں اس لیے جس سزا کے مستحق ہیں ان کو وہ سزا دے اور ان کو بری طرح قتل کر جب عبدالرحمان زیاد کے پاس لائے گئے تو اس نے ان کو مقامِ فس ناطف بھیج دیا اور زندہ قبر میں دفن کر دیا۔

جناب عبدالرحمان اور کریم جب معاویہ کے پاس عذراء سے لے جائے جارہے تھے تو جناب عبدالرحمان نے جناب حجر بن عدی سے کہا کہ خدا آپ کو ہمیشہ اپنے بارگاہِ قدسی میں رکھے آپ بہترین اسلامی بھائی تھے۔

(طبری جلد ۶، صفحہ ۱۵۴، ۱۵۵)

جناب عبدالرحمان کا یہ عجیب و غریب جہاد ہے ان میں بھی ان کے دیگر رفقاء کی طرح عجب ثبات قدم تھا جو ان کے سچے محب امیر المومنین اور مومن کامل ہونے کی دلیل ہے۔

کاش ہمارے زمانے کے شیعوں میں ایسے افراد پیدا ہو جائیں کاش نفسِ خبیث پر بھی ان کے نفسِ نورانی کی ایک چھوٹ پڑ جائے۔

حیرت ہے علمائے رجالِ شیعہ سے کہ انھوں نے نہ معلوم کن اسباب سے جناب حجر کے رفقاء کے حالاتِ زندگی کو بالکل نظر انداز کر دیا ہے اور سوائے بعض



کے کسی کا تذکرہ اپنی کتب میں نہیں کیا ہے حالانکہ ان لوگوں نے امتحان گاہِ محبت امیر المومنین علیؑ میں عجیب و غریب قربانی پیش کی ہے۔

## جویریہ ابن مسہر عبدی

حضرت امیر المومنین علیؑ کے مخصوص فدائی جانناز اصحاب میں جناب جویریہ ابن مسہر بھی شامل تھے اور یہ بھی ان سرفروشان محبت میں داخل تھے جن کے محب علیؑ ہونے کے سبب سے ہاتھ پیر کاٹے گئے اور سولی دی گئی۔ حضرت علیؑ نے اپنی حیات میں ان سے ان کی کیفیتِ شہادت کو بیان کر دیا تھا۔ اور جیسا حضرت نے بتایا تھا حرف بحرف اس کے مطابق ان کی شہادت واقع ہوئی۔ جناب جویریہ اس پائے کے صحابی و محب امیر المومنین حضرت علیؑ تھے کہ جس طرح یہ حضرت کو دوست رکھتے تھے حضرت بھی ان کو دوست رکھتے تھے۔ اصحاب پیغمبر اسلام و اصحاب آئمہ معصومین علیہم السلام میں معدودے چند ایسے حضرات ہیں جن کیلئے بصراحت معصوم نے یہ فرمایا ہو کہ میں تم کو دوست رکھتا ہوں اور جس سے نبی یا امام یہ فرمادے اس کے رفعت مراتب و بلندی درجہ و علوم مقام کو کوئی کیا بیان کر سکتا ہے۔ جناب جویریہ کے بارے میں کتب اہل سنت میں بھی وارد ہے کہ حبہ عرفی راوی ہیں کہ جویریہ بن مسہر عبدی مرد صالح اور حضرت علیؑ کے دوست تھے۔ حضرت علیؑ بھی ان کو دوست رکھتے تھے ایک دن یہ حضرت کے ساتھ کہیں جا رہے تھے راستے میں حضرت نے آواز دی جویریہ میرے پاس آ جاؤ اس لئے کہ میں جب تم کو دیکھتا ہوں تو میرا دل تمہاری طرف مائل ہوتا ہے، دوسری روایت حبہ عرفی ہی سے وارد ہے کہ ایک دن ہم



لوگ حضرت علیؑ کے ساتھ جا رہے تھے جو یہ پیچھے پیچھے چل رہے تھے حضرت یک یک جو یہ کی طرف متوجہ ہوئے اور آواز دی جو یہ میرے پاس آ جاؤ تم کو معلوم نہیں ہے کہ میں تم کو دوست رکھتا ہوں، جو یہ دوڑ کر حضرت کے پاس پہنچے آپ نے فرمایا جو یہ میں تم کو کچھ باتیں بتاتا ہوں تم ان کو یاد کر لو اس کے بعد حضرت نے ان سے چپکے چپکے باتیں شروع کیں جو یہ نے عرض کیا مولانا میں بھولتا بہت ہوں اس لیے ان واقعات کو مجھ سے پھر بیان کر دیجئے حضرت نے فرمایا میں پھر سے بیان کرتا ہوں تاکہ تم اسے یاد کر لو ان باتوں کے آخر میں حضرت نے جو یہ سے فرمایا جو یہ جب تک ہمارا دوست ہم کو دوست رکھے تم بھی دوست رکھو لیکن جب وہ ہمارا دشمن ہو جائے تو تم بھی اس کو دشمن رکھو لیکن جب پھر ہم کو دوست رکھنے لگے تو پھر تم اس کے دوست ہو جاؤ جن لوگوں کے دلوں میں حضرت علیؑ کے بارے میں شکوک تھے انھوں نے کہنا شروع کیا دیکھتے ہو حضرت علیؑ نے جو یہ کو اسی طرح اپنا وصی بنا دیا ہے جس طرح وہ خود اپنے لیے وصی رسول ہونے کے مدعی ہیں۔

جناب جو یہ کے لیے لوگ یہ باتیں اس لیے کہا کرتے تھے کہ جو یہ کو حضرت سے بہت زیادہ اختصاص حاصل تھا حد یہ ہے کہ ایک دن حضرت علیؑ سورہے تھے آپ کے کچھ اصحاب حاضر خدمت تھے کہ جو یہ حاضر ہوئے پکار کر کہنے لگے اے سونے والے اٹھ اس لیے کہ تیرے سر پر ایسی ضربت لگائی جائیگی کہ جس سے تیری ڈاڑھی تیرے خون سے خضاب ہوگی حضرت علیؑ مسکرائے اور فرمانے لگے جو یہ آؤ میں تم سے تمہارا واقعہ بیان کروں جو یہ تم ایک سرکش حرام زادے کے پاس زبردستی لائے جاؤ گے وہ ضرور تمہارے ہاتھ پیر کاٹے گا اور ایک کافر کے خرمہ کے تنے پر تم کو سولی دے



گا۔ جب عرفی بیان کرتے ہیں کہ خدا کی قسم زیادہ عرصہ نہیں گزرا کہ زیادہ نے جناب جویریہ کو گرفتار کیا اور ہاتھ پیر کاٹے اور ابن بکجر کے لمبے خرے تٹنے کے پہلو میں ایک خرے کے تٹنے پر سولی دے دی۔

(شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید جلد ۱، صفحہ: ۲۱۰)

اس روایت کو علامہ مجلسی نے بحار الانوار جلد ۹، صفحہ: ۲۰، پر تھوڑے سے تغیر کے ساتھ نقل کیا ہے۔ اور آخر میں یہ بھی تحریر کیا ہے کہ جب معاویہ کے زمانہ حکومت میں زیاد حاکم کوفہ ہوا تو اس نے ان کے ہاتھ پیر کاٹ کے سولی دی تھی۔ جناب جویریہ کو حضرت امیر صرف دوست ہی نہیں رکھتے تھے بلکہ حضرت کے موثق و معتبر اصحاب میں بھی یہ داخل تھے چنانچہ کتاب معدن الحکمہ اور رسائل میں علی بن ابراہیم قمی سے ایک حدیث طولانی کے ضمن میں منقول ہے کہ ایک دن حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے اپنے منشی ابورافع کو حکم دیا کہ میرے معتبر و موثق افراد سے دس آدمیوں کو میرے پاس لاؤ ابورافع نے عرض کیا ان کے نام بتا دیجئے تو آپ نے فرمایا اصغ بن نباتہ ابو طفیل عامر بن واثلہ کنانی، زریں بن حبیش اسدی، جویریہ بن مسہر عبدی، خندف بن زہیر اسدی، حارث بن مقرنہ ہمدانی حارث بن عمو ہمدانی قبیلہ نخع کے چراغ، علقمہ بن قیس، کمیل بن زیاد، عمیر بن زرارہ کو میرے پاس لے آؤ۔

رجال، مامقانی جلد ۱ صفحہ: ۱۵۰ حالات اصغ بن نباتہ جناب جویریہ حضرت علی علیہ السلام کے مؤذن بھی تھے جیسا کہ بحار جلد ۹ صفحہ: ۲۹ پر درج ہے اور مناقب ابن شہر آشوب ۲ صفحہ: ۱۶۲ پر تحریر ہے۔

جناب جویریہ وہ باکمال محب امیر المومنین علیہ السلام تھے کہ جن کو حضرت علی علیہ السلام نے تین مرتبہ بشارت دی ہے۔ چنانچہ خود جویریہ ناقل ہیں میں نے حضرت کو یہ



ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ محمدؐ کے محب کو دوست رکھو اور جب وہ ان کو دشمن رکھنے لگے تو اس کے دشمن ہو جاؤ۔ اور آل محمدؐ کے دشمن کو دشمن رکھو اور جب وہ آل محمدؐ کا دوست ہو جائے تو اس کے دوست ہو جاؤ۔ اس کے بعد تین مرتبہ ارشاد فرمایا میں تم کو بشارت دیتا ہوں میں تم کو بشارت دیتا ہوں۔

(رجال کشی صفحہ: ۷۰)

چونکہ جناب جویریہ کو حضرت امیر المومنین علیؑ سے یہ اختصاص تھا اور انتہائی قربت و منزلت بارگاہِ علوی میں حاصل تھی اسی لئے بخوشی یہ مصیبت گوارا کر لی ہاتھ پیر کٹوا دیئے اور سولی پر چڑھائے جانے کے بعد بھی ان کی پیشانی پر بل نہیں پڑے۔

کتب رجال و تاریخ میں ان کی تاریخ شہادت میری نظر سے نہیں گزری لیکن کوفہ میں زیادہ کی حکومت ۵۱ھ سے ۵۳ھ تک باقی رہی اس لیے اسی عرصے میں ان کی دردناک شہادت واقع ہوئی ہوگی۔

## مرزع

امیر المومنین علیؑ کے اصحاب میں مرزع نام کے ایک بزرگ تھے جو لوگوں کو آئندہ کی باتیں بتایا کرتے تھے۔ ابو اراکہ طباطبائی اپنے اس ابو الغالیہ سے روایت کرتے ہیں کہ یقیناً ایک لشکر آنے والا ہے جب وہ صحراء میں پہنچے گا تو ان کے ساتھ زمین دھنس جائیگی میں نے کہا کہ مرزع تم نے تو غیب کی خبر بیان کرنا شروع کر دی مرزع نے کہا کہ میں جو تم سے بیان کر رہا ہوں اسے یاد رکھو اس لیے یہ مجھ سے سب سے معتبر و موثق بزرگ حضرت علیؑ نے بیان کیا ہے نیز



مجھ سے ایک چیز اور بھی بیان کی ہے حضرت علیؑ نے فرمایا ہے کہ تم ضرور گرفتار کیے جاؤ گے اور قتل کیے جاؤ گے اور مسجد کے دونوں کنگروں کے درمیان تم کو دار پر چڑھایا جائے گا۔ ابو الغالیہ کہتے ہیں کہ اس تذکرہ کو ایک جمعہ بھی نہ گزرنے پایا تھا کہ مرزوع گرفتار کیے گئے قتل کیے گئے اور مسجد کے دونوں کنگروں کے درمیان ان کو سولی دے دی گئی۔

اس روایت کو علامہ ابی ابی الحدید معتزلی نے شرح نہج البلاغہ جلد ۱، صفحہ ۲۱۱ پر حضرت علیؑ کے غیب دانی کے واقعات میں تحریر کیا ہے۔ اس واقعے میں جناب مرزوع نے دو خبریں دی ہیں پہلے اپنے شہادت کی نوعیت اور دوسرے صحرا کی زمین کا دھنسا، شہادت اور کیفیت شہادت کا حال تو اس روایت میں اختصار کے ساتھ موجود ہی ہے لیکن زمین کے دھسنے کے بارے میں موصوف کہتے ہیں کہ صحیح مسلم اور بخاری میں بھی جناب اُمّ المؤمنین اُمّ سلمہؓ سے زمین کے دھسنے کی روایت موجود ہے۔ نیز یہ کہ ایک روایت امام محمد باقرؑ سے بھی نقل کی ہے جس سے یہ واضح ہوتا ہے مدینے کے قریب کسی وادی میں ایسا واقعہ رونما ہوگا۔

جناب مرزوع کی تاریخ شہادت کتب رجال و تاریخ میں میری نظر سے نہیں گزری لیکن ان کے لیے بھی یہ قیاس کیا جاتا ہے کہ ۵۱ھ سے ۵۳ ہجری تک ہی کے کسی سن میں شہادت واقع ہوئی ہوگی۔

## خالد بن مسعود

خالد بن مسعود جلیل القدر اصحاب امیر المؤمنین علیؑ میں شامل تھے حضرت پردل و جان سے فدا تھے شتم تماری طرح ان کو بھی عبید اللہ بن زیاد نے جرم محبت



امیر المومنین علیؑ میں شہید کیا تھا اور سولی دے دی تھی۔ ان کی شہادت کا پتہ امام علی رضا علیہ السلام کی اس روایت سے چلتا ہے جس میں آپ نے امیر المومنین علیؑ سے نقل کیا ہے علامہ کشی معرفۃ اخبار الرجال صفحہ ۵۶ پر امام رضا علیہ السلام ایک روایت جناب میثم کے حالات میں نقل کرتے ہیں۔ جس میں پہلے میثم نے حضرت کے شہادت کی خبر دی ہے پھر حضرت نے فرمایا۔ میثم تم سچ کہتے ہو کہ تمہارے ہاتھ پاؤں اور زبان کاٹی جائے گی اور کناسہ کا درخت خرمہ بھی ضرور کاٹا جائے گا جس کو پھاڑ کے چار ٹکڑے کئے جائیں گے ایک چوتھائی پر تم کو سولی دی جائے گی ایک چوتھائی پر رشید ہجری کو اور ایک چوتھائی پر محمد بن اسلم کو ایک چوتھائی پر خالد بن مسعود کو۔

علامہ مامقانی نے خالد بن مسعود کے حالات میں مذکورہ بالا روایت کی طرف اشارہ کر کے ان کے بارے میں صرف اس قدر تحریر فرمایا ہے کہ یہ روایت دلالت کرتی ہے کہ جناب خالد منفرد شیعوں میں داخل تھے اور ان لوگوں میں داخل تھے جنہوں نے اپنی جان امیر المومنین علیؑ کی محبت میں دے دی جو مرتبہ عدالت سے بھی بالاتر ہے۔

غالباً ان کی شہادت بھی زمانہ شہادت میثم تمار ہی کے لگ بھگ زمانے میں واقع ہوئی ہوگی اور ان کا قاتل بھی عبداللہ بن زیاد ملعون ہی ہوگا۔

## محمد بن اسلم

محمد بن اسلم کے حالات کتب رجال و تاریخ میں نہیں ملتے ہیں صرف امام علی رضا علیہ السلام کی جس روایت کی طرف ہم خالد بن مسعود کے حالات میں اشارہ کر چکے ہیں اس میں کناسہ کے درخت خرمہ کے تنے کے ایک چوتھائی حصے پر ان





کے سولی دیئے جانے کا ذکر ہے۔

جس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ بھی بڑے پائے کے شیعہ تھے اور ایسے جان باز و فدائی تھے کہ آپ کی محبت میں سولی پر چڑھا دیئے گئے۔

کشی میں میثم کے حالات میں ان کا تذکرہ بھی ہے میثم کی شہادت کے زمانے سے کچھ قبل یا بعد ان کی شہادت واقع ہوئی ہوگی اور عبید اللہ بن زیاد ہی قاتل رہا ہوگا۔

## عبداللہ بن عفیف ازدی

عبداللہ ابن عفیف حضرت علیؑ کے خاص صحابی تھے، جنگِ جمل اور جنگِ صفین میں مولا علیؑ کے ہم رکاب تھے۔ نصرتِ علیؑ میں خوب شجاعت کے جوہر دکھائے۔

جناب عبداللہ بن عفیف کی شہادت بعد واقعہ مکر بلا اس وقت واقع ہوئی جب کر بلا کا لٹا ہوا قافلہ کوفہ آیا۔ عبید اللہ ابن زیاد نے شہادتِ امام حسینؑ کے بعد ان کو شہید کیا۔ جناب عبداللہ بن عفیف بڑے عابد و زاہد و متقی تھے۔

اس وقت مسجد کوفہ میں موجود تھے اس لیے کہ کثرتِ زہد و ورع و عبادت کے سبب سے مسجد میں برابر رہا کرتے تھے۔ ان کی ایک آنکھ جنگِ جمل اور ایک صفین میں حضرت علیؑ کی نصرت میں شہید ہو چکی تھی ان کا واقعہ شہادت یہ ہے کہ۔

جب ابن زیاد نے سر امام حسینؑ کو فے کے گلی کو چوں میں پھرانے کے بعد مسجد کوفہ میں خطبہ شروع کیا اور کہا خدا کا شکر ہے کہ جس نے حق کو غالب اور (معاذ اللہ) کذاب بن کذاب کو ناکامیاب اور قتل کیا یہ سن کر عبداللہ بن عفیف کو تاب ضبط نہ رہی، کھڑے ہوئے اور کہا تو اور تیرا باب جھوٹا ہے اور جس نے تجھ

کو حکم دیا ہے وہ اور اس کا باپ جھوٹا ہے ابن زیاد نے کہا یہ کون ہے انھوں نے جواب دیا میں عبداللہ بن عقیف ازدی ہوں یہ سنتے ہی انتہائے غیض و غضب میں ابن زیاد کے گلے کی رگیں پھول گئیں اور اس نے پولیس کو حکم دیا کہ ان کو گرفتار کرے لوگ عبداللہ کی گرفتاری کے لیے بڑھے ادھر ان کے قبیلہ والے ان کی حمایت کے لیے کھڑے ہو گئے اور سپاہیوں کے نیچے سے چھڑا کر ان کے گھر پہنچا دیا ابن زیاد نے حکم دیا عبداللہ بن عقیف کو گرفتار کر کے لایا جائے جب فوج گرفتاری کے لیے گئی تو قبیلہ ازد کے لوگ ان کی حمایت کے لیے میدان میں آ گئے ابن زیاد نے کچھ اور قبائل کی امداد حاصل کر کے روانہ کیا بالاخر قبیلہ ازد اور ابن زیاد کی فوج سے جنگ ہوئی اور اس سلسلہ میں قبیلہ ازد کے بہت سے افراد قتل ہوئے فوج دروازہ توڑ کر عبداللہ بن عقیف کے گھر میں داخل ہو گئی عبداللہ کی بیٹی نے باپ سے کہا بابا فوج گھر میں آ گئی ہے فرمانے لگے بیٹی پریشان نہ ہو مجھے میری تلوار دے دے اور بتاتی جا کہ فوجی کس طرف سے حملہ آور ہیں غرض بیٹی بتاتی جاتی تھی عبداللہ رجز پڑھ پڑھ کر حملہ کرتے تھے لیکن ایک نابینا تنہا کہاں تک لڑتا گرفتار کر لیے گئے اور بیٹی فریاد ہی کرتی رہی۔ گرفتاری کے بعد عبداللہ نے کہا آج اگر میری آنکھ میں پینائی ہوتی تو تمہاری کیا مجال تھی کہ مجھے گرفتار کرتے۔

الفرض ابن زیاد کے سامنے لائے گئے اس نے کہا تم عثمان بن عفان کے بارے میں کیا کہتے ہو جناب عبداللہ نے جواب دیا تجھے ان سے کیا مطلب انھوں نے جو کچھ کیا ہے اس کے بارے میں خدائے عادل عدل و انصاف سے فیصلہ کرے گا لیکن اے مرجانہ و سمیہ کے بیٹے تو مجھ سے اپنے اور اپنے باپ اور یزید اور اس کے باپ کے بارے میں دریافت کر لو میں بیان کروں ابن زیاد نے کہا میں ان چیزوں کے بارے میں تم سے کچھ نہ پوچھوں گا لیکن تم کو بری



طرح قتل کروں گا، یہ سن کر عبد اللہ ابن عفیف خوش ہو گئے، فرمانے لگے ابن زیاد میں تیری نجس پیدائش سے پہلے سے دعا کیا کرتا تھا کہ میری شہادت بدترین خلق کے ہاتھوں واقع ہو لیکن جمل وصفین میں آنکھوں کی شہادت کے سبب سے میں مایوس ہو گیا تھا لیکن خدا کا شکر کہ میری دعا قبول ہو گئی بالآخر عبد اللہ ابن زیاد نے عبد اللہ ابن عفیف کو قتل کرا کے ان کی لاش مقام سبخہ میں سولی پر لٹکا دی۔

(خلاصہ لہف، سے لیا گیا۔)

جناب عبد اللہ کی شہادت ابتداء ۶۱ھ میں واقع ہوئی۔ کتب رجال میں ان کے حالات مذکور نہیں ہیں۔

عبد اللہ ابن عفیف نے مولیٰ علیؑ سے فرمایا تھا کہ میری دونوں آنکھیں مجھے عطا کر دیجئے، مولیٰ علیؑ نے فرمایا کہ عبد اللہ میں تمہیں آنکھیں عطا تو کر سکتا ہوں لیکن میرے بعد جو ہونے والا ہے وہ تم جب دیکھو گے تو خدا سے دعا کرو گے کہ پروردگار میری آنکھیں واپس لے لے کیا میں اس منظر کو دیکھنے کے لئے زندہ ہوں۔

۶۱ ہجری میں جب آل محمدؐ کا لٹا ہوا قافلہ کوفہ میں داخل ہوا عبد اللہ ابن عفیف ابن زیاد کے دربار میں موجود تھے، ابن زیاد پر لعنت کرنے کے بعد دربار سے نکلے اور جب بازار کوفہ آئے تو کان میں ایک آواز آئی کوئی خطبہ دے رہا تھا۔ عبد اللہ ابن عفیف نے گھبرا کر کہا یہ تو میرے مولیٰ علیؑ کی آواز آرہی ہے کہ قیامت برپا ہو گئی۔

عبد اللہ ابن عفیف ۲۰ رمضان ۴۰ ہجری کو مولیٰ علیؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے اس وقت مولیٰ علیؑ نے عبد اللہ ابن عفیف کو یہ کہہ کر رخصت کیا تھا کہ عبد اللہ اب آج کے بعد تم میری آواز نہ سن سکو گے، اب میری آواز قیامت کے دن محشر کے میدان میں سنو گے۔

کوفہ کے بازار میں عبداللہ ابن عقیف نے جو آواز سنی وہ مولا علیؑ کی آواز سے مشابہ تھی اس لئے انھوں نے یہ کہا کہ کیا قیامت برپا ہوگئی، یہ تو علیؑ بول رہے ہیں۔ عبداللہ ابن عقیف کو بتایا گیا کہ یہ علیؑ کی بیٹی زینب کبریٰؑ ناتقے پر خطبہ دے رہی ہیں۔ رسول اللہؐ کے گھر کی عورتوں کو بے پردہ قیدی بنا کر کر بلا سے کوفہ لایا گیا ہے۔ اُس وقت عبداللہ نے کہا اب میری سمجھ میں یہ بات آگئی کہ جب میں نے مولا علیؑ سے اپنی اندھی آنکھوں کے لئے دعا کرنے کو کہا تو آپؑ نے فرمایا تھا عبداللہ تم وہ سب دیکھ نہ سکو گے۔

عبداللہ ابن عقیف نے اُسی وقت تلوار نکال کر حملہ کر دیا۔ اُن کے قبیلے کے لوگ انھیں بچا کر گھر لے آئے۔ اُن کے گھر پر حملہ ہوا اور انھوں نے جہاد کیا۔ بے انتہا بہادر تھے کہ آنکھوں سے محروم مجاہد نے بھی خوب جہاد کیا۔ بیٹی سے کہا مجھے پکار کر بتاتی جا کہ دشمن کدھر سے آرہا ہے میں حملہ کرتا جاؤں گا۔

## ہمدان غلام حضرت امیر المومنینؑ

جناب ہمدان حضرت علیؑ کے زرخیز غلام تھے اور جناب جویریہ بن مسہود ابن النہاح کی طرح یہ بھی حضرت کے موزن تھے۔

(مناقب ابن شہر آشوب جلد ۲ صفحہ: ۱۶۲)

جناب ہمدان کے حالات کتب رجال و تاریخ میں نہیں ملتے ہیں نہ یہ ملتا ہے کہ حجاج نے کب اور کہاں گرفتار کیا اور کس طرح شہید کیا مناقب ابن شہر آشوب جلد ۳، میں صفحہ: ۱۶۲ پر صرف اتنا مرقوم ہے کہ ان کو حجاج بن یوسف ثقفی نے شہید کیا ہے۔

## فہرست مصادر و ماخذ

ذیل میں ان کتابوں کی مختصر فہرست دی جاتی ہے جو اصحاب امیر المومنینؑ کے تذکروں کی ترتیب میں میرے مطالعہ میں رہی ہیں تاکہ ضرورت کے وقت ان کی طرف رجوع کیا جاسکے۔

- ۱۔ الاخبار الطوال، دینوری، لیدن ۱۸۸۸ م
- ۲۔ الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، حیدر آباد، ۱۳۳۶ھ
- ۳۔ اسد الغابہ ابن اثیر جزری، مصر، ۱۲۸۵ھ
- ۴۔ اصحابہ ابن حجر عسقلانی، کلکتہ ۱۲۳۵ھ
- ۵۔ اغانی ابوالفرج اصفہانی، مصر ۱۳۲۲ھ
- ۶۔ امالی شیخ صدوق، ایران، ۱۲۸۶ھ
- ۷۔ امالی شیخ الطائفہ، ایران، ۱۳۱۳ھ
- ۸۔ امالی ابوالسّمیعیل قالی، مصر، ۱۳۲۲ھ
- ۹۔ الامامت والسیاست، ابن قتیبہ، مصر ۱۳۲۷ھ
- ۱۰۔ بحار الانوار مجلسی، ایران، ۱۰۳۴ھ
- ۱۱۔ البدایہ والنہایہ ابن کثیر، مصر ۱۹۳۲ھ
- ۱۲۔ تاریخ ابن خلدون، مصر، ۱۲۸۴ھ
- ۱۳۔ تاریخ ابن عساکر، دمشق، ۱۳۲۹ھ
- ۱۴۔ تاریخ الطبری، مصر، ۱۳۲۶ھ



- ۱۵۔ تاریخ کامل، ابن اثیر، مصر، ۱۳۰۸ھ
- ۱۶۔ التوحید شیخ صدوق، ایران، ۱۳۳۱ھ
- ۱۷۔ تہذیب التہذیب، حیدرآباد، ۱۳۲۶ھ
- ۱۸۔ حلیۃ الاولیاء، ابو نعیم، مصر، ۱۳۵۱ھ
- ۱۹۔ خصائص الائمة قلمی کتاب خانہ رام پور
- ۲۰۔ خلاصۃ الاقوال جلی، طہران، ۱۳۱۱ھ
- ۲۱۔ ذیل المذیل الطبری، مصر، ۱۳۲۶ھ
- ۲۲۔ رجال کشی، بمبئی، ۱۳۱۷ھ
- ۲۳۔ رجال نجاشی، بمبئی، ۱۳۷۱ھ
- ۲۴۔ سیر الصحابہ، اعظم گڑھ
- ۲۵۔ شذرات الذهب، مصر، ۱۳۵۰ھ
- ۲۶۔ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ایران
- ۲۷۔ صبح الاعشی، مصر، ۱۳۳۱ھ
- ۲۸۔ صفۃ الصفوة، حیدرآباد، ۱۳۵۵ھ
- ۲۹۔ طبقات ابن سعد، لیدن، ۱۹۲۱ھ
- ۳۰۔ العهد الفرید قاہرہ، ۱۹۲۰ھ
- ۳۱۔ عیون الاخبار، مصر، ۱۳۴۳ھ
- ۳۲۔ فتوح البلدان بلاذری، لیدن ۱۸۶۶ھ
- ۳۳۔ مجالس المومنین، طہران
- ۳۴۔ المجالس والمساوی بیہقی، مصر، ۱۳۲۵ھ
- ۳۵۔ محاضرات الابرار وسامرة الاخبار، مصر ۱۲۸۲ھ



۳۶۔ مرآة الجنان، یافعی، حیدرآباد، ۱۳۳۷ھ

۳۷۔ مروج الذهب مسعودی، مصر، ۱۲۸۳ھ

۳۸۔ منتہی القال۔

۳۹۔ منہج القال، مخطوطہ رام پور

۴۰۔ میزان الاعتدال، لکھنؤ، ۱۳۰۱ھ

۴۱۔ نہج البلاغہ، بیروت۔

jabir.abbas@yahoo.com



## علامہ ڈاکٹر سید ضمیر اختر نقوی کی کتابیں

نمبر	کتاب کا نام	صفحات	قیمت
..... «سوانح حیات» .....			
۱۔	سوانح حضرت فاطمہؑ (انڈونیشیا پیپر)	1040	700/=
۲۔	ایران کی شہزادی جناب شہربانوؑ	472	400/=
۳۔	شہزادہ قاسم ابن حسنؑ (جلد اول)	640	500/=
۴۔	شہزادہ قاسم ابن حسنؑ (جلد دوم)	400	500/=
۵۔	سوانح حیات شہزادہ علی اصغرؑ	960	800/=
۶۔	اُمّ البنینؑ	400	300/=
۷۔	سوانح حیات حضرت اُمّ کلثومؑ	544	600/=
..... «تاریخ» .....			
۸۔	شہزادہ قاسم کی مہندی	400	500/=
۹۔	شہزادی زینبؑ اور تاریخ ملکِ شام	224	200/=
۱۰۔	امام حسنؑ کی فتح اور دشمنِ خدا کی شکست	144	200/=



## اصحاب امیر المومنین

200/=	224	۱۱۔ غم حسین اور عزا داروں کی شفاعت
600/=	720	۱۲۔ ذوالجناح
200/=	144	۱۳۔ شہید علمائے حق
..... (ادبیات) .....		
300/=	288	۱۴۔ معصوموں کا ستارہ شہزادہ علی اصغر (فرخج سے ترجمہ)
200/=	240	۱۵۔ اردو غزل اور کر بلا
300/=	384	۱۶۔ احساس (علی، ادبی مضامین)
300/=	338	۱۷۔ نوادرات مرثیہ نگاری (جلد اول)
300/=	368	۱۸۔ نوادرات مرثیہ نگاری (جلد دوم)
200/=	304	۱۹۔ کلام ضمیر (مرچے، نوے، سلام)
500/=	912	۲۰۔ شعرائے اردو اور عشق علی
500/=	720	۲۱۔ شاعر اعظم (میر انیس)
300/=	416	۲۲۔ میر انیس کی شاعری میں رنگوں کا استعمال
400/=	408	۲۳۔ میر انیس بحیثیت ماہر حیوانات
500/=	366	۲۴۔ میر انیس (انکس)
500/=	544	۲۵۔ اردو مرثیہ پاکستان میں
500/=	992	۲۶۔ خاندان میر انیس کے نامور شعرا
1000/=	1232	۲۷۔ ضمیر حیات



700/=	968	دستانِ ناخ	۲۸-
..... ﴿عشرہ مجالس﴾ .....			
300/=	368	عظمتِ حضرت زینبؓ (۱۵ مجالس)	۲۹-
200/=	224	حضرت علیؓ میدانِ جنگ میں	۳۰-
400/=	(کمل سیٹ)	معراجِ خطابت (۵ جلدیں)	۳۱-
300/=	368	حضرت علیؓ کی آسانی تلوار و الفقار	۳۲-
200/=	272	امام اور امت (اردو)	۳۳-
200/=	307	امام اور امت (انگریزی ترجمہ)	۳۴-
200/=	336	احسان اور ایمان	۳۵-
200/=	336	ولایتِ علیؓ	۳۶-
200/=	400	مجالسِ محسنہ (جلد اول)	۳۷-
200/=	368	مجالسِ محسنہ (جلد دوم)	۳۸-
200/=	320	معجزہ اور قرآن	۳۹-
200/=	272	ظہورِ امام مہدیؑ	۴۰-
200/=	288	عظمتِ صحابہ	۴۱-
200/=	304	تاریخِ شیعیت	۴۲-
250/=	352	قائدِ حسینؑ کا انجام	۴۳-
300/=	352	علمِ زندگی ہے	۴۴-

## اصحاب امیر المومنینؑ

۸۳۹

250/=	296	عظمت حضرت ابوطالبؑ	۳۵-
250/=	257	اسلام پر حضرت علیؑ کے احسانات	۳۶-
250/=	344	قرآن کی قسمیں	۳۷-
300/=	256	معرفت الہی اور سیرت معصومینؑ	۳۸-
300/=	304	بت شکن اور بت تراش	۳۹-
300/=	272	انسان اور حیوان	۵۰-
300/=	304	اقوام عالم اور عزاداری حسینؑ	۵۱-
300/=	328	علیؑ وارث انبیاءؑ	۵۲-
300/=	312	محمسنین اسلام	۵۳-
300/=	256	عورت اور اسلام	۵۴-
300/=	312	حیات حضرت عباس علمدارؑ	۵۵-
300/=	288	علیؑ وسیلہ نجات	۵۶-
300/=	320	خُسینی معاشرہ اور تاریخ انبیاءؑ	۵۷-
300/=	384	سیرت معصومینؑ	۵۸-
300/=	256	حیات امام حسینؑ	۵۹-
300/=	320	معصومین کا علم لسانیات	۶۰-
300/=	384	سیرت معصومینؑ	۶۱-
300/=	840	اصحاب امیر المومنینؑ	۶۲-
300/=	320	دو ہزار سال کی کہانی نئی صدی کی زبانی	۶۲-



عشرہ مجالس شائع ہو گیا ہے

# عشرہ مجالس دو ہزار سال کی کہانی نئی صدی کی زبانی

-----{بمقام}-----

امام بارگاہِ خیمہ سادات - لاہور

-----{برطابق}-----

۱۴۲۱ھ بمطابق ۲۰۰۰ء

علامہ ڈاکٹر سید ضمیر اختر نقوی